زاد المعاد

حصّہ دوم

یہ حصّہ مشتمل ہے رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و مجاہدات، معاملات دینی و دنیوی میں آپؐ کے اسوۂ مبارک اور سنتِ طیّبہ، نیز حالات و سوانح اور معمولات نبوی کی روشنی میں بہت ہی اہم نکات و نوادر مسائل فقہیہ پر۔

مُصنّفہ
علامہ حافظ ابنِ قیّم

مُترجم
سیّد رئیس احمد جعفری

نفیس اکیڈمی
بلاسس اسٹریٹ ــــــــــــــ کراچی (پاکستان)

قیمت: [illegible] آنے

طبع اوّل: ــــــــــــــــ اگست ۱۹۶۲ء

مطبوعہ

انٹرنیشنل پریس، کراچی

بارگاہِ رسالتؐ میں نذرِ عقیدت

(از چوھدری محمد اقبال سلیم گاھندری)

جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صفات وخصوصیات میں یکتا تھے، اسی طرح آپؐ کی یہ خصوصیت بھی یگانہ ہے کہ آپؐ کی ذاتِ گرامی پر، دنیا کی ہر زبان میں بالعموم، اور عربی واُردو میں بالخصوص جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، صحت واستناد اور جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہیں، اُن کا عشرِ عشیر بھی، کسی اور نبی پر کسی زبان میں نہیں لکھا گیا ہے۔۔۔۔ صلی اللہ علیہ وسلم

بے شک زاد المعاد، ایک طویل اور ضخیم کتاب ہے لیکن حیرت ہے کہ دوسری بہت سی طویل وضخیم کتابیں اُردو میں ترجمہ ہو چکی ہیں، مگر اب تک کسی ناشر نے اس اہم ترین کتاب کے ترجمہ کی طرف توجہ مبذول نہیں کی، جو سیرۃ نبوی کے ماخذ اور مواد کا بہترین سرمایہ ہے، مصنف 'زاد المعاد' کا ہر قول نہ قول فیصل ہے، نہ اس کے نکالے ہوئے نتائج ومسائل بلا استثنا ہر فقہی مسالک کے مسلّمہ ہیں لیکن، اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اپنے موضوع پر یہ کتاب بلاشبہ حیرت انگیز ہے، اگر زاد المعاد نہ ہو، تو سیرۃ نبوی پر کوئی مستند اور مکمل کتاب نہیں لکھی جا سکتی۔

ایسی مایہ ناز کتاب کا چند صدیوں کے اس طویل عرصہ میں اُردو زبان میں منتقل نہ ہونا حد درجہ حیرت انگیز ہے، شاید اس میں مصلحت یہ تھی کہ یہ سعادت مجھ نامۂ سیاہ کے حصے میں آئے، اور روزِ قیامت، یہ تحفہ میں بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کر سکوں۔

یہ کام سرمایہ طلب بھی تھا، اور غور طلب بھی، اس گرانی اور کساد بازاری کے زمانے میں تقریباً دو ہزار صفحات کی بڑے سائز پر کتاب کا چھاپنا مجھ جیسے کم مایہ شخص کے لئے آسان نہ تھا، دوسرا کام مترجم کا انتخاب تھا، سرمایہ کا بندوبست ہوا تو میں نے اس طرف توجہ مبذول کی، میری نگاہِ انتخاب سید رئیس احمد صاحب جعفری ندوی پر جا کر اٹک گئی، جعفری صاحب کی یہ خصوصیت ہے جیسا کہ معارف اعظم گڑھ نے ان کی ایک مترجمہ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا، وہ ترجمہ کرتے وقت مکھی پر مکھی نہیں مارتے، نہ قارئین کتاب کے مبلغ علم، رسائی فہم، اور ضبط و

ادراک مسائل کی اہلیت کو نظرانداز کرتے ہیں۔

میں تو کہتا ہوں ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ گویا مصنف نے خود اُردو میں کتاب لکھی ہے، وہ اس کی روح، اُس کے خیالات، اُس کے انداز، اس کی روش کو جذب کر لیتے ہیں اپنے قلم میں، دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ پُرانے زمانہ کی گراں بہا اور گراں مایہ کتابیں اس ڈھنگ پر لکھی گئی ہیں جو کہ اُن کے زمانہ میں رائج تھا۔ یعنی کئی کئی صفحوں کا ایک ایک پیراگراف، کئی کئی جُز کا ایک ایک باب، کئی کئی صفحوں کی ایک ایک تفصیل، موجودہ زمانہ کا قاری اس طرح کتاب نہیں پڑھ سکتا۔ جعفری صاحب اپنے ترجمہ میں پیراگرافنگ کرتے ہیں، اور ابواب و فصول کو اس طرح پیش کرتے ہیں قاری بیک نظر باب کی روح کو سمجھ لے اور دلچسپی لینے لگے، چنانچہ میں نے یہ کار اہم ان کے سپرد کیا، اور الحمدللہ کہ اُنھوں نے حسبِ دل خواہ اسے انجام دیا۔

اس دنیا میں کم ہیں جو پارسائی کا دعوی کرسکیں، اور مجھ جیسا گنہ گار جب اپنے نامۂ اعمال پر نظر ڈالتا ہے تو عرقِ خجالت سے آب آب ہو جاتا ہے، لیکن اپنی سعی کے بارے میں مجھے اُمید ہے کہ بارگاہِ رسالت میں مقبول ہوگی، اور یہ خاطی و عاصی رحمت و شفاعت سے نوازا جاسکے گا کہ شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین، اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی الطالحون لی (بُرے میرے لئے ہیں)، فرما چکے ہیں، بقول مولانا محمد علی

کیونکر نہ فدا ایسے نبیؐ پر ہوں جو فرمائے
اچھے تو سبھی کے ہیں، بُرے میرے لئے ہیں

زاد المعاد حصہ دوئم

خصوصیات و فضائل پر ایک طائرانہ نگاہ

زاد المعاد کا حصہ دوئم اب آپ کے پیش نظر ہے۔

پہلے حصہ پر اس کے آغاز میں نقد و نظر کا فریضہ انجام دے چکا ہوں۔ ضروری ہے کہ دوسرا حصہ شروع کرنے سے پہلے اس کے مقاصد و مطالب اور مسائل و مباحث پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لی جائے تاکہ قارئین کرام اس کی اہمیت و عظمت کا قرار واقعی احساس کر سکیں

جیسا کہ میں پہلے حصہ کے آغاز میں عرض کر چکا ہوں، سیرت نبوی پر عربی میں اور دوسری زبانوں میں بہت سی کتابیں پوری شان تحقیق و تدقیق کے ساتھ لکھی جا چکی ہیں لیکن زاد المعاد کی یکتائی آج تک قائم ہے اور شاید ہمیشہ قائم رہے گی۔

اس کا سبب کیا ہے؟

بات یہ نہیں ہے کہ زاد المعاد کوئی ایسی کتاب ہے جس کا ہر حرف، حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے، جو رائے ظاہر کی گئی ہے، جس نتیجہ پر پہنچا گیا ہے، جن تاثرات کا اظہار کیا گیا ہے، جن افکار و خیالات کو پیش کیا گیا ہے، اختلافی اور نزاعی مسائل میں جس ترجیح و توفیق سے کام لیا گیا ہے، تضعیف و توثیق کے سلسلہ میں — خواہ وہ روایات سے متعلق ہو، یا اسناد سے یا رواۃ سے جو مسلک اختیار کیا گیا ہے دوسرے فقہی مذاہب کے منہاج پر مدح و قدح کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے وہ ہر لغزش سے پاک ہے۔ اس کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں وہ "جف القلم" کا مصداق ہے۔

یہ بات تو قرآن کریم کے سوا، کسی کتاب کے لیے نہیں کہی جاسکتی۔

خدا کی بات تو دوسری ہے ورنہ انسان کتنی ہی نیک نیتی، خلوص، جانکاہی اور تحقیق و محنت سے کوئی ذہنی، فکری، یا علمی کارنامہ انجام دے۔ اس کے بعض پہلوؤں پر بہرحال بحث و گفتگو ہوسکتی ہے۔ مدح و قدح کا سلسلہ قائم کیا جاسکتا ہے، دلائل و براہین کی بنیاد پر اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ زاد المعاد بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں ہے، وہ بھی ایک آدمی کی لکھی ہوئی کتاب ہے، اور آدمی کتنا ہی اونچا، کتنا ہی بڑا، کتنا ہی باعظمت ہو، اس سے چوک بھی ہوسکتی ہے، لغزش فکر و خیال بھی، اس کے دلائل کہیں کمزور بھی ہوسکتے ہیں۔ اس کے نکالے ہوئے نتائج محل نظر بھی نظر قرار دیئے جاسکتے ہیں، اور اس کے فیصلوں کو تنقید کی کسوٹی پر کسا بھی جاسکتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ کتاب از اول تا آخر ایک ایسا صحیفہ ہے جس میں نہ کہیں لغزش ہے، نہ کوتاہی نہ خطا، تو یہ مبالغہ ہوگا، یہ ایک دلچسپ دعوےٰ تو ضرور ہوگا لیکن علم کی بارگاہ میں اس کی پذیرائی مشکل ہی سے ہوسکے گی۔

لیکن اس کے باوجود، بشری کمزوریوں، اور لغزشوں کے باوجود، یہ کتاب، اپنی عظمت اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے یکتا اور بے نہا ہے۔

لیکن اس کی یکتائی کا سبب؟

سبب یہ ہے کہ یہ پہلی اور آخری کتاب ہے جس میں پوری جامعیت کے ساتھ، پوری تحقیق کے ساتھ اور پوری ژرف نگاہی کے ساتھ خیر العباد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال، آپؐ کی گفتار و کردار، اور آپؐ کے اسوہ حسنہ اور سیرت طیبہ کے تمام گوشوں کو جزئی استقصاء کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ وہ خصوصیت ہے جو اس موضوع پر لکھی ہوئی کسی دوسری کتاب میں ہرگز نہیں ملتی۔

اردو زبان میں مولانا شبلیؒ اور علامہ سید سلیمان ندوی مغفور نے سیرۃ النبیؐ کے نام سے جو بلند پایہ اور ضخیم مجلدات تالیف کیے ہیں بلاشبہ وہ بے مثال ہیں، خود ام الالسنہ بھی اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور قاصر ہے، پھر بھی جزئیات تک کی وہ تفصیل، حیات نبویؐ کے ایک ایک پہلو سے متعلق — از ولادت تا وفات — وہ جامع معلومات آپؐ سے متعلقہ تمام عنوانات پر وہ سیر حاصل بحث و گفتگو جو اس کتاب میں ہے قطعاً کسی دوسری کتاب میں نہیں مل سکتی۔

اس کتاب کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تاریخ نہیں ہے، یہ سوانح عمری نہیں ہے اس لیے کہ اس میں وہ تراش خراش اور ترتیب و تبویب نہیں ہے جو اس طرح کی کتابوں کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے، لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ عہد نبوی کی تاریخ اور سیرۃ النبی کا ماخذ اس سے بہتر، اس سے بڑھ کر جامع و مانع، اور عاقل و دل کو کوئی اور نہیں مل سکتا، اس موضوع جمیل پر جب بھی خامہ فرسائی کی جائے گی، اس وادی میں جب بھی قدم رکھا جائے گا، تو ممکن نہیں کہ اس کتاب سے استفادہ نہ کیا جائے۔ متعدد مواقع پر اس کا حوالہ نہ دیا جائے۔ اس سے دامن بچاکر، اور اسے نظرانداز کرکے اس موضوع پر کوئی مستند اور قابل مطالعہ کتاب لکھی ہی نہیں جاسکتی۔ اس کتاب کی یہی وہ خصوصیت ہے جس نے اسے زیربحث موضوع سے متعلق تمام کتابوں کا سرتاج بنا دیا ہے، اور اس کی عظمت کے آگے ہر زمانہ اور ہر دور کے لوگ ادب سے سر جھکاتے رہے ہیں ـــــ اور ہمیشہ جھکاتے رہیں گے۔

کارواں شوق را او منزل است
ماہمہ یک مشت خاکیم او دل است

مسائل ومباحث کتاب

حصہ دوئم کے مسائل ومباحث کا اجمالی جائزہ

اب مختصر طور پر اس حصہ کے مسائل و مباحث پر میں گفتگو کروں گا۔
اس حصہ کے مسائل و مباحث کا اگر جائزہ لیا جائے تو چار قسموں پر انھیں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ فقہی مسائل از قبیل عقیقہ وغیرہ۔
۲۔ مجاہدات و غزوات۔
۳۔ اذکار و ادعیۂ ماثورہ۔
۴۔ تاریخی واقعات اور ان کی ضروری تفصیل۔

اب ہم ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ اجمالی طور پر گفتگو کریں گے۔

(۱) فقہی مسائل میں جن امور پر مصنف علام نے گفتگو کی ہے ان میں رسم عقیقہ کا ذکر ہے، نومولود کے کان میں اذان کہنے کا مسئلہ ہے، کھانا کھانے کے سلسلہ میں آپ کے عادات طیبہ اور اس سے متفرع مسائل ہیں، سلام کرنا، کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنا چھینک کا جواب دینا، آداب سفر، فال، خواب، وسواس، اذان و جہاد کی مشروعیت۔ بیعت و جہاد کے آداب، اسیران جنگ کے ساتھ سلوک، جاسوسوں کے ساتھ برتاؤ، غلاموں کے ساتھ طرز عمل، دشمن کے ساتھ صلح و امان کا مسئلہ، جزیہ، اہل کتاب اور منافقین کے ساتھ معاملہ جزیہ لینے میں آنحضرت کا معمول اور اصول، نماز خوف، نزول آیہ تیمم، توکل اور توسل، نکاح متعہ کی اجازت اور ممانعت، مسئلہ حضانت ـــــ وغیرہ وغیرہ۔

گو فقہی مسائل و مباحث سے متعلق زیادہ تر گفتگو حصہ اول میں کی گئی ہے، لیکن اس دوسرے حصہ میں بھی جو فقہی مباحث و مسائل آگئے ہیں وہ غیر معمولی طور پر اہم ہیں، اور مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی سے گہرے طور پر مربوط ہیں، یہ وہ مسائل ہیں جن سے واقفیت ہر مسلمان کے لیے ضروری اور لابدی ہے۔ ان مسائل پر مصنف علام نے تحقیق و تدقیق کے دریا بہا دیئے ہیں۔

(۲) مجاہدات و غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بھی اس حصہ میں کافی مواد موجود ہے اگرچہ اس میں جملہ غزوات کا ذکر نہیں آیا ہے، کچھ کا اس میں ہے، کچھ کا بعد کے حصے میں، لیکن جو کچھ ہے وہ تاریخ جہاد کی ایک نہایت اہم اور ناقابل فراموش کڑی ہے۔

اس حصہ میں جن غزوات اور سریات کا ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) غزوۂ بدر، اور ضروری مسائل
(۲) غزوۂ احد اور اس کے اہم واقعات
(۳) غزوۂ ذات الرقاع
(۴) غزوۂ دومۃ الجندل والمریسیع،
(۵) غزوہ خندق اور اس کی تاریخی عظمت و اہمیت۔
(۶) غزوہ بنی لحیان،
(۷) سریۂ نجد۔
(۸) غزوہ غابہ
(۹) سریۂ زید بن حارث۔
(۱۰) قصہ حدیبیہ اور متعلقہ احکام
(۱۱) غزوہ خیبر اور متعلقہ احکام
(۱۲) غزوہ موتہ،
(۱۳) غزوہ ذات السلاسل
(۱۴) سریۂ خبط، اور متعلقہ احکام
(۱۵) فتح مکہ معظمہ کہ یہ تاریخ اسلام کا اہم ترین باب ہے۔
(۱۶) سریۂ خالد
(۱۷) فتح مکہ سے متعلق احکام و مسائل

(۱۸) غزوہ حنین۔

(۱۹) غزوہ طائف اور متعلقہ احکام

(۲۰) ۹ھ کے بعوث وسرایا۔ ——— وغیرہ وغیرہ۔

غزدات وسرایا کے سلسلہ میں مصنف علام نے فکر انگیز گفتگو کی ہے اور اپنی طرف سے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، کوئی گوشہ اور کوئی پہلو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ گو بعض مقامات نتائج و تاثرات کے اعتبار سے محل گفتگو ضرور ہیں، لیکن مجموعی طور پر جو مواد پیش کیا ہے وہ حد درجہ بصیرت افروز اور روح پرور ہے اور کسی اہل قلم کے لیے بھی اس سے استفادہ کیے بغیر قلم فرسائی ممکن نہیں۔

(۳) اس حصہ میں بھی پہلے حصہ کی طرح اذکار و ادعیہ ماثورہ پوری تفصیل اور جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔

پہلے مصنف نے آپؐ کے اذکار کا اصول اور طریق بتا دیا ہے۔ اس کے بعد جن اذکار پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:

اذکار وضو، ذکر و اجابت۔ اذکار سفر، اذکار نکاح وغیرہ

یہ وہ اذکار و ادعیہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور اور منقول ہیں اس لیے ان کی اثر آفرینی، اور ان کی دینی عظمت و اہمیت شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ ان پر عمل کرنا اور انھیں اپنا معمول بنانا ہر مسلمان کے لیے ناگزیر ہے۔

ان اذکار کی تحقیق میں مصنف علام نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے اور جہاں کہیں سے بھی مستند طور پر جو چیز مل گئی ہے اسے لے لیا ہے اور اگر ضرورت سمجھی ہے تو جرح و تعدیل سے بھی کام لیا ہے۔

(۴) اس حصہ کے مباحث میں تاریخی واقعات بھی زیر گفتگو آئے ہیں۔ یہ واقعات تاریخ اسلام میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے واقعات ہیں جو دوسرے مکتب خیال کے مورخین کے ہاں عرصہ سے نزاع و اختلاف کا مرکز بنے چلے آرہے ہیں۔ وہ بھی جن پر مستشرقین فرنگ نے جولانی طبع کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ تاریخی واقعات اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہمہ پہلو ہیں، یعنی ان کے ذکر کے سلسلہ میں فقہ، حدیث، قرآن، تاریخ، کلام، نقد و جرح سب ہی سے مصنف کو کام لینا پڑا ہے، اور حق یہ ہے کہ انھوں نے واقعات کے استقصا اور ان پر بے لاگ محاکمہ میں پوری دیانت فکر سے کام لیا ہے۔

جن تاریخی واقعات کا ذکر اجمالاً یا تفصیلاً اس حصہ میں ملتا ہے وہ یہ ہیں:

- جن لوگوں نے قبول اسلام میں پیش قدمی کی اور سب سے پہلے قبول اسلام کی سعادت حاصل کی، ان کا ذکر بھی اس حصہ میں ملے گا۔
- حبشہ کی طرف جو پہلی ہجرت ہوئی تھی وہ تاریخ اسلام کا نہایت اثر انگیز ورق ہے۔ اور یہ پوری جامعیت کے ساتھ موجود ہے۔
- معراج نبوی، مع اپنی تمام ضروری اور اہم تفصیلات اور جزئیات کے۔
- مدینہ کی طرف پہلی ہجرت کی داستان۔
- مکہ مکرمہ میں پہلے پہل انصار کی ایک مختصر سی جماعت کے قبول اسلام کا واقعہ۔
- دارالندوہ میں مشرکین مکہ کا اس غرض سے اجتماع کہ آپؐ کو قتل کردیا جائے تاکہ دعوت و تبلیغ اسلام کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے، اس مبحث پر مصنف نے کافی مواد پیش کیا ہے۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی طرف ہجرت اور تشریف آوری، اور اس سلسلہ میں ضروری تاریخی معلومات۔
- مسجد نبویؐ کی تاسیس و تعمیر کا مرحلہ، ایک نئے شہر میں خدا کا پہلا گھر۔
- تحویل قبلہ کا مسئلہ بھی بڑا ہنگامہ خیز اور تاریخی ہے یہ درحقیقت کفر و اسلام کی کسوٹی تھا، جن کے دل کفر سے آشنا تھے وہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ کو قبلہ بنتا دیکھ کر بھڑک اٹھے، جو مومن صادق تھے انھوں نے بے چون و چرا یہ حکم قبول کرلیا، اور پورے انشراح قلب کے ساتھ تحویل قبلہ کے فرمان پر عمل درآمد شروع کردیا۔

تاریخی کتابوں میں اس مسئلہ پر کافی مباحث موجود ہیں، لیکن مصنف نے جس خوبی سے اس مسئلہ کو پیش کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔

- تاریخ کا ایک اور بہت ہی اہم مسئلہ، جو شروع سے اب تک نزاعی اور اختلافی چلا آرہا ہے یہ ہے کہ آیا مکہ بزور قوت فتح ہوا یا ازروئے صلح؟ بعض پہلی صورت کے قائل ہیں، بعض دوسری کے، دونوں کے پاس دلائل ہیں اور کافی وزنی ہیں۔ اس نہایت اہم مسئلہ پر واقعات و حقائق، دلائل و شواہد، اور دلائل و براہین کی روشنی میں مصنف نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ ان کی قوت فکر و نظر کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ انھوں نے ہر دو نقطۂ نظر کے حامیوں کے ساتھ دیانت برتی ہے۔ دونوں کے

افکار و دلائل پیش کیے ہیں لیکن محاکمہ کرتے وقت یکسر خالی الذہن ہو کر بحث کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے اسے قبول کیے بغیر چارہ نہیں۔

● تاریخ اسلام کا ایک اور بہت اہم واقعہ واقعۂ افک ہے، یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بعض لوگوں کی تہمت!

اس مسئلہ پر بھی مصنف نے بڑی تحقیق کے ساتھ بحث کی ہے اور منافقین کا چہرہ بے نقاب کردیا ہے، اور ان لوگوں کی نشان دہی کی ہے جو بربنائے غلط فہمی تہمت کے اس حادثہ میں شریک تھے، لیکن پھر بھی حد قذف سے نہ بچ سکے۔

● کعب بن زہیر اور قصیدۂ بانت سعاد کی حکایت بھی مصنف نے مؤرخانہ کاوش، اور دیدہ ریزی کے ساتھ اپنے قارئین کے سامنے پیش کی ہے۔

غرض مجموعی حیثیت سے یہ حصہ اپنے مباحث و مسائل کے اعتبار سے حصہ اوّل کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اہم اور معرکہ آرا ہے۔

(سیّد) رئیس احمد جعفری (ندوی)

رسم عقیقہ اور اس کی مذہبی اور دینی حیثیت

مؤطا امام مالک کی روایت

مؤطا میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا، میں عقوق (نافرمانی) پسند نہیں کرتا۔

گویا آپؐ نے "عقوق" کے (لفظ) کو ناپسند فرمایا، اسے زید بن مسلم نے بنی ضمرہ کے ایک آدمی سے اور اس نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، ابن عبدالبرؒ کا ارشاد ہے کہ اس میں بہترین سند وہ ہے جسے عبدالرزاقؒ نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمیں داؤد بن قیس نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں عقوق (نافرمانی) کو پسند نہیں کرتا گویا آپؐ نے اس نام کو ناپسند فرمایا۔

صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم میں سے ایک اپنے لڑکے کی طرف سے قربانی، (عقیقہ) کرنا چاہتا ہے تو؟ .....

آپؐ نے فرمایا، اگر تم میں سے کوئی اپنے بچے کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کرے اور حضرت عائشہ رضؓ کی صحیح روایت سے لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ثابت ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے رہن میں ہوتا ہے اس کی جانب سے ساتویں دن (بکری) قربانی کی جائے۔ اس کا سر منڈایا جائے اور اس کا نام رکھ دیا جائے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے والدین کے حق میں شفاعت سے رکا ہوتا ہے اور لغت میں رہن رک جانے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ" یعنی ہر جان اپنے کمائے ہوئے (اعمال) کی مرہون ہے اور ظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے

آپ کے متعلق مرہون (رکا) ہوتا ہے۔ ہر بھلائی سے محروم ہوتا ہے۔

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عاقبت میں اس کی وجہ سے اس پر عتاب نازل ہوگا۔ بلکہ ترکِ عقیقہ کے باعث اس کے والدین کو فوائد حاصل نہ ہو سکیں گے، اور گاہے گاہے لڑکا بھی اپنے والدین کی افراط و تفریط کے باعث ایک بھلائی کھو بیٹھتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہمامؒ کی قتادہ سے اس روایت کا آپ جواب دیں گے کہ "وہ خون لگایا کرتے تھے" ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت قتادہؒ سے معلوم کیا گیا کہ "اور خون لگایا کرتے تھے"، اس کا مطلب؟ یعنی خون سے کیا کرتے تھے؟" انھوں نے جواب دیا کہ جب عقیقہ کا جانور ذبح کیا جاتا اس ہی سے تر کرلیتے پھر اسے بچے کے تالو (سر کا چوٹی کا حصہ) پر رکھا جاتا، پھر وہ اس کے سر پر بہہ پڑتا۔ اس کے بعد اس کا سر دھویا جاتا اور مونڈ دیا جاتا، کہتے ہیں یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، بعض کا قول ہے یہ روایت حسن نے سمرۃ سے نقل کی ہے، حالانکہ ان کا سماع ثابت نہیں۔ بعض کہتے ہیں حدیث عقیقہ میں حسن کا سمرہ سے سماع ثابت ہے اور ترمذیؒ نے اسے صحیح بتایا ہے اور بتاتے ہیں کہ یہ تدمیہ (خون بہانا) سنت ہے؛ یہ حضرت حسن اور قتادہؒ سے مروی ہے اور جنھوں نے تدمیہ کو منع فرمایا ہے، جیسے مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ "اور آپؐ تدمیہ کرتے تھے" یہ روایت قطعاً غلط ہے بلکہ آپؐ نام رکھا کرتے۔ فرماتے ہیں کہ یہ جاہلیت کے اعمال میں سے تھا جسے اسلام نے ابوداؤد کی روایت کے مطابق جو بریدہ حصیب سے مروی ہے باطل کردیا فرمایا کہ دورِ جاہلیت میں اگر ہمارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ہم بکری ذبح کرتے اور اس کے سر پر خون مل دیتے، مگر جب اسلام آیا تو ہم بکری ذبح کرتے اور بچہ کا سر مونڈ ڈالتے اور زعفران اس پر مل دیتے، کہتے ہیں کہ اگرچہ اس کے اسناد میں حسین بن واقد ہے، جس سے استدلال نہیں کیا جاتا، لیکن اس روایت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت سے ملایا جائے تو اس کی صحت یقینی ہو جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "اس (بچے) سے (اذی) تکلیف دہ چیز دور کردو" اور خون تکلیف دہ ہی ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ اسے اذی (تکلیف دہ) لیتھڑنے کا حکم دیتے؟ فرماتے ہیں کہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ و حسینؓ کی جانب سے ایک ایک مینڈھے کی قربانی کی اور ان پر خون نہیں لگایا۔ اور نہ یہ فعل آپؐ کی اور آپؐ کے صحابہؓ کی سنت ہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مولود کے سر کو ناپاک کرنا آپؐ کی سنت ہوتی۔ سنن میں اس کی نظیر اور شہادت ہی کہاں ہے؟ بلکہ یہ تو جہلا کا کارنامہ ہو سکتا ہے۔

امام حسن رضؓ اور امام حسین رضؓ کا عقیقہ

اگر کہا جائے کہ حسن رضؓ و حسین رضؓ کی جانب سے ایک ایک مینڈھا ذبح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی سنت طلبہ ایک بچے پر ایک ہی جانور تھا۔ اور عبدالحق نے حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت انس رضؓ سے صحیح روایت میں نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رضؓ کی طرف سے ایک مینڈھا اور حسین رضؓ کی طرف سے ایک مینڈھے سے عقیقہ کیا اور حضرت حسن رضؓ کی ولادت احد کے سال اور اس کے ایک سال بعد حضرت حسین رضؓ کی ولادت ہوئی اور ترمذیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضؓ کا ایک بکری سے عقیقہ کیا۔ اور فرمایا فاطمہ رضؓ اس کا سر منڈوا دو۔ اور اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کردو۔ چنانچہ ہم نے ان کا وزن کیا جو ایک درہم یا اس سے کچھ کم تھا۔

اگرچہ یہ روایت متصل السند نہیں لیکن حضرت انس رضؓ اور ابن عباس رضؓ کی روایتیں اس کی تقویت کے لیے کافی نہیں، فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ نسک میں سے ہے اس لیے یہ ایک سرد بچے، پر قربانی (ضحیہ) اور دم تمتع کے برابر ہی واجب ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری کی روایات کئی وجوہ کی بنا پر زیادہ قابل عمل ہیں۔ ایک سبب تو کثرت رواۃ ہے کیونکہ ان راویوں میں سے حضرت عائشہ رضؓ، عبداللہ بن عمروؓ، ام کرد کعبیہ رحؒ اور اسماء رضؓ ہیں اور ابو داؤدؒ نے ام کرز رضؓ سے روایت کیا، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ" لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی طرف سے ایک بکری کافی ہے۔

ابو داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد کو فرماتے سنا کہ "مکافیتان" (کافی)، کا مطلب برابر یا مساوی ہے۔

دوسرے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور دو بکریوں کے متعلق آپؐ کا قول ہے، قول عام ہوتا ہے اور فعل میں اختصاص کا امکان بھی ہوتا ہے۔

تیسرے یہ روایت زدیاتی (نیکی) کی متضمن ہے۔ اس لیے اس پر عمل کرنا اولی ہے۔

چوتھے فعل کا مطلب جواز (محض) کا ہوسکتا ہے۔ اور قول استحباب پر دلالت کرتا ہے۔ اب چونکہ دونوں پر عمل کرنا ممکن ہے۔ اس لیے ایک کو ترک کردینے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

پانچویں حضرت حسن رضؓ و حسین رضؓ کی جانب سے قربانی کرنا اور اس کے بعد والے سال کا واقعہ ہے۔

چھٹے اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی، یعنی اور نر مادہ کی طرح نہیں" اس امتیاز کا تقاضا یہ ہے کہ احکام میں بھی اسے ترجیح دی جائے اور شریعت مطہرہ نے بھی شہادت میں مذکر کو دو عورتوں کے برابر اور میراث و دیت میں بھی ایسا ہی امتیاز عطا کیا ہے۔ اسی طرح عقیقہ کو انہی احکام کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔

ساتویں عقیقہ مولود کے عتق سے مشابہ ہے۔ کیونکہ (مولود) عقیقہ سے مرہون ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا ہی اس کو توڑتا اور مولود کے عتق (آزادی) کا سبب بنتا ہے اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ لڑکے کا دو بکریوں اور لڑکی کا ایک بکری سے عقیقہ کیا جائے، جس طرح دو عورتوں کا عتق ایک مرد کے عتق کا ہم مرتبہ ہوتا ہے۔

جامع ترمذیؒ وغیرہ میں حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو مسلمان ایک مسلمان مرد کو آزاد کرے تو وہ آگ سے اس کو نجات دلانے کا سبب ہوگا۔ اس کا ہر عضو ہر عضو کے بدلہ میں ہوگا۔ اور جو مسلمان دو مسلمان عورتوں کو آزاد کرے۔ وہ دونوں اس کے آگ سے نجات کا سبب ہوں گی (اس طرح کہ) ان ہر دو کا عضو اس کے حصہ بدن کے بدلہ میں ہوگا، اور جو مسلمان عورت کسی مسلمان عورت کو آزاد کرے گی وہ اس کے آگ سے نجات کا سبب بنے گی۔ اس کا ہر عضو اس کے ہر عضو کے بدلہ میں ہوگا۔

ابو داؤدؒ نے مراسیل میں جعفر بن محمد سے انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیقہ کے متعلق جو حضرت فاطمہؓ نے حضرت حسنؓ و حسینؓ کا کیا تھا فرمایا کہ دائی کے گھر میں ایک ٹانگ بھیج دو۔ اور خود کھاؤ (دوسروں کو) کھلاؤ اور اس سے ایک ہڈی نہ توڑو۔

آپؐ نے خود اپنی طرف سے بھی عقیقہ کیا

ابن ایمنؒ نے حضرت انسؓ سے روایت نقل کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے عقیقہ فرمایا جب آپؐ کو نبوت عطا ہو چکی تھی۔ ابو داؤدؒ نے مسائل میں اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے سنا انھوں نے ہیثم بن جمیل سے انھوں نے عبداللہ بن مثنیٰ سے انھوں نے ثمامہؓ سے انھوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے عقیقہ فرمایا۔ احمدؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن محرز نے قتادہؓ سے انھوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کی طرف سے عقیقہ کیا۔ احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ منکر روایت ہے اور انھوں نے عبداللہ بن محرز کو ضعیف قرار دیا۔

حسنین رضی اللہ عنہما کے کان میں آپ نے اذان دی

ابو داؤدؒ نے حضرت ابو رافع رضؓ سے روایت کیا فرمایا کہ میں نے نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب حضرت فاطمہ رضؓ کے گھر میں حسن رضؓ بن علی رضؓ پیدا ہوئے تو آپؐ نے نماز کی طرح ان کے کان میں اذان دی۔

بچہ کا نام ساتویں دن عقیقہ کر کے رکھ دیا جائے

عقیقہ کے متعلق حضرت قتادہ رضؓ کی حدیث میں گذر چکا ہے جو انھوں نے حسن سے انھوں نے سمرہ رضؓ سے روایت کی کہ ساتویں دن قربانی کی جائے اور نام رکھ دیا جائے۔ میمونیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپس میں مباحثہ کیا کہ کتنے ایام کے بعد بچے کا نام رکھا جائے؟ ابو عبداللہ نے ہمیں بتایا "حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ تیسرے (دن) اس کا نام رکھا جائے"۔ البتہ سمرہ فرماتے ہیں، ساتویں دن نام رکھا جائے گا۔"

اور ختنہ کے متعلق حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ وہ لڑکے کا ختنہ اس وقت تک نہ کرتے جب تک سمجھ دار نہ ہو جاتا۔ میمونیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے احمدؒ کو فرماتے سنا کہ حضرت حسن رضؓ ناپسند کرتے تھے کہ بچے ساتویں دن ختنہ بٹھایا جائے۔ اور حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ابو عبداللہ نے فرمایا کہ اگر ساتویں دن ختنہ بٹھایا، تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ حضرت حسن نے اسے یہود کی مشابہت کے باعث مکروہ سمجھا ہے، حالانکہ اس میں ایسی کچھ بات نہیں۔

مکحولؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ساتویں دن ختنہ کیا اور اسماعیل علیہ السلام کا تیرھویں سال ختنہ کیا۔ اسے خلالؒ نے ذکر کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسحٰق علیہ السلام کا ختنہ بچپن میں ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ بھی بچپن میں ہوا اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف گذر چکا کہ آپؐ کا ختنہ کب ہوا؟

(اسماء اور کنیتوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ذلیل اس آدمی کا نام ہے جو اپنا نام ملک الاملاک رکھتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے سوا کوئی ملک (بادشاہ) نہیں۔

اور آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اور سب سے زیادہ سچے حارث۔ ہمام اور سب سے برے نام حرب۔ مرہ ہیں۔

نیز آپؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا، اپنے لڑکے کا نام یسار۔ رباح نجیح اور افلح نہ رکھو

کیونکہ آپ کہیں گے کیا وہ مصلح ہے اور وہ ایسا نہ ہوگا تو جواب ہوگا کہ "نہیں" نیز آپؐ نے عاصیہ کا نام بدل دیا اور جمیلہ رکھا پہلے حضرت جویریہؓ کا نام برہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا نام بدل کر جویریہؓ رکھ دیا۔ حضرت زینب بنت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نام رکھنے سے منع کیا اور فرمایا کہ اپنے آپ کو پاکیزہ مت جتاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہی تم میں سے نیکوں کو خوب جانتا ہے۔ نیز احرم کو بدل کر زرعہ۔ ابی حکم کو بدل کر ابی شریح۔ سعید کے دادا حزن نے بدل کر سہل رکھ دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ سہل کو لتاڑا جاتا ہے اور اس سے خدمت لی جاتی ہے۔

ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصی۔ عزیز۔ عتلہ۔ شیطان۔ حکم۔ غراب۔ حباب اور شہاب کا نام بدل دیا اور ان کا نام ہشام رکھا۔ نیز آپؐ نے حرب کا نام سلم رکھا۔ مضطجع کا منبعث۔ ارض عفرہ کا نام خضرہ۔ شعب ضلالۃ کا شعب ہدی۔ بنو زینہ کا بنو رشدہ اور بنی معاویہ کا نام بنی رشیدہ رکھا۔

اسماء کا اثر شخصیت پر اسماء معانی کے قالب ہوتے ہیں اور ان پر روشنی ڈالتے ہیں۔ پس حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ (الفاظ اور معانی) کے درمیان ایک خاص ربط اور نسبت ہو اور دونوں میں اجنبیت نہ ہو کہ وہ ایک دوسرے سے یکسر غیر متعلق ہوں، کیونکہ حکیم کی حکمت اس کو روا نہیں سمجھتی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نام کا، مسمیٰ کی شخصیت پر ایک مخصوص اثر ہوتا ہے۔ انسان اپنے ناموں کے حسن۔ قبح۔ ذلت وعزت، لطافت وکثافت سے ضرور متاثر ہوتا ہے جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

وقل ان ابصرت عیناك ذالقب   الا ومعناه ان فکرت فی لقبه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے نام کو پسند فرماتے تھے، آپؐ نے حکم دیا کہ جب کوئی قاصد آپؐ کی طرف بھیجا جائے تو جمیل ہو اور اچھے نام والا ہو۔ اور آپؐ نیند اور بیداری میں ناموں سے معانی لیتے، جیسا کہ آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ اور صحابہؓ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ابن طاب کی تر کھجوروں سے کھجوریں حاضر کی گئیں۔ آپؐ نے اس کی یہ تاویل بتائی کہ ان کے لیے دنیا میں عاقبت (خیر) اور آخرت میں رفعت ملے گی اور جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند کرلیا وہ تر ہوگئے اور طاب (خوش) ہوگئے۔

اور حدیبیہ کے دن سہیل بن عمرو کے آنے سے آپؐ نے اس کام کو سہل سمجھنے کی تاویل فرمائی۔ اور ایک گروہ نے بکری دوہنے کا ارادہ کیا چنانچہ ایک آدمی دوہنے کے لیے اٹھا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا،

تیرا نام کیا ہے؟
اس نے عرض کیا مرۃ (تلخ)،
آپؐ نے فرمایا، بیٹھ جا۔
دوسرا اٹھا، آپؐ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ راوی کہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ اس نے کہا میرا نام حرب ہے۔
آپؐ نے فرمایا، بیٹھ جا، ایک اور اٹھا، آپؐ نے پوچھا، تیرا نام کیا ہے؟
اس نے عرض کیا یعیش (جیتا رہے گا) آپؐ نے دودھ دینے کا حکم فرمایا۔
نیز آپؐ برے ناموں والی جگہوں کو بھی ناپسند فرماتے اور وہاں سے گزرنے میں بھی کراہت محسوس کرتے تھے۔

اچھے اچھے نام رکھنے کا حکم

ایک بار کسی غزوہ میں دو پہاڑوں کے درمیان گذر رہے تھے۔ آپؐ نے ان کا نام دریافت فرمایا۔ عرض کیا گیا کہ ان کے نام فاضح (ذلیل کرنے والا) اور مخزی (رسوا کرنے والا) ہیں۔
آپؐ نے ان سے اعراض کرلیا اور ان کے درمیان سے نہ گذرے، چونکہ اسماء اور مسمی ومسمیات میں اس طرح تناسب وارتباط ہوتا ہے، جس طرح ارواح واجسام اور حقائق وقوالب اشیاء کے درمیان اس لیے عقل ان سے بڑھ کر دوسری طرف منتقل ہوجاتی ہے جیسے ایاس بن معاویہ وغیرہ کسی آدمی کو دیکھتے، تو فرماتے کہ اس کا نام ایسا ایسا ہونا چاہئے تھا تو وہ اس معاملہ میں غلطی پر نہ تھے۔ اس کی مثال حضرت عمرؓ بن خطاب سے ملتی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی سے اس کا نام دریافت کیا۔ وہ کہنے لگا جمرہ (انگارہ)
آپؓ نے پوچھا: تیرے والد کا کیا نام ہے؟ کہنے لگا، شہاب آپؓ نے پوچھا، تیری منزل کہاں ہے؟ کہنے لگا حرۃ النار (آگ کی گرمی) میں آپؓ نے دریافت فرمایا کہ تیرا مسکن کہاں ہے؟ کہنے لگا ذات لظی (شعلوں والی) میں۔ آپؓ فرمایا، اچھا جا، تیرا مسکن جل گیا۔
وہ گیا تو واقعی ایسا ہی پایا، یعنی حضرت عمرؓ نے الفاظ سے ان کے معانی وارواح کا مطلب اخذ کیا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن سہیل کے نام سے سہولت کا مطلب لیا، اور واقعی معاملہ سہولت سے طے پاگیا۔
نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اچھے اچھے نام رکھنے کا حکم دیا اور بتایا کہ انھیں قیامت

کے دن انہی ناموں کے ساتھ بلایا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ اچھے اعمال اچھے اسماء سے کنیت حاصل کرلیں۔ اچھے اور مناسب اسماء و اوصاف سے وہ بلاوا ایک شہادت بن جائے

آپ غور کیجیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احمدؐ اور محمدؐ کے دو ناموں سے ان کے اوصاف کا کس انداز سے (عملاً) اشتقاق کیا محمد کے لفظ میں صفاتِ محمودہ کی کثرت اور احمد کے لفظ میں دوسروں کی صفات سے افضلیت مراد ہے۔ تو اسم اپنے مسمی سے اس طرح مرتبط ہو گیا جیسے روح اور بدن کا تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوالحکم بن ہشام کے لیے ابوجہل کنیت فرماتے۔ اس کی (اسلام سے ضد و جہالت کے باعث) بالکل اوصاف روحانی کے مطابق تھا، نیز اللہ تعالیٰ نے عبدالعزیٰ کو ابولھب کی کنیت عطا کی، کیونکہ شعلہ خیز آگ میں جانے کے باعث وہ اس کنیت کا زیادہ مستحق تھا اور یہ کنیت اس سے زیادہ مطابقت و موافقت رکھتی تھی۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عرب قبائل سے فرمایا، اے بنی عبداللہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور آباؤ اجداد کے اچھے نام رکھے۔

آپ دیکھیے کہ آپؐ نے ان کو ان کے والدین کے اچھے نام (عبداللہ) سے اللہ تعالیٰ کی عبودیت کی دعوت دی، اور چونکہ اسم اپنے مسمی کا مقتضیٰ بلکہ اس میں موثر ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی ناموں کو پسند فرمایا، جیسے عبداللہ اور عبدالرحمٰن، اپنی اضافت کے اعتبار سے دوسرے ناموں عبدالقاہر اور عبدالقادر سے اللہ کو زیادہ محبوب ہیں، چنانچہ عبدالرحمٰن عبدالقادر سے زیادہ پسندیدہ اور عبداللہ عبدالرب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بندے اور اللہ کے درمیان محض عبودیت کا تعلق ہے۔ لیکن بندے اور رحمٰن کے درمیان محض رحمت کے سہارے کا تعلق ہے اس کی رحمت سے اس کا وجود قائم ہے۔ اسی کے باعث اسے پیدا کیا۔ اسی وجہ سے بندہ صرف اس ذاتِ یکتا کو محبت، خوف، امید، تعظیم اور اجلال کے باعث اپنا اللہ مانتا ہے اور عبداللہ کہلاتا ہے۔ اللہ کے لفظ کے جو معنی ہیں ان کا غیر اللہ پر اطلاق ناممکن ہے اور چونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لیے وہ رحمت کو اپنے غضب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے۔ پس عبدالرحمٰن کا نام عبدالقاہر سے زیادہ پسندیدہ ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کے نام پر نام رکھو!

انبیاء علیہم السلام جملہ بنی آدم کے سردار ہیں کیونکہ ان کے اخلاق تمام لوگوں کے اخلاق سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں ان کے اعمال تمام لوگوں کے اعمال سے زیادہ قابلِ شرف ہوتے ہیں ان کے اسماء بھی تمام دوسرے

اسماء سے زیادہ قابل عظمت ہوتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو (انبیاء) کے اسمائے مبارکہ پر نام رکھنے کا حکم دیا، جیسا کہ سنن ابی داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر اپنے نام رکھو۔ اگر ان میں دیگر مصالح نہ بھی ہوں پھر بھی ان کے اسماء سے ان سے تعلق قائم رہتا ہے، دیگر یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے اسمائے مبارکہ کی حفاظت ہوتی ہے ان کا تذکرہ جاری رہتا ہے۔ اور انھیں طاقِ نسیاں کی زینت نہیں بنایا جا سکتا۔ اور ان کے اسماء کے ساتھ ساتھ ان کے اوصاف وحالات کا بھی تذکرہ جاری رہتا ہے۔

لڑکے کا نام یسار، افلح، نجیح، رباح رکھنے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ مسمی کا اعتقاد اور ظن ایسے ہی ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ اپنے آپ کو پاکیزہ اور پر عظمت وذی رفعت جتانے میں ہی لگا رہتا ہے اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برہ (نیک) نام رکھنے کی ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ "اپنے آپ کو پاکیزہ مت جتاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہی تم میں سے نیک (کام کرنے والوں) کو خوب جانتا ہے۔ اسی لیے تقی۔ متقی۔ مطیع، طائع۔ راضی۔ محسن۔ مخلص، منیب، رشید اور سدید جیسے نام رکھنا مکروہ ہے اور کفار کو تو ایسے نام رکھنے کی قطعاً اجازت نہ دینی چاہیے۔ انھیں ان ناموں سے بلانا یا ان کا ان ناموں سے تذکرہ کرنا بھی ممنوع ہے اور کفار کے ایسے نام رکھنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھتا ہے۔

کنیت رکھنے کے آدابؒ

آنحضرتؐ کی کنیت کو اختیار کرنے کا مسئلہ

آں حضرت کی عطا کردہ کنیتیں

کنیت رکھنا در اصل ایک طرح سے مکنّیٰ کی تعظیم و تکریم ہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

اکنیہ حین انادیہ لاکرمہ ولا القبہ والسواءۃ اللقب

یعنی جب میں اسے بلاتا ہوں تو اس کے اکرام کے باعث اس کی کنیت کا ذکر کرتا ہوں۔ اور میں اس کا لقب ذکر نہیں کرتا اور لقب سے یاد کرنا برا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صہیب رضؓ کو ابو یحیی اور علی رضی اللہ عنہ کو ابو تراب اور ابو الحسن کی کنیت مرحمت فرمائی اور یہ آپ کی سب سے محبوب کنیت تھی۔

اور حضرت انسؓ بن مالک کے بھائی جب کہ ابھی چھوٹے تھے انھیں ابو عمیر کی کنیت عطا کی۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ طیبہ یہ تھی کہ آپ صاحب اولاد اور بے اولاد سب کو کنیت عطا کرتے۔ اور ابو القاسم کے سوا آپؐ سے ثابت نہیں کہ آپؐ نے کسی کنیت سے منع فرمایا ہو۔

آپ کی کنیت پر کنیت نہیں رکھی جاسکتی

صحیح روایت میں آپؐ سے منقول ہے کہ فرمایا، میرے نام پر نام رکھو، لیکن میری کنیت اختیار نہ کرو۔ چنانچہ اس مسئلہ میں علمائے کرام کے چار اقوال ملتے ہیں۔

ایک یہ کہ آپؐ کی کنیت اختیار کرنا مطلقاً ناجائز ہے۔ چاہئے آپؐ کے نام سے متصل رکھی جائے یا انفرادی طور پر، یا آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں ہو یا وفات کے بعد۔ انھوں نے اس صحیح حدیث کو عام سمجھا ہے اور بیہقی رحؒ نے امام شافعی سے اسے مطلق نقل کیا ہے۔ اور منقول ہے کہ یہ کنیت اور نام بہر دو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص تھے۔ آپؐ نے اس طرف اشارہ بھی کر دیا تھا کہ

" اللہ کی قسم میں نہ کسی کو حکم دوں گا اور نہ رد کروں گا، بلکہ میں تو قاسم (تقسیم کرنے والا) ہوں جہاں مجھے حکم ہوتا ہے وہاں رکھتا ہوں۔

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ صفتِ (مخصوصہ) مکمل حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کہیں بھی نہیں ملتی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آپؐ کا نام وکنیت اجتماعی صورت میں ممنوع ہے۔ اگر دونوں میں سے صرف ایک اختیار کر لیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

ابوداؤدؒ نے باب من رای ان لا یجمع بینھما میں اسے ذکر کیا ہے۔ اور ابوزبیر کی حدیث نقل کی ہے۔ انھوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے میرا نام رکھا وہ میری کنیت اختیار نہ کرے۔ اور جو میری کنیت اختیار کرے وہ میرا نام نہ رکھے۔ ترمذیؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ نیز ترمذیؒ نے محمد بن عجلان سے نقل کیا۔ انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا اور ترمذیؒ نے اسے صحیح بتایا۔ الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام اور کنیت کو جمع کرنے یعنی محمد ابوالقاسم نام رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں میں جمع کرنا جائز ہے۔ یہ مالکؒ سے منقول ہے۔ انھوں نے ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو محمد بن عنیفہؒ سے انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرمایا کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر آپؐ کے بعد میرے گھر میں کوئی لڑکا ہوا تو میں آپؐ کا نام رکھوں گا اور اسے آپؐ کی کنیت دوں گا۔

آپؐ نے فرمایا، ہاں! ترمذیؒ نے اسے صحیح بتایا ہے اور سنن ابوداؤدؒ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ میرے ہاں لڑکا تولد ہوا میں نے اس کا نام محمد رکھا اور اسے آپؐ کی کنیت "ابوالقاسم" دی پھر مجھے بتایا گیا کہ آپؐ اسے ناپسند فرماتے ہیں۔ آپؐ نے جواب دیا کہ کس نے میرا نام جائز کیا اور کنیت حرام کردی؟ یا (فرمایا) کہ کس نے میری کنیت حرام کردی، اور نام حلال (جائز) کردیا (یہ علماء) فرماتے ہیں کہ ممانعت کی احادیث ان دو روایتوں سے منسوخ ہو چکی ہیں۔

چوتھا قول یہ ہے کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں ابوالقاسم کی کنیت اختیار کرنا ممنوع تھا، اور وفات کے بعد جائز ہے، کہتے ہیں کہ ممانعت کا سبب آپؐ کی حیات سے مخصوص تھا، جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے بقیع میں "اے ابوالقاسم" آواز دی، تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف متوجہ ہوئے۔
اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میرا مطلب آپؐ نہ تھے، بلکہ میں نے فلاں کو بلایا تھا۔
آپؐ نے فرمایا، میرا نام رکھو اور میری کنیت اختیار مت کرو۔
اور (علمائے کرام) فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کا مطلب یہ ہے، کہ انھوں نے اس بچہ کے بارے میں پوچھا تھا جو آپؐ کے بعد پیدا ہو، اس کے بارے میں نہیں جو آپؐ کی زندگی میں پیدا ہوا۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے فرمایا "یہ صرف میرے لیے رخصت تھی"۔
اور صحیح مسلک یہ ہے کہ آپؐ کا نام رکھنا جائز ہے اور آپؐ کی کنیت اختیار کرنا ممنوع ہے اور زندگی میں آپؐ کی کنیت اختیار کرنے کی ممانعت زیادہ شدید تھی۔

کیا ابوعیسیٰ کنیت اختیار کی جاسکتی ہے؟

نیز سلف وخلف کی ایک جماعت نے ابوعیسیٰ کی کنیت کو مکروہ بتایا ہے۔ دوسروں نے اسے جائز قرار دیا ہے۔
ابوداؤد میں زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے ایک بیٹے کو مارا، جو کہ ابوعیسیٰ کنیت رکھتا تھا، نیز حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے ابوعیسیٰ کی کنیت اختیار کی۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تجھے اتنا کافی نہیں کہ تو ابوعبداللہ کی کنیت اختیار کر لے؟
انھوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت رکھی ہے انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے اور ہم اپنی حرکات میں ہیں۔ پھر وفات تک ہمیشہ ابوعبداللہ ہی اپنے آپ کو کہلواتے رہے۔ حضرت عائشہ رضؓ کو ام عبداللہ کی کنیت دے رکھی تھی اور بعض ازواج مطہرات کو جیسے ام حبیبہ اور ام سلمہ رضؓ کی کنیت عطا فرمائی تھی۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کو "کرم" کہنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ کرم تو مومن کا دل ہوتا ہے، چونکہ لفظ (کرم) کثرت خیر و برکت پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا ایسے امورِ خیر کا زیادہ مستحق مومن کا قلب ہی ہو سکتا ہے، نہ کہ انگور کا درخت۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعراب کے نام تمہاری نمازوں مثلاً عشاء پر غالب نہ آجائیں (کیونکہ اعراب) اس نماز کو عتمہ کہتے ہیں اور صحیح حدیث میں آپؐ سے یہ بھی مروی ہے،

کہ آپؐ نے فرمایا، اگر انھیں معلوم ہوتا کہ عتمۃ (عشاء) اور صبح میں کس قدر اجر ہے تو یہ پیٹ کے بل رینگ کر بھی حاضر ہوتے۔

ایک قوم میں یہ ہے کہ اس روایت کی بنا پر ممانعت منسوخ ہے۔ بعض اس کا عکس بتاتے ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ (روایات) کی تاریخ کا صحت سے تعین کرنا مشکل ہے، اور احادیث میں تعارض بھی نہیں پایا جاتا، کیونکہ آپؐ نے عشاء کو عتمہ کہنے کی قطعی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ مراد یہ تھی کہ عشاء کا نام متروک نہ ہونے پائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس نماز کو اسی نام سے یاد کیا ہے اور اس پر عتمۃ کا غلبہ نہ ہونے دیا جائے۔ اب اگر اسے عشاء ہی کہا جائے اور کبھی کبھار عتمۃ کا نام بھی بول دیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

اور یہ فرمان محض اس لیے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (چاہتے تھے) کہ عبادات وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کردہ اسماء کی حفاظت کی جائے، وہ متروک نہ ہونے پائیں اور نہ ان پر دوسرے اسماء غالب کر دیئے جائیں، جیسے متاخرین نے جدید اصطلاحات و الفاظ قدیم الفاظ پر چسپاں کر دیئے اور جس کی وجہ سے اس قدر عظیم فساد و انتشار پیدا ہوا کہ جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

افرادِ امت سے آپؐ کا تخاطب

سراپا شفقت و رحمت

آپؐ امت کو خطاب فرمانے کے لیے خوبصورت اور لطیف ترین الفاظ استعمال کرتے جو درشت و تند مزاج لوگوں سے بعید ہوں چنانچہ آپ نہ فحش یا درشت کلام فرماتے نہ تندگوئی اور تیزی سے کام لیتے۔

آپؐ نااہل آدمی کے حق میں پرعصمت اور قابلِ تکریم الفاظ اور (شریف) کے حق میں پرمذمت الفاظ کہنے کو ناپسند فرماتے۔

پہلی مثال مثلاً منافق کو کہنا اے میرے سردار، فرمایا جو اللہ کے ہاں سردار نہیں تو تم نے اسے سردار کہہ کر اپنے پروردگار عزوجل کو ناراض کیا۔

نیز آپؐ نے انگور کو کرم کہنے اور ابوجہل کو ابوالحکم کہنے سے منع فرمایا۔ اسی طرح آپؐ نے ایک صحابی ابوالحکم کا نام بدل کر ابی شریحؓ رکھ دیا اور فرمایا کہ حکم تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے اور اسی کی طرف حکم واپس جاتا ہے۔

اسی طرح آپؐ نے اس بات کی ممانعت فرمائی کہ غلام اپنے آقا کو ربّی (پروردگار) کہے یا آقا اپنے غلام کو میرا بندہ کہے اور فرمایا بلکہ یوں کہو "میرے بچے۔ میری بچی"۔[1] ایسے ہی طبیب ہونے کے مدعی کو آپؐ نے رفیق فرمایا اور بتایا کہ طبیب تو خالق ہے اور جہلاء کافر کو بھی حکیم کہتے ہیں جیسے چند طبیعاتی باتوں کا علم ہو حالانکہ (کافر) تمام مخلوقات سے زیادہ احمق ہوتا ہے۔ اسی طرح آپؐ نے ایک خطیب سے جس نے کہا تھا:

"جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، وہ خوش بخت ہوا اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرے وہ سرکش و گمراہ ہوا۔"

آپؐ نے فرمایا کہ تو بدترین خطیب ہے۔ اسی طرح آپؐ کا فرمان:

---

[1] ان الفاظ میں زیردست کے لیے کتنی رحمت اور شفقت ہے اور آقا کے پندار کے لیے کیسی موعظتِ حسنہ ہے

"کہ یہ مت کہو کہ جس طرح اللہ اور فلاں (بھی) چاہے ویسے ہو گا بلکہ کہو جس طرح اللہ چاہے پھر جو (اللہ کی مرضی سے) فلاں چاہے۔" ایک آدمی نے عرض کیا، جس طرح اللہ اور آپؐ چاہیں۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا؟ بلکہ کہو جیسے صرف اللہ کی مرضی ہو[1]۔

اور دوسری نوع یہ ہے کہ غیر مستحق پر الفاظِ مذمت استعمال کیے جائیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

زمانے (دہر) کو گالی مت دو،

اور فرمایا، کہ:

زمانہ ہی خدا ہے۔

دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ:

ابن آدم مجھے تکلیف دیتا ہے جب زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں، اور سارا امر میرے ہاتھ میں ہی ہے۔ میں ہی دن رات بدلتا ہوں۔

ایک اور روایت میں فرمایا کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے" اے زمانہ کی نامرادی۔

اس میں تین بڑے بڑے مفاسد ہیں۔

ایک یہ کہ ایک غیر مستحق کو گالی دی، کیونکہ دہر بھی اللہ کی مسخر مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے۔ اس کے حکم کا تابع ہے اس کے امر کے سامنے بے بس ہے اس لیے گالی دینے والا مذمت کا زیادہ مستحق ہے۔

دوسرے اس کا گالی دینا شرک کا متضمن ہے کیونکہ اس نے فائدہ رساں اور ضرر رساں سمجھ کر گالی دی ہے۔

تیسرے گالی دینے والے کے دو حالات ہیں، یا تو اس نے اللہ کو گالی دی ہے یا شرک کیا ہے کیونکہ اگر اس کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ زمانہ بھی فاعل ہے تو وہ مشرک ہو گیا اور اگر اس کا یہ اعتقاد کہ تنہا اللہ ہی اس کا فاعل ہے، تو اس نے گویا اللہ کو گالی دی۔

---

[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید کس طرح آپ مسلمانوں کے قلوب میں راسخ کر دینا چاہتے تھے۔ یہ ارشاد نبوی ان لوگوں کے لیے غور طلب ہے جو خدا کو چھوڑ کر، یا اس کے ساتھ پیروں اور بزرگوں کو بھی، حاجت روا سمجھتے ہیں۔ (رئیس احمد جعفری)

اسی طرح آپؐ کا یہ فرمان کہ تم میں سے یہ کوئی نہ کہے کہ شیطان ہلاک ہو کیونکہ وہ موٹا ہو جاتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں نے اسے اپنی قوت سے پچھاڑ دیا، بلکہ یوں کہا کرے، بسم اللہ، اس سے وہ مکھی کی طرح چھوٹا ہو جائے گا۔ اسی طرح دوسری روایت میں ہے کہ بندہ جب شیطان پر لعنت کرتا ہے تو وہ کہتا ہے تو ایک مطعون پر لعنت کر رہا ہے، نیز اللہ شیطان کو رسوا کرے، اللہ شیطان کا منہ کالا کرے وغیرہ جملے بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں، ان سب سے وہ خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ بنی آدم کو معلوم ہو گیا کہ میں نے اسے اپنی قوت سے نقصان پہنچایا ہے، یہ جملے اسے زیادہ سرکش بناتے ہیں اور ذرا بھی فائدہ بخش نہیں ہوتے چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس پر شیطان کا اثر ہو۔ وہ اللہ کا ذکر کرے۔ اس کا نام لے اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے۔ یہ بات اس کے لیے فائدہ دینے والی اور شیطان کے غصہ کو بھڑکانے والی ہے۔

عجز اور کسل کے مظاہرہ سے بچو

کسی کام کے ہو جانے کے بعد اس قول کی ممانعت کہ کاش میں یوں نہ کرتا یوں کرتا، فرمایا کہ اس طرح شیطان کے اثر کا دروازہ کھلتا ہے بلکہ ارشاد فرمایا کہ اس سے زیادہ نفع مند یہ کلمہ ہے:

جو کچھ اللہ کی تقدیر تھی اور جو اللہ نے چاہا ہو گیا۔

اور تعجز (بھی غلط ہے) کیونکہ یہ بھی شیطان کو دخل اندازی کا موقع دیتا ہے گویا یہ فائدہ مند اعمال سے عاجز آ گیا اور باطل امیدوں کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ یہ کہتے ہوئے کہ کاش اس اس طرح ہوتا، کاش میں یوں کرتا۔ اس سے شیطان کو دخل دینے کا موقع ملتا ہے کیونکہ یہ عجز اور کسل (سستی)، کا نتیجہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پناہ مانگی ہے کیونکہ یہ دونوں شر کا منبع ہیں۔ اور انہی سے غم، اندوہ، بخل، قرض ادا نہ کر سکنا اور لوگوں سے مغلوب ہو جانا جیسے حالات، پیدا ہوتے ہیں چنانچہ ان کا مرکز اور مصدر عجز اور کسل ہی ہیں، چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شیطان کا کسی پر اثر شروع ہو جائے تو وہ تمنائیں کرنے والا تمام لوگوں سے زیادہ عاجز اور مفلس بن کر رہ جاتا ہے کیونکہ تمنائیں کرتے رہنا مفلسین کا راس المال ہوتا ہے اور عجز ہر شر کی کنجی ہوتی ہے بلکہ ہر گناہ کی جڑ عجز ہے۔ جب بندہ نیک کام کرنے اور برائی سے بچنے سے عاجز آ گیا تو بہرحال معاصی ہی میں ڈوب جائے گا۔

ایک حدیث کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح اصول و فروع اور اس کے مبادی:

غایات سے پناہ مانگنا۔ آٹھ خصائل پر مشتمل ہے۔ ہر دو خصائل آپس میں قرین ہیں۔ آپ نے دعا پڑھی اعوذ بك من الھم والحزن "تو یہ ھم اور حزن" دونوں قرین ہوئے۔ اس کے بعد عجز اور کسل دونوں ایک دوسرے کے قرین ہیں۔ اگر بندہ بندگی اور اصلاح میں عاجز رہ گیا ہو، اگر عدم قدرت کے باعث ایسا ہوا تو عاجز ہے اور اگر قصداً ایسا کیا تو یہ کسل (کاہلی ہے) ان دو صفات سے ہر خیر کھو جاتا ہے اور ہر شر آموجود ہوتا ہے۔

جس شر کے باعث وہ اپنے بدن سے نفع حاصل نہیں کر سکتا اسے جبن کہتے ہیں۔ اگر مال سے فائدہ حاصل نہ کر سکے پھر یہ بخل ہوگا۔ چنانچہ اس کے باعث دو طرح کی مغلوبیت مسلط ہو جائے گی۔ ایک کسی کے حق کا غلبہ جسے غلبہ دین کہتے ہیں۔ دوسرے باطل کے باعث مغلوبیت اسے غلبہ رجالی کہتے ہیں۔ یہ تمام مفاسد عجز اور کسل کا نتیجہ ہیں۔

عجز اور کسل حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق حکم ہے کہ ایک آدمی کے خلاف فیصلہ ہوا وہ کہنے لگا حسبی اللہ ونعم الوکیل (مجھے میرا اللہ کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ عجز پر ملامت کرتا ہے بلکہ تمہیں شعور سے کام لینا چاہیے، پھر بھی اگر کوئی امر تم پر غالب آجائے تو کہو حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ حالانکہ اگر یہ اسباب کو ہوشمندی سے کام میں لاتا اور پھر بھی مغلوب ہو جاتا۔ اس صورت میں یہ جملہ واقعتہً اپنے مقام پر درست ہوتا۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے تمام ماموربہ اسباب کو اختیار کیا کسی کو ترک نہیں کیا اور نہ عجز کا اظہار کیا۔ پھر بھی جب دشمن غالب آگئے اور انھیں آگ میں ڈال دیا تو انھوں نے اسی حالت میں حسبی اللہ ونعم الوکیل کہا۔ چنانچہ یہ کلمہ جب اپنے مقام پر پڑھا تو فوراً اثر ہوا اور اس کا مقتضیٰ ظاہر ہو گیا۔

اسی طرح احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ سے جب کہا گیا کہ "لوگ تمہارے لیے جمع ہیں، اس لیے ان سے ڈرو" تو (صحابہ و رسول اللہ) نے تیاری کی اور دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلے اور خوب شعور سے کام لیا۔ پھر کہنے لگے حسبی اللہ ونعم الوکیل" تو اس کلمہ نے اثر کیا اور اس کا ایک نتیجہ نکلا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ؛

یعنی، اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نکلنے کی راہ بنا دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا، جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اس کو کافی ہے۔"

اور دوسری جگہ فرمایا:

واتقوا اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون، یعنی، اور اللہ سے ڈرو، مومنوں کو چاہیے کہ اللہ پر توکل کریں۔"

اور اسباب دنیا اختیار کیے بغیر توکل کرنا اور اللہ کو کافی سمجھنا یہ محض عجز ہے، اگرچہ اس پر قدرے توکل چھایا نظر آتا ہے۔ لیکن یہ توکلِ عجز ہے اور بندے کو یہ مناسب نہیں کہ اپنے توکل کو عجز بنا دے یا عجز کو توکل کا جامہ پہنائے۔ بلکہ توکل کو بھی اسباب ماموره سمجھ کر اسے اختیار کرے جس کے بغیر کوئی کام سرانجام نہیں ہو سکتا۔

دو جماعتوں نے اس مسئلہ میں دھوکا کھایا ہے۔

ایک گروہ نے سمجھا کہ حصولِ مراد کے لیے تنہا توکل ہی کافی اور مستقل حیثیت میں موثر سبب ہے، چنانچہ انھوں نے تمام اسباب کو معطل کر دیا، جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مقتضی تھے مسبب تک پہنچنے کا ذریعہ تھے چنانچہ یہ گروہ ضعفِ توکل اور ترک اسباب کے باعث عجز اور تفریط میں گر گیا۔

دوسرے گروہ نے اسباب پر اعتقاد رکھا اور شرعاً اور ظاہراً ہر طرح مسبب میں سبب کی کارفرمائی دیکھی اور توکل سے بالکل ہی اعراض کر لیا۔ اگرچہ اس گروہ نے اسباب کے ذریعہ کچھ نہ کچھ حاصل کر لیا، لیکن اس کی قوت اصحابِ توکل تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور نہ اسے اللہ کی نصرت حاصل ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے تحفظ و دفاع حاصل ہے بلکہ یہ توکل کے زائل ہونے کی وجہ سے ذلیل و عاجز ہے۔ کیونکہ قوت تو صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے میں پنہاں ہے جیسا کہ بعض سلف نے فرمایا ہے۔

جو یہ چاہے کہ تمام لوگوں سے قوی ہو جائے تو وہ اللہ پر توکل کرے

ذکر الٰہی

آپؐ ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہتے تھے

ذکر الٰہی کی وسعتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ذکر میں تمام مخلوق سے زیادہ کامل تھے بلکہ آپؐ کا ہر کلام اللہ کے ذکر یا اس کے متعلق پر مشتمل تھا۔ آپؐ کا امت کو منع فرمانا، حکم فرمانا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسمائے مبارک، صفات اس کے احکام افعال وعدے وعید، سب اس کا ذکر ہی تھے اور اس کی نعمتوں پر ثنا، حمد، تسبیح وتمجید بھی اس کا ذکر تھی۔ اس سے سوال ودعا آپؐ کی ترغیب وترہیب بھی ذکر ہی تھا، سکوت وخاموشی تک بھی قلبی طور پر ذکر الٰہی کی متضمن تھی۔ گویا آپؐ ہر آن ہر حالت میں ذاکر تھے اور ذکر الٰہی آپؐ کے تنفس کی طرح اٹھتے بیٹھتے چلتے سوار ہوتے۔ سفر وحضر صلح وجنگ ہر جگہ آپؐ سے متصل تھا۔ جب آپؐ بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه النشور

یعنی، سب تعریفیں اللہ کی ہیں، جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اٹھ کر اسی کی طرف ہمارا حشر، نشر ہوگا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ رات کو جاگتے تو دس بار اللہ اکبر کہتے۔ دس بار الحمد للہ کہتے اور بتایا کہ دس بار سبحان اللہ وبحمدہ اور دس بار سبحان الملك القدوس اور دس بار استغفر اللہ اور دس بار لا الٰہ الا اللہ کہتے پھر دس بار یہ دعا پڑھتے اللھم انی اعوذ بك من ضیق الدنیا وضیق یوم القیامۃ اس کے بعد تہجد شروع کرتے نیز فرماتی ہیں، کہ جب آپؐ کسی وقت رات کو جاگتے تو یہ الفاظ پڑھتے:

لا الٰہ الا انت سبحانك اللھم استغفرك لذنبی واسألك رحمتك اللھم

زدنی سما ولا تزغ قلبی بعد اذ ھدیتنی وھب لی من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب (ابوداؤد)

" یعنی تیرے سوا کوئی معبود اور کارساز نہیں، اے اللہ تو پاک ہے۔ میں اپنے گناہ کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ میرا علم زیادہ کر دے اور مجھے جب تو نے ہدایت دے دی تو اب میرے قلب کو کھوٹا نہ بنانا اور مجھے اپنی جناب سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی عطا کرنے والا ہے۔

نیز آپؐ نے فرمایا کہ جو آدمی رات کو بیدار ہو اور یہ جملے کہے:

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر، الحمد للہ وسبحان اللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، اس کے بعد کہے اللھم اغفرلی۔

یعنی، اے اللہ مجھے بخش دے، یا کوئی دوسری دعا مانگے تو قبول ہوگی، اور اگر اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی تو نماز قبول ہوگی (بخاری)

حضرت عباس رضؓ نے جو رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں گذاری اس کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ جب آپؐ بیدار ہوئے تو آپؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات انّ فی خلق السموات والارض سے لے کر آخر سورت تک تلاوت کیں۔ پھر یہ دعا پڑھی:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ الْحَقُّ وَقَوْلُکَ الْحَقُّ وَلِقَاءُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَۃُ حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ اَنْتَ اِلٰھِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

یعنی، "اے اللہ تو سزاوار حمد ہے، تو آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے ان سب کا نور ہے بس تیری ہی حمد ہے تو ہی آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے سب کا تھامنے والا ہے۔ بس تیری ہی حمد ہے۔ تو حق ہے تیرا وعدہ حق اور تیرا قول حق ہے

اور تیرا دیدار حق ہے، جنت حق ہے اور آگ (دوزخ) حق ہے اور انبیاء علیہم السلام حق ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں، اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ میں تیرے لیے اسلام لایا، تجھ پر ایمان لایا۔ تجھ پر توکل کیا تیری طرف رجوع کیا اور تیری مدد سے نزاع کیا اور تجھ ہی سے داد خواہ ہوا۔ پس میرے سابقہ اور مابعد گناہ بخش دے اور جو گناہ میں نے چھپ کر کیے اور جو میں نے علانیہ کیے وہ بھی بخش دے، تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور بزرگی و عظمت والے خدا کے سوا نہ کوئی قدرت ہے اور نہ قوت ہے۔"

نیز حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے:
اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

"یعنی اے اللہ جبرائیل و میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے پروردگار آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے، غیب اور حاضر کو جاننے والے تو اپنے بندوں کا فیصلہ کرتا ہے جس میں اختلاف کرتے تھے، بے شک تو جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔"

(حضرت عائشہؓ) فرماتی ہیں کہ اس کے ساتھ بسا اوقات آپؐ نماز شروع کر دیتے۔ جب آپ وتر پڑھتے تو وتروں سے فارغ ہونے کے بعد تین بار سبحان الملک القدوس کہتے، اور تیسری بار آواز بلند کرتے۔

اور جب آپؐ گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے بِسْمِ اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ یُجْهَلَ عَلَیَّ، (صحیح حدیث)

یعنی، اللہ کے نام سے، میں نے اللہ پر توکل کیا۔ اے اللہ میں اس امر سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ کسی کو گمراہ کروں یا مجھے گمراہ کیا جائے یا میں پھسلا دوں یا مجھے پھسلایا جائے یا میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔ میں جہالت (سے پیش) آؤں یا مجھ سے جہالت کا (برتاؤ) کیا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھ لے:

بسم اللہ توکلت علی اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ ، تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تجھے ہدایت دی گئی ، تجھے کفایت ہوگئی اور تجھے بچا لیا گیا۔ اور شیطان اس سے الگ ہو جاتا ہے (حدیث حسن)

حضرت ابن عباس رضؓ نے جو رات آپؐ کے پاس گذاری اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپؐ صبح کی نماز کے لیے یہ دعا پڑھتے ہوئے باہر تشریف لائے :-

اللھم اجعل فی قلبی نوراً واجعل فی لسانی نوراً واجعل فی سمعی نوراً واجعل فی بصری نوراً واجعل فی خلفی نوراً ومن امامی نوراً واجعل من فوقی نوراً واجعل من تحتی نوراً اللھم اعظم لی نوراً۔

یعنی " اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے اور میری زبان کو نور عطا فرما ، اور میری سماعت کو نور عطا فرما ، اور میری بصارت کو نور عطا کر ، اور میرے پیچھے نور کر دے اور میرے سامنے نور کر دے اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے اے اللہ میرے لیے نور بڑھا دے "۔

اور فضل بن مرزوق ؒ حضرت عطیہ عوفی ؒ سے وہ حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے روایت کرتے ہیں ؛ انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی بھی اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے لیے نکلے اور وہ یہ دعا پڑھے :

اللھم انی اسألک بحق السائلین علیک وبحق ممشائی ھذا الیک فانی لم اخرج بطراً ولا اشراً ولا ریاءً ولا سمعۃ وانما خرجت اتقاء سخطک وابتغاء مرضاتک اسألک ان تنقذنی من النار وان تغفر لی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت "

یعنی " اے اللہ میں تجھ سے سائلین کے حق کے طفیل اور تیری طرف چلنے کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ نہ تو میں تکبر و رعونت سے نکلا ہوں اور نہ ریاکاری اور دکھاوے کی خاطر بلکہ تیری ناراضگی سے بچتے ہوئے اور تیری رضا چاہتے ہوئے نکلا ہوں - میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے آگ سے بچا دے اور میرے گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں "۔

اتنا کہتے سے اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دے گا جو اس کے لیے بخشش کے لیے دعا کرتے رہیں گے ، اور نماز ختم ہونے تک اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمانیت) کی توجہ فرمائے گا -

اور ابو داؤد ؒ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپؐ جب مسجد میں داخل ہوتے تو

یہ دعا پڑھتے:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْھِہِ الْکَرِیْمِ وَسُلْطَانِہِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ،

یعنی "عظمت والے اللہ تعالیٰ اور اس کریم کے رخ اور اس قدیم کی قدرت کی میں پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے"۔ جب اس نے یہ دعا پڑھ لی تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ سارا دن شیطان سے محفوظ ہو گیا۔

نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو پھر صلوٰۃ وسلام پڑھو اور پھر یہ کہو:

اللھم افتح لی ابواب رحمتك، یعنی اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے"۔

اور جب باہر آؤ، تو یہ کہو، اللھم انی اسئلك من فضلك، یعنی اے اللہ میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔

نیز مروی ہے کہ جب آپؐ مسجد میں داخل ہوتے تو درود وسلام پڑھتے اور یہ دعا کہتے:

اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلك، یعنی اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔

جب آپؐ صبح کی نماز پڑھتے تو طلوعِ آفتاب تک جائے نماز پر بیٹھے رہتے اور اللہ کی یاد میں مصروف رہتے۔

نیز آپؐ صبح کو یہ دعا پڑھا کرتے، اللھم بك اصبحنا وبك امسینا وبك نحیا وبك نموت والیك النشور۔

یعنی، "اے اللہ ہم نے تیری توفیق، سے صبح کی اسی طرح شام کی اور اسی طرح ہم جیتے اور تیرے نام پر مرتے ہیں اور بلاشبہ تیری ہی طرف حاضر ہونا ہے"۔

اور جب صبح ہوتی تو آپؐ یہ دعا بھی پڑھا کرتے:

اصبحنا واصبح الملك لِلّٰہِ والحمد لِلّٰہِ ولا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریك لہٗ لہ الملك ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیئٍ قدیر، رب اسالك خیر ما فی ھذا الیوم وخیر ما بعدہٗ واعوذ بك من شر ھذا الیوم وشر ما بعدہٗ رب اعوذ بك من الکسل

وسوء الکبر رب اعوذبك من عذاب فی النار وعذاب فی القبر،
یعنی ہم نے صبح کی اور اللہ کے ملک نے بھی صبح کی اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں۔ وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے، اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، اے پروردگار میں تجھ سے اس دن کی بھلائی اور اس کے بعد کی بھلائی مانگتا ہوں اور میں اس دن کے شر اور اس کے بعد کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے پروردگار میں کاہلی اور تکبر کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے پروردگار میں جہنم میں ہونے والے عذاب اور قبر میں ہونے والے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں"
اور جب شام ہوئی تو آپ نے اسی دعا کو امسینا وامسی الملك اللہ الخ کے مذکورہ طریق پر پڑھی (مسلم)
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ ایسے کلمات بتائیے جو صبح و شام میں پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ دعا پڑھا کرو:

اللھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ رب کل شی وملیکه ومالکه اشھد ان لا الہ الا انت اعوذبك من شر نفسی وشر الشیطان وشرکه وان اقترف علی نفسی سوءاً او اجرہ الی مسلم"
یعنی"اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غیب اور ظاہر کے جاننے والے ہر چیز کے پروردگار اس کے بادشاہ اور اس کے مالک، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں۔ میں اپنے نفس کی اور شیطان کی شرارت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اس کے شرک سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں (اور اس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں) کہ میں اپنے آپ پر کوئی برائی لا دوں یا اسے کسی مسلمان کی طرف منسوب کردوں۔ آپ نے فرمایا، جب صبح یا شام کرے تو یہ کلمات پڑھ لیا کرو، یا جب بستر پر جاؤ (تب بھی یہ دعا پڑھ لیا کرو) (حدیث صحیح)
نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی ہر صبح و شام یہ دعا تین بار پڑھ لے اسے کچھ بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔
بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمه شی فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم

یعنی "اللہ کے نام سے جس کے نام کی برکت سے زمین اور آسمان کی کوئی چیز بھی ضرر نہیں دیتی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

اور جو آدمی جب صبح یا شام یہ دعائیں تین بار پڑھے اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو راضی رکھے دعا یہ ہے:

رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيناً وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيّاً، یعنی میں اللہ کے پروردگار ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔ اور جس نے صبح یا شام کو یہ دعا پڑھی:

اللھم انی اصبحت اشھدك واشھد حملة عرشك وملائكتك وجمیع خلقك انك انت الله الذی لا اله الا انت وان محمداً عبدك ورسولك "

یعنی "اے اللہ میں نے صبح کی، میں تجھے تیرے عرش کے حاملین تیرے فرشتوں اور تیری تمام مخلوق کو (شاہد بنا کر) گواہی دیتا ہوں، بے شک تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں۔ اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔"

جو اسے ایک بار پڑھے گا اللہ اس کا چوتھائی آگ سے آزاد کر دے گا اور اگر دو بار پڑھے گا تو اللہ اس کا نصف آگ سے آزاد کر دے گا۔ اگر تین بار پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا تین چوتھائی آگ سے آزاد کر دے گا۔ اور اگر چار بار پڑھے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے آگ سے بالکل آزاد کر دے گا (حسن)

نیز آپؐ نے فرمایا کہ جس آدمی نے صبح کو یہ دعا پڑھی اس نے اس دن کا حق ادا کر دیا۔

"اللھم ما اصبح بی من نعمة او باحد من خلقك فمنك وحدك لا شریك لك لك الحمد ولك الشكر" یعنی اے اللہ میں نے یا تیری مخلوق میں سے جس نے بھی تیری نعمت کے ساتھ صبح کی، وہ نعمت بس صرف تیری ہی جانب سے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ تیری ہی حمد ہے اور تیرا ہی شکر ہے۔" اور جو شام کو دعائے مذکورہ پڑھے اس نے رات کا شکر ادا کر دیا (حدیث حسن)

نیز آپؐ صبح و شام یہ دعائیں بھی پڑھا کرتے:

اللھم انی اسالك العافیة فی الدنیا والآخرة، اللھم انی اسالك العفو والعافیة فی دینی ودنیای واھلی ومالی اللھم استر عوراتی وآمن روعاتی اللھم احفظنی من بین یدی ومن خلفی وعن یمینی وعن شمالی ومن فوقی اعوذ بعظمتك ان اغتال من تحتی (حاکم)

یعنی "اے اللہ میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عافیت کا سوالی ہوں، اے اللہ میں تجھ سے اپنے دین و دنیا، گھر اور مال کے لیے عفو اور عافیت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ میری مخفی (کمزوریوں) پر پردہ ڈال دے اور مجھے پریشان حالی سے مامون فرما۔ اے اللہ میرے سامنے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں اور اوپر سے حفاظت فرما۔ میں تیری عظمت کے طفیل اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے ڈھکے چھپے دھوکہ دیا جائے۔"

اور آپؐ نے فرمایا کہ تم کو چاہیے صبح کے وقت یہ دعا پڑھے:

اصبحنا واصبح الملك لله رب العالمين اللهم انی اسألك خير هذا اليوم فتحه ونصره ونوره وبركته وهداه وأعوذ بك من شر ما فيه وشر ما بعده،

پھر جب شام ہو تو بھی یہی دعا پڑھو (حدیث حسن)

ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اپنی ایک لڑکی سے فرمایا، کہ جب تم صبح کرو تو یہ دعا پڑھو، کیونکہ اس کا صبح کے وقت پڑھنا شام تک محفوظ رکھے گا اور جو شام کو پڑھے گا وہ صبح تک محفوظ رہے گا۔ دعا یہ ہے:

سبحان الله وبحمده ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم ما شاء الله كان وما لم يشأ لم يكن اعلم ان الله على كل شیء قدير وان الله قد احاط بكل شیء علما

یعنی "اللہ پاک ہے اور اسی کی حمد ہے اور خدائے بزرگ و عظمت کے سوا نہ کوئی توفیق ہے اور نہ قوت ہے جو کچھ اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے علم کے لحاظ سے ہر چیز کو محیط ہے۔"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی دعا نہ بتاؤں کہ جب تم اسے پڑھو تو اللہ تعالیٰ تمہارا غم دور کر دے اور تمہارا قرض چکا دے؟

میں نے عرض کیا، ہاں! اے اللہ کے رسول، آپؐ نے فرمایا صبح یا شام کے وقت یہ کلمات کہہ لیا کر

اللهم انی اعوذ بك من الهم والحزن واعوذ بك من العجز والكسل واعوذ بك من الجبن والبخل واعوذ بك من غلبة الدين وقهر الرجال،

یعنی "اے اللہ میں غم و اندوہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں عجز و سستی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں بزدلی اور بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور میں قرض کے غلبہ اور آدمیوں کے قہر

سے تیری پناہ مانگتا ہوں“۔
راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے میرا غم دور کر دیا اور قرض ادا کر دیا، نیز آپؐ سے منقول ہے کہ آپؐ صبح کو یہ دعا پڑھا کرتے :

اللھم انی اسئلك علما نافعا ورزقاً طیبا وعملا متقبلا :

یعنی ”اے اللہ میں تجھ سے نفع دینے والے علم اور پاک رزق اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں“۔
اور آپؐ سے منقول ہے کہ جو صبح کو اور شام کو یہ کلمات کہے تو اللہ پر حق ہے کہ اس کی برالتجا مکمل طور پر قبول فرمائے، کلمات یہ ہیں :

اللھم انی اصبحت منك فی نعمة وعافیة وستر فاتمم علی نعمتك عافیتك وسترك فی الدنیا والآخرة ، یعنی اے اللہ میں نے تجھ سے تیری نعمت وعافیت اور پردہ پوشی پر صبح کی پس مجھ پر اپنی نعمت وعافیت اور پردہ پوشی دنیا اور آخرت میں مکمل طور پر فرما۔
نیز آپؐ سے منقول ہے کہ جو آدمی صبح وشام سات سات مرتبہ یہ کلمات کہے :

حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم ،

یعنی ”مجھے میرا اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر توکل کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے“
تو دنیا وآخرت اللہ تعالیٰ میں اللہ تعالیٰ اسے ہر غم میں کافی ہوگا۔ نیز آپؐ سے منقول ہے کہ جو شخص دن کی ابتداء میں یہ کلمات کہے وہ شام تک کسی مصیبت سے دوچار نہ ہوگا اور جو دن کے آخری حصّہ میں کہے گا اسے صبح تک کچھ رنج نہ پہنچے گا۔ کلمات یہ ہیں :

اللھم انت ربی لا الہ الا انت علیك توکلت وانت رب العرش العظیم ما شاء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن لاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم اعلم ان اللہ علی کل شی قدیر وان اللہ قد احاط بکل شئ علما اللھم انی اعوذ بك من شر نفسی و شر کل دابة انت آخذ بنا صیتھا ان ربی علی صراط المستقیم۔

یعنی ”اے اللہ تو میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود وکارساز نہیں۔ میں نے تجھ پر توکل کیا، اور تو ہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ جو اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے اور جو اللہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ اللہ بزرگ وبرتر کے سوا نہ کہیں سے توفیق ہے اور نہ کوئی قوت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ علم کے لحاظ سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اے

اللہ میں اپنے نفس کے شر سے اور ہر جاندار کے شر سے جس کی پیشانی تیرے قبضہ میں ہے، تیری پناہ مانگتا ہوں۔ بے شک میرا پروردگار سیدھے راستہ پر ہے۔

حضرت ابوالدرداؓ سے کسی نے کہا کہ آپ کا گھر جل گیا۔ انھوں نے جواب دیا "نہیں جلا اور اللہ تعالیٰ ان کلمات کے باعث ایسا نہیں ہونے دے گا، جو میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہیں۔"

نیز آپؐ نے فرمایا، کہ تمام استغفاروں کا سردار (سیدالاستغفار) یہ کلمات ہیں:

اللھم انت ربی لا الٰہ الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عھدك و وعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك علیّ وابوء بذنبی فاغفر لی انہ لا یغفر الذنوب الا انت

یعنی "اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا کیا میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد و وعدہ پر قائم ہوں، جتنی بھر مجھے استطاعت ہے۔ میں نے جو کچھ کیا اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ تیری نعمت کا اقرار کرتا ہوں جو مجھے حاصل ہے اور میں اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں۔ پس مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی نہیں بخش سکتا۔"

جو صبح کو یقین کرتے ہوئے یہ دعا پڑھے، اسی دن مر جائے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جو شام کو یقین کرتے ہوئے یہ کلمات کہے اور اسی رات فوت ہو جائے تو جنت میں داخل ہوگا اور فرمایا کہ جو صبح و شام سبحان اللہ وبحمدہٖ سو بار کہے تو قیامت کے دن اس سے زیادہ کسی کا اجر و ثواب نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے کہ اگر کوئی ایسا ہی ورد کرے، یا اس سے زیادہ پڑھے۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ جو دس بار صبح کے وقت یہ کلمات کہے لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریك لہٗ لہٗ الملك ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئ قدیر۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا اور اس سے دس برائیاں مٹا دے گا اور غلام آزاد کرنے کے برابر اسے ثواب حاصل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسے اس دن شیطان سے محفوظ رکھے گا۔ اور جب شام ہو تو پھر اسی طرح کہے تو صبح تک (یہی مذکورہ فوائد حاصل ہوں گے) اور آپؐ نے فرمایا کہ جو صبح کرے اور اس دن سو بار یہ کلمات کہے

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریك لہ لہٗ الملك ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئ قدیر۔

اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے (نامۂ اعمال) میں سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جائیں گی۔ اور یہ دن اس کے لیے شیطان سے حفاظت کا سبب ہوگا،

یہاں تک کہ شام ہو جائے، اور اس سے زیادہ کسی کا ثواب نہ ہوگا، ہاں وہ آدمی جو اس سے زیادہ عمل کرے اور مسند وغیرہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات سکھائے اور حکم دیا کہ اپنے گھر میں ہر صبح یہ کلمات کہنے کی تاکید کریں۔ کلمات یہ ہیں:

لبيك اللهم لبيك لبيك وسعديك والخير في يديك ومنك و اليك اللهم ما قلت من قول او حلفت من حلف او نذرت من نذر فمشيئتك بين يدي ذالك كله ما شئت كان وما لم تشأ لم يكن ولا حول ولا قوة الا بك انك على كل شئ قدير، اللهم ما صليت من صلوٰة فعلى من صليت وما لعنت من لعنة فعلى من لعنت انت ربي في الدنيا والآخرة توفني مسلماً والحقني بالصالحين اللهم فاطر السموٰات والارض عالم الغيب والشهادة ذو الجلال والاكرام فاني اعهد اليك في هذه الحيوٰة الدنيا واشهدك وكفى بك شهيداً باني اشهد ان لا اله الا انت وحدك لا شريك لك لك الحمد و انت على كل شئ قدير واشهد ان محمداً عبدك ورسولك واشهد ان وعدك حق ولقاءك حق والساعة حق آتية لا ريب فيها وانك تبعث من في القبور وانك ان تكلني الى نفسي تكلني الى ضعف وعورة وذنب و خطيئة واني لا اثق الا برحمتك فاغفر لي ذنوبي كلها انه لا يغفر الذنوب الا انت وتب علي انك انت التواب الرحيم

یعنی "میں حاضر ہوں اے میرے اللہ، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، یہ بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے، وہ تجھ سے ہے اور تیری طرف سے ہے، اے اللہ میں نے جو بات کی یا کوئی قسم کھائی، یا کوئی نذر مانی، پس یہ تمام تیری مشیت میرے سامنے ہے جو تو نے چاہا ہو گیا، اور جو تو نے نہیں چاہا، نہ ہوا۔ اور تیرے سوا نہ کسی سے توفیق ہے اور نہ کوئی قوت ہے۔ بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ تو نے جس پہ کچھ رحم کیا تو وہ اسی پر ہے۔ جس پر تو نے رحم کیا اور جس پہ تو نے پھٹکار کی وہ اسی پر ہے جس پر تو نے پھٹکار کی، تو دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھے بحالت اسلام موت دینا اور نیکوکاروں کے ساتھ ملا دینا۔ اے اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے غیب و حاضر کے جاننے والے بزرگی و اکرام والے میں اس

حیاتِ دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں اور تجھے گواہ بناتا ہوں، اور تیری گواہی کافی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو یکتا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں تیری ہی بادشاہی ہے اور تیری ہی حمد ہے، اور تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا وعدہ سچا ہے۔ تیری ملاقات حق ہے۔ قیامت حق ہے، آنے والی ہے اس میں کچھ شبہ نہیں، اور جو قبروں میں ہیں تو انھیں پھر سے اٹھائے گا۔ اگر تو (کام) میرے سپرد کردے تو ضعف، ناتوانی یہ گناہ و خطا کے سپرد کیے اور میں صرف تیری رحمت پر اعتماد رکھتا ہوں، پس میرے تمام گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں اور میں صرف تیری رحمت پر اعتماد رکھتا ہوں۔ پس میرے گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں، اور میری توبہ قبول فرما، بے شک تیرے سوا کوئی توبہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا نہیں

لباس پہنتے وقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے جیسے عمامہ یا قمیص یا چادر، پھر یہ دعا پڑھتے ، اللھم لك الحمد انت کسوتنیه اسألك خیرہ وخیر ما صنع له و اعوذ بك من شرہ وشر ما صنع له (حدیث صحیح) یعنی "اے اللہ تیری لاکھ لاکھ حمد کہ تو نے مجھے یہ پہنایا، میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس کے لیے بنایا گیا اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر اور جس کے لیے بنایا گیا اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

نیز منقول ہے کہ جب آپ نیا کپڑا پہنتے تو یہ دعا کرتے :

الحمد للہ کسانی ما اواری به عورتی واتجمل به فی حیاتی یعنی تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے مجھے (لباس) پہنایا جس سے میں اپنی عریانی چھپاتا ہوں اور زندگی میں اسی سے زینت حاصل کرتا ہوں۔

اور جو کپڑا کہنہ ہو گیا ہو اسے صدقہ کر دے تو وہ زندگی اور موت میں اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ہوگا اور زندہ یا مردہ حالت میں اللہ کے راستہ میں ہوگا۔ نیز آپ سے منقول ہے کہ آپ نے ام خالدؓ سے، انھیں نیا لباس مرحمت کرتے وقت فرمایا: "اسے بوسیدہ کرو، اسے پرانا کرو۔ پھر بوسیدہ کرو اور پرانا کرو، یہ دو بار فرمایا۔

اور سنن ابن ماجہؒ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بدن پر نیا لباس دیکھا تو دریافت فرمایا، کیا یہ نیا ہے یا دھلا ہوا ہے؟ انھوں نے عرض کیا "یہ نیا ہے" آپ نے فرمایا نیا (لباس) خوب پہنو۔ قابل تعریف طور پر جیو اور شہید ہو کر مرو۔

آداب خانہ

گھر میں داخل ہوتے وقت اور خانگی مصروفیات کے سلسلہ میں آپؐ کا عمل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اچانک گھر میں کبھی تشریف نہ لاتے کہ گھر والوں کو پریشان کر دیں بلکہ اس طرح تشریف لاتے کہ (گھر والوں) کو پہلے سے آپ کی تشریف آوری کا علم ہوتا۔ پھر آپؐ سلام کرتے۔ جب آپؐ اندر تشریف لاتے تو کچھ نہ کچھ دریافت فرمایا کرتے۔ بسا اوقات پوچھتے کہ کیا کچھ کھانے کو ہے؟ اور بسا اوقات خاموش رہتے یہاں تک کہ ماحضر پیش کر دیا جاتا۔

نیز آپؐ سے منقول ہے کہ جب آپؐ گھر میں تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے۔

الحمد للہ الذی کفانی و آوانی والحمد للہ الذی اطعمنی وسقانی والحمد للہ الذی من علی اسألک ان تجیرنی من النار، یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو میرے لیے کافی ہے، اسی نے مجھے پناہ دی، اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے کھلایا اور پلایا اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ پر احسان فرمایا، اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے دوزخ سے بچا۔

نیز ثابت ہے کہ آپؐ نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو انھیں سلام کرو۔ یہ تمہارے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے باعث برکت ہوگا۔ ترمذیؒ نے اسے صحیح حسن کہا ہے۔

سنن میں روایت ہے کہ انسان جب گھر میں داخل ہو تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے:

اللھم انی اسألک خیر المولج وخیر المخرج بسم اللہ ولجنا وعلی اللہ ربنا توکلنا، یعنی "اے اللہ میں تجھ سے بہترین مدخل اور بہترین مخرج کا سوال کرتا ہوں۔ اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اپنے رب اللہ پر ہم نے توکل کیا۔"

پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے، اور صحیح روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں داخل ہو تو داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر کرے، اس وقت شیطان کہتا ہے کہ (اے شیاطین) تمہارے لیے یہاں نہ رات گذارنے کی جگہ ہے اور نہ کھانا ہے۔ اور جب داخل ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے کہ تمہیں رات گذارنے کی جگہ مل گئی، اور جب کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا ذکر نہ کرے تو کہتا ہے کہ تمہیں رات کی رہائش اور کھانا دونوں مل گئے۔ (مسلم)

صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپ بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ پیشاب کر رہے تھے کہ ایک آدمی نے سلام عرض کیا۔ آپ نے اس کا جواب نہ دیا اور (بعد میں) بتایا کہ ایسے وقت باتیں کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ دو آدمی اس طرح حوائج ضروریہ سے فراغت نہ کریں کہ (قریب بیٹھے) ننگے ہوں اور باتیں کر رہے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان (بے شرمی کی باتوں سے) خفا ہوتا ہے، نیز یہ گزر چکا ہے کہ آپ حوائج ضروریہ کے وقت قبلہ کی طرف نہ رخ کرتے نہ پیٹھ کرتے۔

حضرت ابوایوبؓ، سلمان فارسیؓ، ابوہریرہؓ، معقل بن ابی معقل۔ عبداللہ بن حرث بن زبیدی۔ جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے مذکورہ حدیث ثابت ہے اور یہ تمام احادیث صحیح و حسن ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کا قول کہ آپ نے صرف صحرا میں ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ یہ آپ سے مختص ہے۔ یہ نہی کی ترجمانی نہیں بن سکتی۔ نیز یہ ابوایوبؓ کی روایت عموم سے ناقض بھی ہے۔ اور جب آپ بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے تو غفرانک کہتے۔ نیز آپ سے یہ دعا بھی منقول ہے، الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی، یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دور کردی اور مجھے بچا لیا۔

اذکارِ وضو

آپؐ سے ثابت ہے کہ پانی کے بھرے ہوئے برتن میں ایک دفعہ آپ نے ہاتھ ڈالا، پھر صحابہؓ سے فرمایا، اللہ کا نام لے کر وضو کرو۔

اور آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وضو کے لیے آواز دو، چنانچہ پانی لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا، اے جابرؓ اسے لو اور مجھ پر بسم اللہ کہہ کر ڈالو، راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپؐ پر پانی بہایا اور بسم اللہ کہا۔ راوی کا کہنا ہے کہ میں نے آپؐ کی انگلیوں میں سے پانی کا فوارہ بہتے ہوئے دیکھا۔

امام احمدؒ نے ابوہریرہؓ، سعید بن زیدؓ اور ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے روایت کیا کہ جس وضو میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے وہ وضو ہی نہیں اس کی سند کمزور ہے۔

صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جو وضو مکمل کرلے اور بعد میں یہ پڑھے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے اندر داخل ہو جائے (مسلم)

ترمذیؒ نے یہ دعا مزید لکھی ہے کہ مندرجہ بالا دعا کے بعد آپؐ نے یہ دعا بھی پڑھی، اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین، یعنی اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں کردے اور مجھے پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں شامل کردے۔

امام احمدؒ نے لکھا ہے کہ پھر آپؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا۔ ابن ماجہؒ نے اور امام احمدؒ نے تین بار کے لفظ کا اضافہ کیا ہے اور بقی بن مخلد نے مسند میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے مرفوعاً لکھا ہے کہ "پھر آپؐ وضو سے فارغ ہوئے تو یہ دعا پڑھی۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک، یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود

نہیں۔ میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیری طرف (توبہ کرتے ہوئے) لوٹتا ہوں۔"

اس دعا پر مہر لگا دی جاتی ہے پھر اسے اٹھا کر عرش کے نیچے پہنچا دیا جاتا ہے اور قیامت تک یہ ضائع نہیں ہوتی (نسائی)

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی سے صحیح روایت میں آیا ہے کہ فرمایا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کے موقع پر حاضر ہوا آپؐ سے وضو کرتے وقت میں نے سنا کہ آپؐ دعا کر رہے تھے، اللھم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فی رزقی

یعنی "اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے گھر میں وسعت عطا فرما۔ اور میرے لیے رزق میں برکت عطا کر۔" میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ اس طرح دعا کر رہے تھے؟ آپؐ نے فرمایا کیا میں نے کچھ بھی باقی رہنے دیا؟

اذکارِ اذان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان ترجیع اور بلا ترجیع ہر طرح ثابت ہے اور اقامت، ایک ایک اور دو دو کلمہ (کی صورت) میں مشروع ہے۔ لیکن قد قامت الصلوٰۃ کا کلمہ آپ سے دو ہی مرتبہ کہنا ثابت ہے۔ اس کا افراد قطعاً آپ سے ثابت نہیں۔ اس طرح اذان کی ابتدا میں آپ سے چار مرتبہ تک کلمہ تکبیر کی تکرار ثابت ہے اور دو بار پر اس کا ختم کرنا ثابت نہیں۔

اور (حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اذان کے کلمات دو دو بار کہے) اور اقامت کے ایک ایک بار کہے جاتے البتہ قد قامت الصلوٰۃ کا لفظ دو بار کہا جاتا۔

اور حضرت ابو محذورہؓ کی روایت میں کلماتِ اذان کے ساتھ ساتھ "کلمۂ اقامت" کا دو بار کہنا بھی مروی ہے اور یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔ ان میں سے کسی ایک صورت میں بھی کراہت نہیں۔ اگرچہ بعض بعض سے افضل ہیں۔ چنانچہ امام رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بلالؓ کی اذان واقامت اختیار کی۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے ابو محذورہؓ کی اذان اور حضرت بلالؓ کی اقامت اختیار کی۔ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت بلالؓ کی اذان اور حضرت ابو محذورہؓ کی اقامت اختیار کی اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کا عمل دیکھا کہ وہ اذان میں دو تکبیریں کہتے، اور کلمہ اقامت ایک بار کہتے ہیں انھوں نے اسے اختیار کرلیا۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔ سب نے سنت کی روشنی میں اجتہاد کیا ہے۔ اذان اور اس کے بعد ذکر سے متعلق امت کے لیے پانچ صورتیں مشروع ہیں۔

ا۔ ایک یہ کہ سننے والا موذن کے کلمات والفاظ دوہراتا جائے سوائے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے کہ اس وقت لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہیے۔ ان دونوں کو جمع کرنا مروی نہیں۔ نہ محض حی علی الصلوٰۃ کہنا مروی ہے۔ بلکہ آپؐ کی سنت یہ ہے کہ اس موقع پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا جائے، اور یہ صورت موذن اور سننے والے کی طبعی مقتضائے حال

کے مطابق ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیاً کہے، یعنی میں اللہ کے رب ہونے۔ اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا اس کے گناہ بخشے گئے۔

۳۔ تیسرے موذن کی اذان کا جواب دینے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا۔

۴۔ چوتھے اذان کے بعد یہ دعا پڑھنا، اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ والعثہ مقاماً محمودن الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد۔ یعنی "اے اس مکمل پکار اور قائم ہونے والی نماز کے مالک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ، فضیلہ عطا فرما، اور انھیں مقام محمود عطا فرما، جس کا تونے ان سے وعدہ لیا بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا

۵۔ پانچویں یہ کہ اس کے بعد اپنے لیے دعا کرے اور اللہ کے فضل کا طلبگار رہو کیونکہ اس کی دعا قبول ہوگی جیسے کہ سنن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جس طرح موذن کہے اسی طرح تم بھی کہو، جب ختم کرو تو اللہ سے دعا کرو قبول ہوگی۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب اذان دینے والا اذان دے اس وقت یہ دعا کرے۔ اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ النافعۃ صل علی محمد وارض عنی رضا لا سخط بعدہ، یعنی، اے اللہ اس کامل پکار اور فائدہ دینے والی نماز کے پروردگار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت فرما، اور مجھ سے اس طرح کی خوشنودی سے راضی ہو جا کہ جس کے بعد کوئی ناراضگی نہ ہو۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا پڑھا کروں۔

اللھم ان ھذا اقبال لیلک و ادبار نھارک واصوات دعاتک فاغفرلی یعنی، اے اللہ بے شک یہ تیری رات کی آمد تیرے دن کا رجوع اور تجھ کو پکارنے کا وقت ہے، پس مجھے بخش دے (ترمذی)

اور مستدرک حاکم میں حضرت ابو امامہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جب آپؐ اذان سنتے تو یہ دعا پڑھتے : اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ المستجابۃ والمستجاب لھا دعوۃ

الحق وکلمة التقوی توفنی علیها واحینی علیها واجعلنی من صالح اھلها عملا یوم القیامة ، نیز آپؐ سے منقول ہے کہ آپ اقامت کے کلمے (قد قامت الصلوٰة کے موقع پر اقامها الله وادامها کہتے ، اور سنن میں مروی ہے کہ اذان واقامت کے درمیان دعا مسترد نہیں ہوتی۔

عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ہم کیا دعا کریں ؟

آپؐ نے فرمایا ، اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگو۔

اور دوسری صحیح روایت میں آتا ہے کہ اس میں دو ساعتیں ہیں جن میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اذان کے وقت اور اللہ کے راستہ میں (میدان جنگ کی) صف بندی کے موقع پر دعا کرنے والے کی دعا شاذ ہی رد کی جاتی ہے

عشرہ ذی الحجہ میں

کثرت تکبیر و تحمید و تہلیل کی تاکید

ذی الحجہ کے عشرہ میں آپؐ بکثرت دعا کرتے، اور کثرت تکبیر و تحمید و تہلیل کی تاکید فرماتے
آپؐ یوم عرفہ کی نماز فجر سے لے کر آخری یوم تشریق کی عصر تک تکبیریں کہا کرتے۔
چنانچہ آپ پڑھا کرتے، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر
اللہ اکبر و للہ الحمد، یعنی، اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے
سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، وہی سزاوار حمد ہے۔

رؤیت ہلال کے موقع پر سنّت نبویؐ

آپؐ سے ایسے موقع پر اس دعا کا پڑھنا منقول ہے:۔

اللهم اهلهٔ علینا بالامن والایمان والسلامة والاسلام ربی وربك الله (ترمذیؒ) یعنی: اے اللہ ہم پر یہ چاند امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع کر۔ میرا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے (حدیث حسن)

نیز آپؐ سے چاند دیکھتے وقت یہ دعا بھی مروی ہے:۔

الله اکبر اللهم اهلهٔ علینا بالامن والایمان والسلامة والاسلام والتوفیق لما تحب وترضی ربنا وربك الله (دارمیؒ)۔

یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ ہم پر امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ اور جس پر تو راضی ہے اور پسند کرتا ہے ان باتوں کے ساتھ طلوعِ ہلال کر۔ ہمارا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔

قبل و بعد از طعام اذکار نبوی

جب آپ کھانا شروع کرتے تو بسم اللہ کہتے اور کھانے والے کو بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیتے اور فرمایا کرتے کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو اسے چاہیے کہ اللہ کا نام لے۔ اگر ابتدا میں اللہ کا نام لینا بھول جائے تو پھر اس طرح کہے بسم اللہ فی اولہٖ و آخرہٖ۔ اور صحیح یہ ہے کہ کھاتے وقت بسم اللہ کہنا واجب ہے۔

اصحاب احمدؒ کا ایک قول یہی ہے۔ اور احادیث امر (وجوب) صریحاً صحیح ہیں ان کا کوئی معارض نہیں اور نہ اس کے خلاف اجماع مروی ہے اور (بسم اللہ) کو چھوڑ دینے والا کھانے اور پینے میں شیطان کا شریک (حصہ دار) ہے۔

ایک فکر انگیز مسئلہ ایک قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ جب کھانے والے ایک جماعت کی صورت میں ہوں۔ اور ایک آدمی بسم اللہ پڑھ لے تو باقی لوگوں سے یہ وجوب ہٹ جائے گا؟ اور شیطان کی مشارکت ختم ہو جائے گی؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کا بسم اللہ کر لینا باقی کھانے والوں کی جانب سے بھی اسے ادا کر دے گا اور اصحاب شافعیؒ نے اسے سلام کا جواب دینے اور چھینک کا جواب دینے پر محمول کیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بسم اللہ پڑھے بغیر شیطان کی مشارکت ختم نہ ہو گی۔ اور دوسرے آدمی کی بسم اللہ کسی اور کو کفایت نہ کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی حدیث میں ذکر ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کھانے میں حاضر ہوئے۔ اچانک ایک لڑکی آئی اور کھانے میں ہاتھ ڈالنے لگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر ایک اعرابی آیا۔ آپؐ نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ شیطان اپنے لیے کھانے کو حلال کرنا چاہتا ہے۔ اس صورت میں کہ اس پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے پہلے وہ اس لڑکی کے ساتھ آیا تاکہ

اس کے ذریعے کھائے، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر اعرابی کے ساتھ آیا تاکہ اس کے ذریعہ کھانا کھائے میں نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ (شیطان) کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھوں کے ہمراہ میرے ہاتھ میں دگرفتار ہے۔ پھر انہوں نے بسم اللہ پڑھی اور کھانے میں شریک ہوئے۔

اب اگر ایک آدمی کی بسم اللہ ہی کافی ہوتی تو شیطان کھانے میں ہاتھ کیوں ڈالتا؟ اور حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھانے پر بسم اللہ کہنا بھول جائے اسے چاہیے کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد قل ہو اللہ احد پڑھ لے۔ یہ روایت مشکوک ہے۔

اور جب آپ کے سامنے سے دسترخوان اٹھالیا جاتا تو اس وقت یہ دعا پڑھتے: الحمد اللہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا عز وجل (بخاری)

یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، بہت ہی تعریفیں پاکیزہ، برکت والی نہ ایسی جو بے پروا کر دیں یا ترک کر دیں اور جن سے استغنا ہوا ہے ہمارے بزرگ و برتر پروردگار۔

بسا اوقات آپ یہ دعا بھی پڑھتے: الحمد اللہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین: یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

نیز یہ دعا بھی پڑھتے: الحمد اللہ الذی اطعم وسقی وسوغہٗ وجعل لہٗ مخرجا۔

امام ترمذیؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ جو آدمی کھانا کھائے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اس کے تمام سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ دعا یہ ہے:-

الحمد اللہ الذی اطعمنی ھذا من غیر حول منی ولا قوۃ۔ یعنی سب تعریفیں اُس ذات کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کھلایا جبکہ نہ مجھے توفیق تھی اور نہ قوت۔

امام بخاریؒ نے یہ دعا بھی نقل کی ہے کہ آپ پڑھا کرتے: الحمد اللہ الذی کفانا وآوانا۔ "یعنی سب تعریفیں اس ذات کے لیے جو ہمیں کافی ہے اور جس نے ہمیں پناہ دی۔

آپ سے منقول ہے کہ جب کھانا پیش کیا جاتا تو آپ بسم اللہ پڑھتے اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم اطعمت وسقیت واغنیت واقنیت وھدیت واحییت فلا الحمد علی ما اعطیت۔

یعنی: اے اللہ تو نے کھلایا تو نے پلایا اور تو نے ثروت عطا کی اور تو نے غنا عطا کیا اور تو نے ہدایت دی اور تو نے زندہ کیا۔ پس تیری عطا پر تیری ہی حمد ہے۔

اور سنن میں منقول ہے کہ جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

الحمد الله الذی من علینا وھدانا والذی اشبعنا وأروانا وکل الاحسان اتانا: یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں ہدایت دی اور جس نے ہمیں سیر کیا اور سیراب کیا اور ہم پر ہر قسم کا احسان فرمایا۔

نیز سنن میں آتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو یہ دعا پڑھے:۔

اللھم بارك لنا فیه واطعمنا خیراً منه۔ یعنی: اے اللہ اس میں ہمارے لیے برکت فرما اور ہم کو اس سے بہتر کھلا۔

اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دودھ پلائے، وہ کہے: اللھم بارك لنا فیه وزدنا منه: یعنی "اے اللہ ہمارے لیے اس میں برکت فرما اور ہمیں اس (قسم کا طعام) زیادہ عطا کر"۔

اور آپ جب برتن سے پانی پیتے تو تین بار سانس لیتے اور ہر سانس پر الحمد الله کہتے اور آخر میں الحمد الله والشکر لله بھی کہتے۔

آں حضرتؐ کا دستورخانہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر میں تشریف لاتے تو معلوم فرماتے کہ کیا کچھ کھانے کے لیے ہے؟

آپؐ نے کبھی بھی کھانے میں عیب نہیں نکالا، بلکہ اگر اشتہا ہوتی تو تناول فرمالیتے ورنہ ہاتھ کھینچ لیتے اور خاموش رہتے۔ گاہے گاہے فرماتے کہ مجھے اشتہا نہیں۔ کبھی کبھی آپؐ کھانے کی تعریف بھی فرماتے ایک مرتبہ آپؐ نے سالن کے متعلق دریافت فرمایا تو عرض کیا گیا صرف سرکہ ہے تو آپؐ نے وہی کھانا شروع کر دیا اور فرمانے لگے؛

سرکہ تو بہترین سالن ہے۔

اور جب آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا جاتا اور آپ روزے سے ہوتے تو فرماتے کہ میرا روزہ ہے" اور حکم دیتے کہ اگر روزے دار کو کھانا پیش کیا جائے تو کھانا پیش کرنے والے کو دعا دو۔ اور اگر روزے سے نہ ہوتے تو تناول فرماتے اور جب آپؐ کو کھانے پر مدعو کیا جاتا اور کوئی دوسرا بھی آپؐ کے ہمراہ ہوجاتا تو آپ دعوت دینے والے کو مطلع کرتے اور فرماتے کہ یہ بھی ہمارے ہمراہ ہے۔ اب اگر تم چاہو تو اسے اجازت دے دو۔ ورنہ واپس چلا جائے۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ کھانا کھاتے وقت باتیں بھی کرلیتے تھے۔ مثلاً آپؐ نے ایک خادم سے جو کھانا کھلا رہا تھا فرمایا کہ بسم اللہ کہو اور سامنے سے کھاؤ اور بسا اوقات آپؐ مہمانوں

مہمانوں کو کھانے کی کئی بار پیشکش فرماتے جیسے دود۔ پینے کا واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ کے ساتھ پیش آیا۔ آپؐ نے بار بار فرمایا پیو!! اور پیو پیو آپ فرماتے رہے۔ آخر ابوہریرہ رضؓ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ اب تو کوئی راہ (خالی) نہیں رہی۔

اور جب آپؐ کسی جماعت کے ہاں کھانا کھاتے، تو دعا دیے بغیر تشریف نہ لے جاتے چنانچہ آپؐ نے حضرت عبداللہ رضؓ بن بسر کے گھر میں یہ دعا کی:

اللھم بارك لھم فیما رزقتھم واغفر لھم وارحمھم" یعنی اے اللہ تو نے جو ان کو رزق دیا ہے اس میں برکت عطا کر اور ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما (مسلم)

اور حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کے گھر میں یہ دعا کی:۔

افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملائکۃ: یعنی تمہارے ہاں روزے داروں نے روزہ کھولا اور نیکوں نے تمہارا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لیے دعائے رحمت کی۔

اور آپؐ کسی کے ساتھ بھی بیٹھ کر کھانے سے نفرت نہ کرتے چاہے وہ چھوٹا یا بڑا ہوتا چاہے آزاد یا غلام، اعرابی یا مہاجر۔ یہاں تک کہ اہلِ سنن نے آپؐ سے روایت کیا کہ آپؐ نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیالے میں ڈال دیا اور فرمایا کھاؤ: بسم اللہ ثقۃ باللہ وتوکلا علیہ۔

اور آپؐ دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم فرماتے اور بائیں ہاتھ سے کھانے سے منع فرماتے اور فرمایا کرتے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور اس ہاتھ سے کھانے کی ممانعت بھی اسی وجہ سے ہے اور یہ ہے بھی درست کہ کھانے والا یا شیطان ہوگا یا اس کے مشابہ۔

اور صحیح روایت میں ہے کہ آپ کے پاس ایک آدمی نے کھانا کھایا اور بائیں ہاتھ سے کھایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ دائیں سے کھاؤ اس نے جواب دیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے فرمایا خدا کرے تجھ سے نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس کے بعد اس کا ہاتھ اوپر نہ اٹھ سکا (خشک ہو گیا) اس لیے اگر یہ جائز ہوتا تو آپ بددعا نہ دیتے۔ اگر اس نے تکبر کے باعث آپؐ کے فرمان کی مخالفت کی۔ تو یہ بددعا کے استحقاق اور نافرمانی کا زیادہ مصداق ہوگا اور بعض لوگوں نے درخواست کی کہ ہم سیر نہیں ہوتے۔ آپؐ نے فرمایا اکٹھے مل کر کھانا کھاؤ اور علیحدہ علیحدہ مت (کھاؤ) نیز بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ اس سے برکت ہوگی۔

سلام کرنے اور اذن چاہنے سے متعلق آپؐ کی سیرت طیبہ

صحیحین میں مروی ہے کہ بہترین اور اعلیٰ اسلام یہ ہے کہ کھانا کھلائے اور جاننے والے اور نہ جاننے والے سب کو سلام کرے۔

"نیز صحیحین میں روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا کہ انہیں حکم دیا کہ فرشتوں کی جماعت کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کرو اور سنو کہ وہ تمہیں کس طرح سلام کا جواب دیتے ہیں، کیونکہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا جواب سلام یہی ہوگا۔ چنانچہ (حضرت آدم علیہ السلام) نے ان سے کہا: اسلام علیکم۔ انہوں نے جواب دیا السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ انہوں نے رحمۃ اللہ کا اضافہ کر دیا۔ نیز آپؐ نے سلام کو عام کرنے کا حکم دیا اور بتایا کہ جب وہ سلام کو عام کریں گے تو اُن کی آپس میں محبت پیدا ہو جائے گی اور (اصول یہ ہے) کہ وہ تب تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ ایمان نہ لے آئیں اور جب تک ان کی آپس میں محبت نہ ہو وہ مومن نہیں ہو سکتے۔!

آداب سلام

آپؐ کی عورتوں، بچوں اور غریبوں پر سلام میں پیشقدمی

صحیح بخاریؒ میں ہے کہ تین باتیں جس نے جمع کرلیں اس نے ایمان کو حاصل کرلیا:-
(۱) اپنے آپ سے انصاف کرنا
(۲) سلام کرنا۔
(۳) اور تنگی کے وقت خرچ کرنا۔
اور سلام کرنے کا مطلب تواضع و انکساری ہے۔ ایسا آدمی کسی کے سامنے تکبر نہیں کرتا بلکہ ہر چھوٹے بڑے امیر و غریب جاننے والے اور نہ جاننے والے کو سلام کرتا ہے اور متکبر کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے کیونکہ وہ اس شخص کے سلام کا جواب بھی تکبر کے باعث نہیں دیتا جو خود اُسے سلام کرے اس صورت میں وہ خود کیسے کسی کو سلام کرے گا؟
آپؐ بچوں کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے انہیں سلام کیا (مسلم)
اور ترمذیؒ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ ایک دن عورتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے انہیں ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا۔
ابوداؤدؒ نے حضرت اسماءؓ بنت یزید سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہم عورتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو سلام کیا۔ ترمذیؒ کی بھی یہی روایت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی ہے اور آپؐ نے ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا تھا۔
اور بخاریؒ نے روایت کیا کہ صحابہؓ ایک مرتبہ جمعہ کے دن واپسی پر عورتوں کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام کیا، انہوں نے جَو اور ستو پیش کیے۔
اور عورتوں کو سلام کرنے کا مسئلہ صحیح یہ ہے کہ محرم (جن سے پردہ نہیں ہے) اور بڑھیاؤں

کو سلام کیا جا سکتا ہے اور دوسری عورتوں کو ممنوع ہے۔

سلام میں پیش قدمی کیسے کرنا چاہیے؟

اور صحیح بخاریؒ میں آپ سے مروی ہے کہ چھوٹا بڑے کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور سوار چلنے والے کو اور تھوڑے (افراد) زیادہ کو سلام کریں۔

اور جامع ترمذیؒ میں آپؐ سے مروی ہے کہ چلنے والا کھڑے کو سلام کرے اور مسند بزاز میں آپؐ سے مروی ہے کہ سوار چلنے والے کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور دو چلنے والوں میں سے جو پہل کرے وہ افضل ہے۔

اور سنن ابوداؤدؒ میں ہے کہ جو سلام میں ابتداء کرے وہ اللہ کے ہاں تمام لوگوں سے بہتر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ یہ تھی کہ کسی جماعت کے پاس سے گزرتے تو واپس ہوتے وقت سلام کرتے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بیٹھے تو سلام کرے اور جب کھڑا ہو تو سلام کرے اور پہلا دوسرے سے زیادہ حقدار نہیں۔

اور ابوداؤدؒ نے آپ سے روایت کیا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے رفیق سے ملے تو سلام کرے اور اگر (چلتے چلتے) کوئی درخت یا دیوار حائل ہو جائے۔ اس کے بعد پھر ملیں دوبارہ سلام کرے نیز حضرت انسؓ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ چلا کرتے۔ تو اگر راہ میں کوئی درخت یا پتھر آجاتا تو دائیں بائیں ہٹ جاتے اور جب دوبارہ ملتے تو ایک دوسرے کو سلام کرتے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ یہ ہے کہ مسجد میں آنے والا سب سے پہلے تحیۃ المسجد کے دو نفل پڑھے، اس کے بعد حاضرین کو سلام کرے تا کہ تحیۃ المسجد، تحیۃ القوام سے مقدم ہو جائے۔ کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے اور سلام کرنا قوم کا حق تھا۔ اس قسم کے حقوق میں اللہ کا حق مقدم ہوتا ہے۔ بخلاف مالی حقوق کے تو ان میں کافی نزاع پایا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہؓ کا یہی معمول تھا کہ کوئی صحابیؓ مسجد میں آتا تو سب سے پہلے دو رکعتیں ادا کرتا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتا۔ اس لیے مسجد میں آنے والے کے لیے تین باتیں ترتیب وار ضروری ہیں۔ جبکہ مسجد میں کوئی جماعت بھی بیٹھی ہوئی ہو۔ (۱) ایک یہ کہ داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ۔ (۲) پھر تحیۃ المسجد کے دو نفل ادا کرے (۳) اس کے بعد لوگوں کو سلام کرے۔ اور جب آپؐ رات کو اپنے گھر میں داخل ہوتے تو آپؐ اس طرح سلام کرتے کہ جاگنے والا سن لے! جو سویا ہو وہ نہ جاگے (مسلم)

امام ترمذیؒ نے کلام سے قبل ہی سلام آپؐ کے سلام کرنے کا ذکر کیا ہے۔ روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ کسی کو دعوتِ طعام دینے سے قبل سلام کر لو۔ اس کا اسناد اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس پر عمل ہے اور ابو احمدؒ نے عبدالعزیز بن ابی داؤد کی حدیث نقل کی ہے۔ انہوں نے نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

سوال سے قبل ہی سلام ہونا (چاہیے) اس لیے جو سلام سے پہلے سوال کرے اس کا جواب مت دو۔

اور آپؐ سے منقول ہے کہ آپؐ اس کو اجازت نہ دیتے جو سلام نہ کرتا اور آپ سے منقول ہے کہ جو سلام سے ابتداء نہ کرے اسے اجازت مت دو۔ اس سلسلہ میں سب سے عمدہ ترمذیؒ کی روایت ہے جو انہوں نے کلاۃ بن حنبل سے نقل کی کہ صفوان بن امیہ نے انہیں دودھ دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا نبی صلی اللہ علیہ وسلم وادی میں اونچی جگہ تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں وہاں داخل ہوا نہ میں نے سلام کیا اور نہ اجازت چاہی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واپس جاؤ اور کہو السلام علیکم أأدخل یعنی السلام علیکم کیا مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟

اور جب آپؐ کسی کے دروازے پر تشریف لاتے تو دروازے کے بالمقابل کھڑے نہ ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور کہتے السلام علیکم السلام علیکم۔

جو آپؐ کے سامنے آتا آپؐ خود اُس کو سلام کرتے

اور جو چاہتا کہ غائب کو سلام دیا جائے اس کے سلام کی ذمہ داری اٹھا لیتے اور اگر کسی نے سلام کیا ہوتا تو وہ سلام پہنچا دیتے جیسا کہ ام المومنین، صدیقۃ النساء حضرت خدیجہؓ بنت خویلہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا سلام پہنچایا، جبکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ حضرت خدیجہؓ آپؐ کے پاس کھانا لے کر آئی ہیں۔ انہیں ان کے پروردگار کا سلام پہنچا دیجیے اور جنت میں انہیں مکان کی خوشخبری دے دیجیے اور جب آپؐ نے صدیقہ ثانیہ ام المومنین حضرت عائشہؓ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ یہ جبریل ہیں اور تمہیں سلام کہہ رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ علیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپؐ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔

امام نسائی نے نقل کیا کہ ایک آدمی حاضر ہوا۔ اس نے کہا السلام علیک۔ آپؐ نے اس

کا جواب دیا اور فرمایا دس (نیکیاں)۔

پھر دوسرا آیا اور اُس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا اور فرمایا بیس اور وہ بیٹھ گیا۔

پھر ایک اور حاضر ہوا۔ اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپؐ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا: تیس (نیکیاں) (نسائیؒ۔ ترمذیؒ)

آپؐ جس سے ملتے سب سے پہلے سلام کرتے

اور جب آپؐ کو سلام کیا جاتا۔ آپؐ فوراً ہی اس جیسا یا اس سے بہتر جواب دیتے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہوتا جیسے نماز میں مشغول ہوتے یا قضائے حاجت کر رہے ہوتے (تو دیر ہو جاتی) اور صحابہؓ آپؐ کا جواب سن لیتے۔

آپؐ ہاتھ، سر یا انگلی کے اشارہ سے جواب نہ دیتے۔ سوائے نماز کے، کیونکہ اگر (نماز کی حالت میں) سلام کیا جاتا تو آپؐ اشارہ سے جواب دیتے تھے۔ یہ کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس کی کوئی صحیح روایت معارض نہیں۔ ابو علفان کی حدیث (جو اس کی معارض بنائی جاتی ہے) ایک مجہول آدمی کی روایت ہے، جس نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا "جس نے نماز میں ایسا اشارہ کیا جس سے (کچھ مطلب) سمجھا جائے تو اُسے نماز لوٹانی چاہیے"۔

دار قطنیؒ نے فرمایا، کہ ہمیں ابو داؤدؒ نے بتایا کہ ابو غطفان ایک مجہول آدمی ہے اور صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ فرما لیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت کیا ہے۔

سلام کی ابتداء کے وقت آپؐ کی سنت طیبہ یہ تھی کہ اس طرح سلام کرتے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور ابتداء میں اس طرح کہنے کو ناپسند فرماتے: علیک السلام!

ابو جری ہجیمیؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا علیک السلام یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ علیک السلام مت کہو یہ مُردوں کا سلام ہے۔

اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ جاؤ اور فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ کیونکہ یہی تیرا اور تیری اولاد کا تحیہ (سلام کا جواب) ہوگا۔

چنانچہ (حضرت آدم علیہ السلام) نے کہا: السلام علیکم انہوں نے جواب دیا: السلام علیک و رحمۃ اللہ۔ یعنی انہوں نے رحمۃ اللہ زائد کہا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تحیہ (سلام کا جواب) ہے۔

اہل کتاب کو سلام کرنے سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپ نے فرمایا: اہل کتاب کے ساتھ سلام میں پہل نہ کرو، جب تم راستہ میں ان سے ملو تو انہیں تنگ راہ کی طرف مجبور کر دو۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ ایک خاص موقع کا واقعہ ہے۔ جب آپ بنی قریظہ کی طرف گئے تو فرمایا، انہیں سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔" اب بات یہ ہے کہ یہ حکم اہل ذمہ کے لیے عام ہے یا اس جیسی قوم کے لیے ان حالات سے مخصوص ہے۔ یہ قابل نظر ہے۔

چونکہ صحیح مسلم میں بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔ اگر انہیں کسی راستہ میں ملو تو انہیں تنگ راہ کی طرف جانے پر مجبور کر دو۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم عام ہے اور سلف و خلف میں اس مسئلہ کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اکثریت اسی طرف ہے کہ ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے۔

اور ان کے سلام کا جواب دینے کے وجوب کے متعلق بھی اختلاف ہے جمہور اسے واجب سمجھتے ہیں اور یہی درست بھی ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان کا جواب دینا واجب نہیں، جیسے بدعتی کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا بلکہ غیر اولیٰ ہے۔ اور پہلی صورت زیادہ درست ہے۔ اور اس میں فرق یہ ہے کہ ہمیں اہل بدعت سے قطع تعلق کا حکم ہے تاکہ اس سے انہیں تعزیر و زجر کی جائے بخلاف اہل ذمہ کے (کہ ان کی حالت دوسری ہے)

آپؐ ایک جماعت کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان، مشرکین، بت پرست اور یہودی تھے۔ آپؐ نے انہیں سلام کیا (یہاں آپؐ کے خطاب سے مراد صرف مسلمانوں سے بھی ہو سکتا ہے)۔ اور یہ صحیح روایت میں ثابت ہے کہ آپؐ نے ہرقل وغیرہ کو نامہ مبارک لکھا تو یہ سلام لکھا: السلام علی من اتبع الھدی (یعنی جو سیدھی راہ چلے اس پر سلامتی ہو)[۱]

---

[۱] اہل کتاب سے متعلق سلام کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت یہی ہے کہ انہیں اگر سلام کہا جائے تو "السلام من اتبع الھدی" کہے۔ باقی رہا ان سے تنگ راستے کی طرف جانے پر مجبور کر دینا یہ بات آنحضرتؐ کی اس افتاد طبع کے بالکل خلاف ہے جو آپ نے مشرکین تک کے لیے اختیار کر رکھی تھی۔ (رئیس احمد جعفری)

اجازت چاہنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

صحیح روایت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "اذن چاہنا تین بار ہوتا ہے۔ اس لیے اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک ورنہ لوٹ جاؤ"۔

اور صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اذن چاہنا محض دیکھنے کے لیے ہے۔

نیز آپ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ جس نے آپکے حجروں میں سے ایک حجرہ میں ہی دیکھنے کی (کوشش کی) اس کی آنکھ نکال دی جائے۔ اور فرمایا کہ اجازت چاہنے کا طریقہ اسی لیے ہے تاکہ (آنکھوں سے دیکھنے کی ضرورت نہ رہے) اور صحیح روایت میں آپ سے منقول ہے فرمایا: اگر اجازت کے بغیر کسی آدمی نے تیرے (گھر میں) نظر ڈالی اور تو نے اسے کنکر مار دیا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو تجھ پر کچھ گناہ نہیں۔

نیز آپ سے منقول ہے کہ فرمایا: جو کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر تانک جھانک کرے تو گھر والوں کو جائز ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں تو کوئی دیت یا قصاص نہ ہو گا اور صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اذن چاہنے سے قبل سلام کرنا چاہیے۔

جب دریافت کیا جائے کہ تم کون ہو؟ جواب دیا جائے فلاں بن فلاں!

یا اپنی کنیت یا لقب ظاہر کرے اور یہ نہ کہے کہ "میں" بلکہ جیسے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرشتوں سے جب دروازہ کھولنے کو کہا تو توانہوں نے پوچھا، کہ کون؟

انہوں نے جواب دیا کہ "جبریل"، تمام آسمانوں پر یہی (سوال وجواب) ہوتا رہا۔

اسی طرح صحیحین میں منقول ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور اجازت چاہی۔ آپ نے دریافت کیا کون؟ عرض کیا، "ابوبکر"۔

پھر عمرؓ اور عثمانؓ حاضر ہوئے اور صحیحین میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کون ہے؟

میں نے کہا: "میں"۔ آپ نے فرمایا:

ہَیں مَیں گویا کہ آپؐ نے ناپسند فرمایا۔ اور جب ام ہانیؓ نے اجازت چاہی۔ تو آپؐ نے دریافت فرمایا، یہ کون ہے؟

انہوں نے عرض کیا: ام ہانیؓ۔ آپؐ نے کنیت کے ذکر کو مکروہ نہیں سمجھا۔ اس طرح جب آپؐ نے ابوذرؓ سے دریافت کیا کہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا، ابوذرؓ، ایسے ہی ابوقتادہؓ سے دریافت فرمایا: کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابوقتادہؓ۔

رہی وہ اجازت جو کہ اللہ نے غلاموں کو اور ان بچوں کو حکم دی ہے جو ابھی رشد و بلوغت کو نہیں پہنچے اس کے تین مواقع ہیں۔ ایک فجر سے قبل، دوپہر کے وقت اور سوتے وقت۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اس کا حکم فرمایا کرتے اور کہا کرتے کہ لوگوں نے اس پر عمل ترک کر رکھا ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔

چھینکنے کے آداب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے[1]۔ لہٰذا جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو سننے والے مسلمان پر حق (واجب) ہے کہ جواب میں یرحمك اللہ کہے۔ رہی جمائی تو یہ شیطان کی طرف سے ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے اسے روکے۔ کیونکہ جب تم میں سے کوئی جمائی لیتا ہے تو شیطان ہنستا ہے (بخاریؒ)

اور صحیح روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اُسے چاہیے کہ وہ الحمد للہ کہے اور اس کے بھائی یا رفیق کو چاہیے کہ جواب میں یرحمك اللہ کہے اور جب وہ یرحمك اللہ کہہ چکے تو پہلے شخص کو چاہیے کہے یھدیکم اللہ ولیصلح بالکم (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے حالات درست کر دے)

اور چھینکنے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ ابوداؤدؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کو جب چھینک آتی تو آپؐ نے اپنا ہاتھ یا کپڑا چہرہ انور پر رکھ لیتے یا (سر) نیچا کرتے یا آواز پست فرما لیتے (ترمذیؒ)

نیز آپؐ سے منقول ہے: کہ بڑی جمائی اور تیز چھینک شیطان کی جانب سے ہے۔

نیز منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جمائی لینے اور چھینک کے وقت آواز کے بلند کرنے کو ناپسند کرتا ہے اور صحیح روایت میں مروی ہے کہ ایک آدمی کو آپؐ کی مجلس میں چھینک آئی۔ آپؐ نے یرحمك اللہ فرمایا پھر دوبارہ اسے چھینک آئی تو آپؐ نے فرمایا اس آدمی کو زکام ہے۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں (کہ آپؐ نے دوسری مرتبہ فرمایا) لیکن ترمذیؒ نے اس سلسلہ کو سلمہؓ سے

---

[1] اس لیے کہ چھینک ایک حد تک صحت کی علامت ہے اور جمائی یکسر کاہلی اور سستی کی۔ (رئیس احمد جعفری)

نقل کیا ہے کہ ایک آدمی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چھینک آئی اور میں موجود تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یرحمك اللہ۔ پھر اسے دوبارہ چھینک آئی، پھر سہ بارہ (الیسا ہوتا (تیسری بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آدمی کو زکام ہے۔ ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔

اور ابوداؤدؒ نے حضرت سعید بن ابی سعید سے انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے موقوفاً نقل کیا ہے کہ تیرے بھائی کو اگر تین بار چھینک آئی تو وہ واقعی چھینک تھی اور جو اس سے زیادہ چھینکا وہ زکام ہے اور چھینک میں سنت وہی ہے جو تین بار ہو۔ یہی نعمت ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور بدن کے ہلکا ہو جانے اور خراب قسم کے بخارات کے خارج ہو جانے کی علامت ہے اور جو (تین بار) سے بڑھ جائے (تو بیماری ہے) اس لیے ایسے آدمی کے لیے عافیت وصحت کی دعا چاہیے۔ اس حدیث میں فرمایا کہ اس آدمی کو زکام ہے۔ اس کے لیے عافیت کی دعا کرنے کے متعلق اشارہ ہے کیونکہ زکام ایک مرض ہے اور اس صورت میں اس آدمی کے لیے ایک معقول عذر ہے۔ جس نے تین بار کے بعد تشمیت (دعا کرنا) چھوڑ دیا، اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس مرض کے دفعیہ کے لیے جلدی کی جائے دیر نہ کی جائے ورنہ علاج مشکل ہو جائے گا۔ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ کلام حکمت، علم اور ہدایت پر مشتمل تھے۔

دو اختلافی مسائل دو مسائل ایسے ہیں جن میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ چھینکنے والے نے جب الحمد للہ کہا تو بعض حاضرین نے سُنا اور بعض نے نہیں سُنا تو جنہوں نے نہیں سُنا۔ کیا انہیں بھی اس کا جواب دینا لازم ہے؟

اس باب میں دو قول ہیں اور ظاہر مسئلہ یہ ہے کہ جب یہ یقین ہو گیا کہ اس نے حمد کہی تو پھر اس کا جواب ضروری ہے۔ اس میں جواب دینے کے لیے حمد کے الفاظ کا سماع شرط نہ ہونا چاہیے: کیونکہ مقصد تو حمد کرنا ہے جب حمد ہو گئی تو پھر اس کا جواب دینا خود بخود ہی لازم ہو گیا جیسے کوئی گونگا ہو۔ اور حمد کے لیے اس کے ہونٹ ہلتے نظر آ جائیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ اگر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کا جواب دو۔ یہی صائب رائے ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر حمد ترک کر دے تو حاضرین کے لیے مستحب ہے کہ اسے حمد کرنا یاد کرائیں؟۔

ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ یاد نہ کرائے کیونکہ (ترک حمد) کرنے والے کی یہ جاہلیت کا نتیجہ ہے۔
اور نوویؒ فرماتے ہیں کہ جس کا یہ خیال ہے اس نے غلطی کی، چاہیے کہ اُسے یاد کرا دے۔
ابراہیم نخعیؒ سے بھی یہی (یاد کرانا) منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ کام تو نصیحت، امر بالمعروف، نیکی اور تقویٰ سے تعاون پر مبنی ہے۔ البتہ ظاہر حدیث ابن عربیؒ کے قول کو قوت دیتی ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کے لیے دعا (یرحمک اللہ) نہیں کی جس نے چھینک کر حمد نہیں کی تھی۔ اور نہ اُسے یاد دلایا تھا۔ یہ اس کی تعزیر کے لیے تھا۔ نیز اس لیے کہ جب اس نے اپنے آپ کو حمد کی برکت سے محروم کر دیا تو وہ دعا کی برکت سے بھی محروم ہو جائے گا۔ اس نے اللہ کو بھلا دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قلوب اور زبانیں اس کو جواب دینے اور اس کے لیے دعا کرنے سے پھیر دیں اور اگر تذکیر مسنون ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرنے، اس کی تعلیم دینے اور اس کار خیر سے تعاون کرنے کے زیادہ اہل تھے۔

سفر کے اذکار و آداب

سفر پر جاتے وقت اور سفر سے واپسی کے وقت کی دعائیں

دو رکعت نفل سے آغاز

صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو اُسے چاہیے کہ فرائض کے علاوہ دو رکعت نفل پڑھے۔ پھر یہ دعا کرے: اللھم انی استخیرك بعدك واُستقدرك بقدرتك وأسألك من فضلك العظیم۔ فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب۔ اللھم ان کنت تعلم ان ھٰذا الامر خیر لی فی دینی ومعاشی وعاجل اُمری وآجله فاقدره لی ویسره لی وبارك فیه وان کنت تعلمه شراً لی فی دینی ومعاشی وعاجل امری وآجله فاصرفه عنی واصرفنی عنه واقدر لی الخیر حیث کان ثم رضنی به

یعنی: اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعہ طلبِ خیر کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ذریعہ قوت چاہتا ہوں اور تیرے فضلِ عظیم کا سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قدرت والا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ اگر تو سمجھتا ہے (تیرے علم میں ہے کہ یہ کام میرے لیے، میرے دین، میری معاش، میرے قریب یا دور کے معاملہ میں بہتر ہے۔ پھر اسے میرے لیے مقدر کر دے اور میرے لیے آسان فرما دے اور اس میں میرے لیے برکت عطا فرما اور تیرے علم میں اس کے اندر میرے لیے، میرے دین اور میری معاش اور میرے قریب یا دور کے

معاملہ میں برائی (تکلیف) ہے تو اسے مجھ سے ہٹالے اور مجھے اس سے ہٹا دے اور خیر جہاں بھی ہے اسے میرے مقدر میں کر دے اور پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔

اور یہ دعا پڑھنے کے بعد آخر میں اپنی حاجت پیش کرے (بخاریؒ)

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے غلط اوہام کی بجائے یہ طریقہ پیش فرمایا، جبکہ جاہلیت کے شگون یا استقسام ازلام کے ذریعہ فال نکالی جاتی تھی جس کی نظیر آج کل قرعہ کی صورت میں اس زمانہ کے مشرکین اور ان کے رفقاء نکالتے ہیں۔ جس کے ذریعہ وہ دیکھتے ہیں کہ عالم غیب میں ان کے لیے کیا کچھ مقرر ہو چکا ہے؟ (اور جاہلیت کے طریق کار) کو استقسام یعنی باب استفعال سے بتایا گیا جس میں طلب کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس (غلط رسم) کے عوض یہ دعا رحمت فرمائی جس میں توحید، اللہ تعالیٰ کی بندگی، احتیاج اور اس پر توکل ہے اور اس ذات سے سوال ہے جس کے ہاتھ میں تمام خیر اور بھلائی ہے۔ اس کے سوا نہ کسی سے بھلائی پہنچ سکتی ہے اور نہ اس کے سوا کوئی دکھوں کو دور کر سکتا ہے جب وہ اپنے بندے پر رحمت کا دروازہ کھولتا ہے تو کوئی اسے بند نہیں کر سکتا اور جب بند کرتا ہے تو شگون علم نجوم یا مطالع دیکھنے سے کوئی اسے کھول نہیں سکتا۔ اس لیے یہ دعا اہل سعادت اور اہل توفیق کے لیے نشانِ سعادت و برکت ہے جو اللہ تعالیٰ سے نیکی حاصل کرنے میں سبقت لے گئے۔ اور ایسے بدبخت مشرکین کے لیے اس میں کچھ حصہ نہیں جو اللہ کے ساتھ ساتھ اوروں کو بھی معبود بناتے ہیں۔ وہ عنقریب جان لیں گے۔

اور مسند احمدؒ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرنا اور اس کی قضا پر راضی ہو جانا بنی آدم کی سعادت کی علامت ہے اور استخارہ کو ترک کر دینا اور اللہ کے فیصلہ پر ناراض ہونا بنی آدم کی بدبختی کی علامت ہے۔

مقصود یہ ہے کہ استخارہ حقیقت میں اللہ پر توکل کرنے (تمام امور) اسی کو تفویض کرنے اور اس کی قدرت، علم اور انتخاب سے تقسیم چاہنے کا نام ہے اور یہ صفات اپنے پروردگار کے فیصلہ پر راضی ہونے کے لوازمات میں سے ہیں اور جو ایسا نہیں وہ اسلام کا لذت شناس نہیں اور (اگر ان صفات کے حصول) کے بعد وہ اللہ کے فیصلہ پر راضی ہو گیا تو یہ اس کی سعادت کی علامت

ہے۔

اور بیہقی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی سفر کا ارادہ فرمایا تو یہ دعا بیٹھ کر اٹھتے وقت ضرور کی۔

اللھم بك انتشرت والیك توجھت وبك اعتصمت وعلیك توکلت اللھم انت ثقتی وانت رجائی اللھم اکفنی ما اھمنی وما لا اھتم لہ وما انت اعلم بہ منی عز جارك وجل ثناءك ولا الہ غیرك اللھم زودنی التقوی واغفرلی ذنبی ووجھنی للخیر اینما توجھت۔

"یعنی اے اللہ میں تیرے ہی سہارے اٹھا ہوں اور تیری ہی طرف رُخ کیا ہے اور تیرے ہی (عہد) سے وابستہ ہوں اور تجھی پر توکل کیا ہے۔ اے اللہ تو ہی میرا اعتماد ہے۔ اور تو ہی میری امید ہے اے اللہ جس کام کا میں اہتمام کرتا ہوں اور جس کا نہیں کرتا ان میں مجھے کفایت فرما اور جس کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تیرا ہی پڑوسی عزت والا ہوا اور تیری ثنا بہت زیادہ ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے اللہ مجھے پرہیزگاری کا توشہ عطا فرما۔ اور میرے گناہ بخش دے اور جدھر میں رُخ کروں میرا رخ بھلائی کی طرف پھیر دے۔"

یہ دعا پڑھنے کے بعد آپ (سفر پر) تشریف لے جاتے۔

سواری ہوتے وقت کی دعا

اور جب آپ سواری پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے۔ پھر یہ پڑھتے:

سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون

پھر پڑھتے: اللھم انی اسألك فی سفری ھذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی اللھم ھون علینا السفر واطولنا البعد اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم اصحبنا فی سفرنا واخلفنا فی اھلنا

"یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا۔ حالانکہ ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ میں اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتا ہوں۔ نیز ایسا عمل جس سے تو راضی ہو۔ اے اللہ ہم پر سفر آسان فرما دے اور ہمارے لیے اس کے بُعد کو لپیٹ دے۔ اے اللہ تو ہی سفر میں ساتھی

ہے اور گھر میں نائب ہے۔ اے اللہ ہمارے سفر میں ہمارا ساتھی بن جا، اور ہمارے گھر میں ہمارا نائب ہو جا۔

اور جب سفر سے واپس ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

آیبون تائبون ان شاء اللہ عابدون لربنا حامدون: یعنی واپس آنے والے، توبہ کرنے والے اگر اللہ نے چاہا عبادت کرنے والے اور اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں۔

اور امام احمدؒ نے آپؐ سے یہ دعا بھی نقل کی ہے کہ آپؐ پڑھا کرتے: انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم انی اعوذ بک من اللھم فی السفر والکآبۃ فی المنقلب اللھم اقبض لنا الارض وھوّن علینا السفر۔

اور جب واپس ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:۔ تائبون عابدون لربنا حامدون۔

اور جب شہر میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ توبا توبا لربنا أوبا لا یغادر علینا حوبا

صحیح مسلم میں یہ دعا منقول ہے کہ جب آپؐ فرماتے تو یہ کہتے: اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم اصحبنا فی سفرنا واخلفنا فی اھلنا اللھم انی اعوذ بک من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب ومن الحور بعد الکور ومن دعوۃ المظلوم ومن سوء المنظر فی المال والاھل

یعنی: اے اللہ تو ہی سفر میں میرا رفیق ہے اور گھر میں نائب (محافظ) ہے۔ اے اللہ ہمارے سفر میں ہماری رفاقت اور ہمارے گھر میں حفاظت فرما۔ اے اللہ میں سفر کی دشواریوں، واپسی کی جگہ کے دکھ اور (سفر) کے پیٹنے کے بعد کے تجبر اور مظلوم کی بد دعا اور مال اور گھر میں خراب حالت دیکھنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

آپؐ رکاب میں پاؤں رکھتے وقت بسم اللہ کہتے تھے

اور جب آپؐ سواری پر چڑھنے کے لیے رکاب میں پاؤں رکھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب اس کی پشت پر سوار ہو جاتے تو تین بار الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہتے۔ پھر یہ دعا پڑھتے: سبحان اللہ الذی سخر لنا ھذا وما کنا مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون۔

پھر پڑھتے: سبحان اللہ تین بار، اس کے بعد لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین سبحانک انی ظلمت نفسی فاغفر لی انہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ یعنی: پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا، حالانکہ ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں "اللہ پاک ہے" تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ بے شک میں ظالموں میں سے ہوں تو پاک ہے۔ بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں۔

اور جب آپ سفر کے لیے جانے والے کسی صحابی کو الوداع کہتے۔ تو یہ دعا کرتے:

استودع اللہ دینک وامانتک وخواتم عملک: یعنی میں تیرا دین، تیری امانت اور تیرے عمل کا انجام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

ایک شخص خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے زادِ (راہ) دیجیے:۔

آپؐ نے فرمایا اللہ تمہیں پرہیز گاری کا توشہ عطا کرے۔

اس نے عرض کیا، مزید (دعا فرمایئے) آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تیرے گناہ بخشے۔

اس نے عرض کیا مزید عنایت ہو۔ آپ نے فرمایا اور جہاں بھی تم ہو۔ اللہ تمہارے لیے بھلائی آسان کر دے۔

نیز ایک آدمی نے عرض کیا "میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور ہر بلندی پر تکبیر کہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ چنانچہ جب وہ واپس چلا تو آپ نے دعا کی۔ اللھم ازولہ الارض وھون علیہ السفر۔ یعنی اے اللہ اس کے لیے زمین سکیڑ دے اور اس پر سفر آسان کر دے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ جب بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب ڈھلوان جگہ اترتے تو تسبیح کہتے۔ اس لیے نماز بھی اسی طرح وضع کر دی گئی۔ حضرت انس نے فرمایا: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب زمین کی اونچی اور بلند جگہ پر چڑھتے تو یہ کہتے۔

اللھم لک الشرف علی کل شرف ولک الحمد علی کل حال۔ یعنی اے اللہ ہر بلندی پر تجھے ہی بلندی حاصل ہے اور ہر حالت میں تیری ہی حمد ہے۔

اور سفر حج میں آپ کا یہ دستور تھا کہ جب کھلا میدان آتا تو آپؐ نسبتاً تیز چلتے اور

فرماتے تھے کہ فرشتے ایسے (قافلہ) کے ساتھ شریک نہیں ہوتے جس میں کتا یا گھنٹی ہو اور آپؐ اس بات کو ناپسند فرمائیے کہ مسافر تنہا رات کو سفر کرے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ تنہا سفر میں کس قدر (خطرہ) ہے تو وہ رات کو تنہا نہ چلیں اور آپؐ نے فرمایا کہ ایک (مسافر) شیطان ہے اور دو (مسافر) دو شیطان ہیں۔ اور تین صحیح طور پر (مسافر) سوار ہیں، اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب تم میں کوئی کسی مقام پر اترے تو یہ دعا پڑھے اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات من شر ما خلق۔ یعنی میں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔ اللہ کے کلمات کی پناہ مانگتا ہوں۔" پھر اسے کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس جگہ سے کوچ کرلے۔

غزوہ میں شرکت کے وقت کی دعا

اور امام احمدؒ نے نقل کیا کہ جب آپؐ غزوہ میں شریک ہوتے یا سفر فرماتے اور آپؐ کو کہیں پر رات آجاتی تو یہ دعا پڑھتے: یا ارض ربی و ربك اللّٰہ اعوذ باللّٰہ من شرك وشر ما فیك و شر ما خلق فیك وشر ما دب علیك اعوذ باللّٰہ من شر کل اسد و اسود وحیة وعقرب ومن شر ساکن البلد ومن شر والد وما ولد: یعنی اے زمین میرا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔ میں تیرے شر سے اور جو کچھ تجھ میں۔ ہے اس کے شر سے اور جو تجھ میں پیدا کیا گیا اس کے شر سے اور جو تیرے اوپر چلتا ہے اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور میں ہر شیر، مار سیاہ، سانپ، بچھو، شہر میں رہنے والے، باپ اور پیدا ہونے والے (بچے) کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

نیز آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم سبزہ زاروں میں سفر کرو تو اونٹوں کو بھی زمین میں سے ان کا حصہ دیا کرو اور جب تم ویران مقام میں سفر کرو تو جلدی سے اُسے عبور کر جاؤ۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ وہاں سے گزرنے میں سرعت اختیار کرو اور جب تم پڑاؤ کراؤ تو راستہ کو چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ چوپاؤں کی گزرگاہیں ہیں اور رات کو کیڑے مکوڑوں کے مساکن۔

اور جب آپؐ کسی بستی کو دیکھتے جس میں آپؐ داخل ہونا چاہتے تو اسے دیکھ کر یہ دعا پڑھتے: اللھم رب السموات وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین انا نسألك خیر ھذہ القریة وخیر اھلھا ونعوذ بك من شرھا وشر ما فیھا۔

یعنی: اے اللہ آسمان اور جو کچھ ان کے سایہ میں ہے ان کے پروردگار اور ساتوں زمینوں

کے رب اور جو کچھ وہ بہکاتے ہیں اور شیاطین کے رب اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا اور ہواؤں کے رب اور جنہیں انھوں نے منتشر کر دیا ہم تجھ سے اس کی بستی کی بھلائی اور اس کے رہنے والوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

اور سفر میں جب صبح ہو جاتی تو آپ یہ پڑھتے: سمع سامع بحمد اللہ ونعمتہ وحسنِ بلائہ علینا ربنا صاحبنا وافضل علینا عائذا باللہ من النار یعنی سننے والے نے اللہ کی حمد، اس کی نعمت اور حسنِ بلاء کو سن لیا، ہمارے رب اور ہمارے مالک نے ہم پر فضل فرمایا ہم دوزخ سے اللہ کی پناہ چاہنے والے ہیں۔

عورت کو غیر محرم کے ساتھ سفر نہ کرنا چاہیے

یہ کلمات آپ تین مرتبہ دہراتے اور اس موقع پر آواز بلند کر دیتے اور آپ مسافر کو اس بات سے منع فرماتے کہ وہ قرآن لے کر دشمن کے علاقہ میں سفر کرے کہ ایسا نہ ہو کہ دشمن اسے لے لے (اور توہین کا مرتکب ہو)

اور آپ محرم کے بغیر عورت کو سفر کرنے سے منع فرماتے۔ اگرچہ یہ برید (۱۲ میل) کی مسافت کیوں نہ ہو۔

اور آپ مسافر کو حکم دیتے کہ جب سفر میں کام ختم ہو جائے تو جلدی سے اپنے گھر لوٹ آیئے۔ اور جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے۔ تو ہر اونچی جگہ تین بار اللہ اکبر کہتے۔ پھر یہ کلمہ پڑھتے۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیئ قدیر۔ آیبون تائبون عابدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ واپس آنے والے، توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے، اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور یکہ و تنہا تمام گروہوں کو شکست دی۔

بچوں سے آپ کا مشفقانہ برتاؤ

نیز اگر سفر کی وجہ سے کوئی دیر تک غائب رہتا تو آپ رات کو گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ممانعت

فرماتے اور صحیحین میں ہے کہ آپؐ اپنے گھر والوں کا دروازہ رات کو نہ کھٹکھٹاتے بلکہ شام کو یا صبح کو داخل ہوتے اور جب آپؐ سفر سے تشریف لاتے تو خاندان کے بچوں سے آپ کی ملاقات ہوتی۔ حضرت عبداللہؓ بن جعفر فرماتے ہیں کہ ایک بار آپؐ سفر سے تشریف لاتے تو میں نے آپؐ آپؐ کی طرف سبقت کی۔ چنانچہ آپؐ نے مجھے آگے بٹھالیا۔ پھر حضرت فاطمہؓ کے صاحبزادے، حسنؓ یا حسینؓ تشریف لائے تو آپؐ نے انہیں اپنے پیچھے بٹھالیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم تینوں ایک سواری پر سوار مدینہ میں داخل ہوئے۔

اور سفر سے آنے والے کے ساتھ آپؐ معانقہ فرماتے اور اور اگر گھر والا ہوتا تو اس کا بوسہ لیتے۔

زہریؓ نے حضرت عروہؓ سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے۔ زیدؓ بن حارثہ مدینہ آئے انہوں نے حاضر ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر اس طرف تشریف لے گئے اور اس حالت میں کہ آپ کا کپڑا گھسٹ رہا تھا۔ اللہ کی قسم اس سے قبل یا بعد میں نے آپ کو یوں ننگے میں قمیص نہ ہونا مراد ہے کبھی نہ دیکھا تھا۔ آپؐ نے ان سے معانقہ فرمایا اور انہیں بوسہ دیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب جعفرؓ اور ان کے رفقاء حاضر ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملے اور دونوں کو بوسہ دیا اور معانقہ فرمایا اور شعبیؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور وہاں دو رکعتیں (نفل) پڑھتے۔

اذکارِ نکاح

خطبۂ حاجت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے خطبۂ حاجت سکھایا جو یہ ہے:۔

الحمد للہ الذی نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا وسیئات اعمالنا من یھد اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضلل فلا ھادی لہٗ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔

پھر آپ تین آیات کی تلاوت فرماتے:۔

(۱) یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔

(۲) یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃ وخلق منھا زوجھا۔

(۳) یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہٗ فقد فاز فوزاً عظیماً۔

شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو اسحٰقؒ سے دریافت کیا کہ آیا یہ خطبہ نکاح ہے یا کچھ اور ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہر ضرورت کے لیے ہے۔

اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت یا غلام یا چوپایہ حاصل کرے تو وہ اس کی پیشانی پکڑے اور اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کرے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام لے اور کہے: اللھم انی اسألك خیرھا وخیر ما جبلت علیہ واعوذ بك من شرھا وشر ما جبلت علیہ۔ یعنی اے اللہ میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جو اس کی جبلت ہے اس کی بھلائی طلب کرتا

ہوں اور میں اس کے شر اور اس کی جبلت کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

نکاح کروانے والے جوڑے سے آپ فرمایا کرتے بارک اللہ لک وبارک علیک وجمع بینکما فی خیر: یعنی اللہ تمہارے لیے برکت کرے اور تم پر برکت کرے اور تم دونوں کو بھلائی پر اکٹھا کرے۔

اور فرمایا کرتے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنی زوجہ کے پاس جانا چاہے تو یہ دعا پڑھ لے:۔

بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا: یعنی "اللہ کے نام سے اے اللہ ہمیں شیطان سے الگ رکھنا اور جو تو ہمیں (بچہ) عطا کرے اسے بھی شیطان سے الگ رکھنا" (اس کے پڑھنے سے) اگر اسی دفعہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بچہ ہونا مقدر کر دیا ہے تو اسے شیطان کبھی ضرر نہ دے سکے گا۔

اپنے اہل یا مال میں خوش کن منظر دیکھے تو کیا کہے؟

حضرت انس رضی سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے گھر میں یا مال میں یا اولاد میں اگر نعمت عطا کرے اور وہ کہے: ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ تو موت کے سوا کوئی دکھ نہ دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، یعنی جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو یہ کیوں نہ کہا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔

بیمار کو دیکھ کر کون سی دُعا پڑھی جائے؟

شگون، خواب، وسوسوں اور شدتِ غضب کے وقت کی دُعائیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ جو آدمی بھی کسی بیمار کو دیکھے اور یہ دعا پڑھے تو اُسے وہ مرض کبھی نہ ہوگا چاہے جو بھی ہو، دعا یہ ہے:۔

الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاك بہ وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا۔ یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس مرض سے محفوظ رکھا جس میں تجھے مبتلا کیا ہے اور مجھے کثیر مخلوقات پر بہ طور خاص افضلیت بخشی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مروی ہے کہ آپ کے سامنے شگون کا تذکرہ کیا گیا آپ نے فرمایا: کہ اس میں سب سے بہتر فال ہوتی ہے۔ یہ مسلمان کو ضرر نہیں دے سکتی۔ جب تم کوئی شگون دیکھو جسے تم بُرا سمجھتے ہو۔ تو یہ دعا کرو۔

اللھم لا یاتی بالحسنات الا انت ولا یدفع السیئات الا انت ولاحول و لاقوۃ الا بك۔ یعنی اے اللہ صرف تو ہی بھلائیاں عطا کرتا ہے اور صرف تو ہی تکالیف ہٹاتا ہے اور تیرے سوا نہ توفیق ہے اور نہ قوت ہے"۔

اور حضرت کعبؓ یہ پڑھا کرتے تھے: اللھم لا طیر الا طیرك ولا خیر الا خیرك ولا رب غیرك ولاحول ولاقوۃ الا بك۔ یعنی اے اللہ تیرے شگون کے سوا کوئی شگون نہیں اور تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں تیرے سوا کوئی رب نہیں اور تیرے علاوہ نہ توفیق ہے اور نہ قوت ہے۔

اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ توکل کی جڑ ہے اور جنت میں بندے کا خزانہ ہے اور جو بندہ بھی یہ کہے گا۔ پھر اپنے کام میں لگ جائے تو اسے کچھ ضرر نہ ہوگا۔

وحشت ناک خواب دیکھنے کے بعد کیا کہنا چاہیے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اچھے خواب اللہ کی جانب سے ہیں اور بُرے خواب شیطان کی طرف سے ہیں۔ اس لیے جو ایسے خواب دیکھے جس میں اس نے کوئی نامرغوب بات دیکھی ہو تو وہ بائیں جانب تین بار تھوک دے اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔ اسے کچھ ضرر نہ ہوگا ور نہ کسی کو بتائے اور اگر اچھا خواب دیکھے تو خوش ہو اور صرف اسے بتائے جس سے محبت کرتا ہو اور جو کوئی ناپسند خواب دیکھے اسے حکم فرمایا کہ وہ اس پہلو کو بدل دے جس پر پہلے (سو رہا) تھا اٹھ کر نماز پڑھ لے۔ چنانچہ آپؐ نے پانچ باتوں کا ارشاد فرمایا:

(۱) بائیں طرف تھوک دے۔
(۲) اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔
(۳) کسی کو خبر نہ دے۔
(۴) جس پہلو پر تھا اس کو بدل لے۔
(۵) اور کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔

جب اس نے یہ کام کر لیا تو ناپسند خواب اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچائے گا بلکہ یہ امور اس کے شر کو دور کر دیں گے۔

اور فرمایا کہ تعبیر نہ جاننے والے آدمی کے سامنے خواب بیان کرنے سے احتراز کرو اگر اس نے تعبیر بتا دی تو وہ تم پر پڑ گئی (اس لیے) صرف سمجھ دار اور ایسے آدمی کے سامنے خوب بیان کرو۔ جس کو تم سے محبت ہو اور حضرت عمرؓ بن خطابؓ کی عادت تھی کہ جب آپ کے سامنے خواب بیان کیا جاتا تو فرماتے: اے اللہ اگر یہ اچھا ہے تو ہمارے لیے ہو اور اگر یہ خراب ہے تو ہمارے دشمنوں کے لیے ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جس کے سامنے خواب بیان کیا جائے اسے چاہیے کہ اچھی بات بہ طورِ تعبیر کے کہے اور تعبیر بتانے سے قبل خواب دیکھنے والے سے کہے کہ جو کچھ تو نے دیکھا ہے وہ بہت خوب ہے، پھر اس کے بعد تعبیر بتلائے۔

اور عبدالرزاقؒ نے معمر سے انہوں نے ایوب سے، انہوں نے ابن سیرین سے نقل کیا۔ بتاتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ جب خواب کی تعبیر بتانے کا ارادہ فرماتے تو کہتے: تو نے صحیح خواب دیکھا ہے۔ یہ اس طرح ہے۔

وساوس میں مبتلا ہونا اور ان کا علاج

حضرت صالح بن کیسان نے عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعودؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ ابن آدم کے قلب کے ساتھ موکل فرشتے کی رفاقت ہوتی اور ایک شیطان کی رفاقت، فرشتے کی رفاقت بھلائی کا وعدہ کرنا، حق کی تصدیق کرنا اور اچھے اجر کی امید دلانا ہوتا ہے اور شیطان کی رفاقت، شر کا وعدہ، حق کی تکذیب اور بھلائی سے ناامیدی۔ پس جب تم فرشتے کی رفاقت محسوس کرو تو اللہ کی حمد کرو، اور اس کا فضل مانگو۔ اور جب تم شیطان کی رفاقت محسوس کرو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو اور استغفار کرو۔

حضرت عثمان بن عاص نے عرض کیا کہ میرے اور میری نماز اور قرأت کے درمیان شیطان حائل ہوگیا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جسے خترب کہتے ہیں جب تو اسے محسوس کرے۔ تو اللہ کی پناہ مانگ اور اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے۔

اسی طرح ابی زمیل نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ مجھے سینے میں کچھ (وسوسہ) محسوس ہوتا ہے (ابن عباسؓ) نے پوچھا کیا ہے؟

راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ کی قسم میں ہرگز زبان پر نہ لاؤں گا۔ انہوں نے فرمایا کیا کوئی شک کی کوئی بات؟

میں نے کہا ہاں! وہ کہنے لگے کہ اس سے کوئی بھی نجات نہ پاسکا جب تم سینے میں کچھ (وسوسہ) محسوس کرو تو یہ آیت پڑھا کرو ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم۔ یہ ضروری ہے کہ ایک غیر مخلوق خالق تک انتہا ہو، جو دوسروں سے غنی ہو، قائم بنفسہ ہو۔ ہر چیز اس کی محتاج ہو۔ خود موجود بالذات ہو اور ہر چیز اسی سے قائم ہو، قدیم ہو۔ اس کا آغاز نہ ہو، بالذات باقی ہو اور ہر چیز کی بقاء اسی سے ہو۔ یہی وہ ذات ہے، جو اوّل ہے کہ اس سے قبل کچھ نہیں۔ آخر ہے کہ جس کے بعد کچھ نہیں۔ ظاہر ہے کہ جس سے اوپر کچھ نہیں، باطن ہے کہ جس کے پرے (نیچے) کچھ نہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ کہنے والا کہے گا۔ یہ اللہ ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ اب جس کو اس قسم کی کوئی خلش محسوس ہو وہ اللہ کی پناہ مانگے اور رک جائے۔

شدتِ غضب میں آپؐ کا قول و فعل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ غصے کی چنگاری

کو وضو سے بجھایا جائے اور اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ۔ اگر بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو۔ چونکہ ابن آدم کے قلب میں غصہ اور شہوت آگ کی دو چنگاریاں ہوتی ہیں تو آپؐ نے وضو، نماز اور شیطان الرجیم سے اللہ کی پناہ مانگنے کے ذریعہ ان کو بجھانے کا حکم فرمایا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ الخ یعنی کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا ڈالتے ہو۔" اب شدت شہوت بھی ان پر محمول ہوگی۔ چنانچہ جن باتوں سے اس چنگاری کو بجھانے کا حکم دیا وہ صبر اور نماز کے ذریعہ استعانت ہے اور حکم دیا کہ شیطانی وساوس کے موقع پر اللہ کی پناہ مانگو چونکہ تمام معاصی کا صدور غضب اور شہوت ہی سے ہوتا ہے اور غضب کا انجام قتل اور شہوت کا انجام زنا ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قتل اور زنا کا ساتھ ساتھ ذکر کیا اور سورۃ انعام، سورۃ اسریٰ اور سورۃ فرقان میں انہیں آپس کا رفیق قرار دیا۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہدایت دی۔ وہ نماز اور استعاذہ سے غضب اور شہوت جیسی قوتوں کی اپنے آپ کو بچا سکیں۔

مرغوب اور نامرغوب کام

اچھے کام کرنے والوں کے لیے آپؐ کی دعائیں

پسندیدہ چیز پر دعا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی پسندیدہ چیز دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے: الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس کی نعمت کے باعث بھلائیاں مکمل ہوتی ہیں۔

اور جب کوئی نامرغوب (تکلیف کی) بات دیکھتے، تو پڑھتے: الحمد للہ علی کل حال۔

یعنی ہر حالت میں تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔

جب کوئی محبوب یا مناسب چیز پیشِ خدمت کرتا تو آپؐ اس کے لیے دعا فرماتے؛ چنانچہ جب حضرت ابنِ عباسؓ نے آپؐ کے لیے وضو کا انتظام کیا تو آپؐ نے دعا فرمائی: اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو تاویل (تعبیرات) کا علم سکھا۔

اور راستہ میں رات کو جب ابو قتادہؓ نے آپؐ کو تھام لیا، جب آپؐ اپنی سواری سے ایک طرف کو جھک سے گئے تو آپؐ نے دعا دی جس طرح تو نے نبی کی حفاظت کی۔ اس طرح اللہ بھی تیری حفاظت کرے۔

نیز آپؐ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ بھلائی کی جائے۔ اور وہ جزاک اللہ خیراً کہے تو اس نے گویا خوب تعریف کر دی۔

اور آپؐ نے عبد اللہ بن ابی ربیعہ سے قرض لیا پھر ادا کر دیا اور دعا فرمائی: اللہ تعالیٰ تیرے مال اور اہل میں برکت دے۔ بے شک قرض کا صلہ تعریف کرنا اور ادا کرنا ہوتا ہے اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کیا جاتا تو آپؐ اسے قبول کر کے اس سے زیادہ بدلہ دیتے اور اگر مسترد کرتے تو عذر فرماتے۔ جیسے آپ نے صعبؓ بن جثامہ سے فرمایا جب انہوں نے شکار کا گوشت پیش کیا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا تھا ہم اسے رد نہ کرتے لیکن اس

وقت) میں احرام سے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے آگ لگ جانے کے موقع پر تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ کیونکہ تکبیر اسے بجھا دے گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ اہل مجلس اپنی مجلس کو ذکر الٰہی سے محروم رکھیں اور فرمایا کہ جو قوم بھی ایسی مجلس سے اٹھتی ہے جس میں لوگ اللہ کا ذکر نہیں کرتے۔ وہ گویا گدھے کی لاش پر سے اٹھ رہے ہیں۔ نیز فرمایا کہ جو آدمی ایسی جگہ سے اٹھے جہاں اللہ کا ذکر نہ ہوتا ہو اسے اس پر حسرت ہو گی۔ نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں کثرت سے لغو باتیں کر ڈالے۔ اگر اُٹھنے سے قبل یہ کلمات کہہ لے تو اس مجلس میں جو کچھ بھی اس سے خطا ہو چکی ہو گی۔ معاف کر دی جائے گی: دعا یہ ہے۔

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك و اتوب اليك: یعنی: اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تجھ سے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت خالد بن ولید نے ایک مرتبہ رات کو پریشان خیالی کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب تم بستر پر جاؤ تو یہ دعا کہہ:

اللهم رب السموات السبع وما اظلت ورب الارضين السبع وما اقللت ورب الشياطين وما اضلت كن لي جاراً من شر خلقك كلهم جميعا من ان يفرط احد منهم على او ان يطغى على عز جارك وجل ثناءك ولا اله الا انت۔ یعنی: اے اللہ ساتوں آسمانوں اور جو کچھ ان کے زیر سایہ ہے ان کے رب اور ساتوں زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کے رب اور شیاطین اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا سب کے رب اپنی تمام کی تمام مخلوق کے شر سے مجھے پناہ دینے والا بن جا کہ ان میں سے کوئی مجھ پر زیادتی (نہ کرے) یا مجھ پر سرکشی (نہ) کرے۔ تیرا پڑوسی عزت والا ہو گیا اور تیری ثنا بڑی ہے۔ اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو گھبراہٹ اور اضطراب کے موقع پر یہ دعا بھی سکھایا کرتے تھے۔

اعوذ بكلمات الله التامة من شر غضبه ومن شر عباده ومن شر

همزات الشياطين وان يحضرون: یعنی میں اس کے غضب اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وساوس کے شر سے اور اس بات سے کہ وہ آن موجود ہوں۔ اللہ کے مکمل کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ منقول ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ اسے نیند میں گھبراہٹ ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو بستر پر جایا کرے تو یہ دعا پڑھا کر۔ پھر آپ نے مذکورہ دعا فرمائی۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر اس سے یہ گھبراہٹ جاتی رہی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناپسندیدہ الفاظ

انانیت، تکبر اور نخوت کی مذمت

مشرکانہ الفاظ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی (دوسرے کے نام) کی قسم کھائی۔ اس نے شرک کیا۔ اس طرح یہ کہنا (آپؐ کے نزدیک ناپسند تھا) کہ اگر وہ ایسا ایسا کرے تو وہ یہودی، نصرانی یا کافر ہو۔ اسی طرح مسلمان کو کافر کہنا اور بادشاہ کو ملک الملوک (یا دشاہوں کا بادشاہ) یا شہنشاہ کہہ کر پکارنا اسی پر قاضی القضاۃ کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ نیز آقا اپنے غلام یا لونڈی کو یوں کہے عبدی یا امتی، میرا بندہ یا میری بندی۔ یا غلام اپنے آقا کو اس طرح پکارے۔ میرے پالنے والے (ربی) بلکہ آقا کو چاہیے کہ وہ میرا بچہ، میری بچی کہے اور غلام کو چاہیے کہ وہ میرا سردار یا میری سردار کہا کرے۔

اسی طرح ہوا کے چلنے پر اسے گالی دینا (مکروہ) ہے بلکہ اس وقت دعا کرے آئندہ اس کی بھلائی عطا کرے اور اس کے شر سے پناہ دے۔

اسی طرح بخار کو گالی دینے کی ممانعت فرمائی۔ فرمایا کہ یہ (بخار) بنی آدم کے گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتا ہے۔

اسی طرح مرغ کو گالی دینے کی ممانعت فرمائی۔ صحیح روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مرغ کو گالی مت دو۔ کیونکہ وہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔

نیز جاہلیت کے نعرے کی طرف بلانا جیسے خاندان اور قوم ونسب کے نام پر بلانا یا فروعی مذاہب طرق اور مشائخ کے نام پر نعرے لگانا اور محض قوم پرستی وغیرہ کے باعث ایک کو دوسرے پر افضلیت بخشنا۔ نیز مسلمان کو گالی دینا اور تیسرے کو الگ کر کے دو کا آپس میں سرگوشی کرنا یا عورت کا اپنے شوہر کے سامنے دوسری عورت کے محاسن بیان کرنا، یا اس طرح دعا کرنا۔ اے اللہ اگر تو چاہے

تو مجھے بخش دے اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر۔ نیز کثرت سے قسمیں کھانا، نیز آسمان پر نظر آنے والے رنگوں کو قوسِ قزح کا نام دینا، نیز اللہ کے نام پر سوال کرنا، مدینہ کو یثرب کہنا ؛ یہ تمام صورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں مکروہ ہیں۔

نیز (نامناسب) حرکات میں یہ ہے کہ آدمی دوسروں سے اپنی زوجہ سے جماع یا دیگر آپس کی باتوں کا تذکرہ کرے جیسے کہ بعض لوگوں کی عادتِ خبیثہ ہے۔ نیز زعموا و ذکروا و قالوا جیسے الفاظ سے حکایت کرنا بھی ناپسند کرتے تھے۔ نیز یہ کہ بادشاہ کو زمین میں خلیفۃ اللہ یا نائب اللہ کہا جائے۔ کیونکہ خلیفہ اور نائب تو غیر موجود کے ہو سکتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ خود اپنے گھر سے غیر حاضر ہونے والے کا خلیفہ اور اپنے مومن بندے کا کارساز ہے۔

نیز انا، لی، عندی (میں، میرا، میرے نزدیک) کے الفاظ سے بھی بچنا چاہیے۔ کیونکہ انہی تین الفاظ سے ابلیس، فرعون اور قارون گمراہ ہوئے۔

ابلیس اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ (میں اس سے بہتر ہوں) اور فرعون وَلِیْ مُلْکُ مِصْرَ (اور مصر کا ملک میرا ہے) اور قارون، وَاِنَّمَآ اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (اور مجھے یہ (مال و زر) میرے علم کی بنا پر دیا گیا۔ جیسے (متکبرانہ) جملوں سے تباہ ہوا۔

اور سب سے بہتر اَنَا (میں)، بندے کے اس قول میں ہے (انا العبد المذنب (میں گناہگار بندہ ہوں) اور لفظ لِی جیسے کہ لی الجرم ولی المسکنۃ (میں مجرم و مسکین ہوں) اور عندی جیسے کہ اغفر لی جدی وھزلی وخطیئی وعمدی وکل ذالك عندی۔ (میرا گناہ، لغزش، خطائیں اور عمداً گناہ بخش دے اور میرے پاس یہ تمام نقائص ہیں۔

جہاد و غزوات میں آپؐ کی سنت طیبہ

جہاد کے اقسام و انواع مختلفہ و متعددہ

آپؐ نے ہر طرح کے جہاد میں حصہ لیا

جہاد چونکہ اسلام کا ایک اعلیٰ اور عظیم الشان مسئلہ ہے اور مجاہدین جنت میں بلند تر مقامات پر فائز ہوں گے۔ جیسا کہ انہیں دنیا میں رفعت کی خوشخبری دی گئی تو گویا یہ لوگ دنیا و آخرت ہر جگہ ہی بلند حیثیت کے مالک ہوں گے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی سلسلہ میں ایک بلند تر مقام پر فائز تھے۔ چنانچہ آپؐ نے (جہاد) کی ہر قسم میں حصہ لیا۔ آپؐ نے اللہ کے راستے میں دل و دماغ، دعوت و تقریر، شمشیر و پیکاں، غرض ہر چیز سے جہاد کیا اور آپؐ کے تمام اوقات قلب و زبان اور ہاتھ سے جہاد کرنے میں مصروف تھے۔ اور آپؐ تمام جہانوں سے زیادہ ذاکر اور اللہ کے ہاں سب سے زیادہ قابل قدر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مبعوث کرتے ہی جہاد کا حکم دیا اور فرمایا: وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا: یعنی اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا بھیجتے۔ پس کافروں کی اطاعت مت کرو اور ان کے ساتھ خوب جہاد کرو۔

یہ سورہ مکی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ دلیل، تقریر اور قرآن کی پیغام رسانی کے ذریعہ جہاد کا حکم دیا۔ اسی طرح منافقین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا کہ انہیں دلیل دی جائے ورنہ اسلام کے غلبہ کے سامنے ذلیل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ۔ یعنی: "اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کا انجام جہنم ہے اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے"۔

اس لیے کفار کی نسبت منافقین کے ساتھ زیادہ شدت کے ساتھ جہاد کا حکم ہے، کیونکہ (منافقین) کے ساتھ جہاد گویا خواص اور وارثین انبیاء کے ساتھ جہاد ہے جو عالم میں منفرد (بظاہر دین کے حامی)، اس میں شریک اور معاون ہیں۔ چاہے یہ کم تعداد میں ہوں لیکن ان کا (خطرہ) زیادہ ہے۔

نیز افضل جہاد یہ ہے کہ سخت ترین مقابلہ کے موقع پر حق بات کہی جائے جیسے کہ جابر حکومت کے سامنے زبان کھولنا جبکہ اس سے ایذا دہی کا خطرہ بھی ہو۔ اس (قسم) کے جہاد میں رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کافی حصہ ہوتا ہے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سلسلہ میں کامل اور مکمل ترین (مجاہد تھے)۔

نیز اللہ کے اعداء کے مقابلہ میں کیا جانے والا خارجی جہاد بندے کے داخلی جہاد کی فرع اور شاخ ہے۔ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجاہد وہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی (خوشنودی) کی خاطر اپنی ذات سے جہاد کیا اور مہاجر وہ ہے جس نے ان باتوں کو چھوڑ دیا جنہیں اللہ نے منع کیا ہے۔

تو ظاہر ہے کہ جہاد بالنفس باہر کے جہاد سے افضل ہے یہ دونوں دشمن ہیں۔ دو بندے کو ان دونوں سے جہاد کرنے کا مکلف کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ ایک تیسرا دشمن بھی سامنے کھڑا ہے۔ اس سے جہاد کیے بغیر ان دونوں کا مقابلہ کرنا بھی محال ہے۔ اور وہ (تیسرا) بندے کو ان دونوں کا مقابلہ کرنے سے باز رکھنے اور اسے کمزور کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان دونوں کے مقابلہ کے موقع پر وہ بندے کو مشقتوں، عیش کے ختم کر دینے، لذات و شہوات کے فوت ہو جانے کا تخیل پیش کرتا رہتا ہے۔ اس لیے اس سے مقابلہ کیے بغیر ان دونوں سے مقابلہ کرنا بہت ہی دشوار بن جاتا ہے۔ گویا اس (سے جہاد کرنا) ان دونوں کے ساتھ جہاد کی جڑ ہے۔

اور یہ (تیسری طاقت) شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا یعنی: "بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔"

چنانچہ اسے دشمن سمجھنے کا حکم اس بات کا اشارہ ہے کہ اس سے جنگ کرنے اور مقابلہ کرنے کے لیے پوری وسعت اور ہمت سے کام لینا چاہیے۔ گویا ایسا دشمن ہے کہ بندے سے جنگ کرنے میں قطعاً سست نہیں پڑتا اور نہ کوتاہی برتتا ہے۔ اس طرح یہ تین دشمن ہیں۔ جن سے بندے کو جنگ کرنے اور جہاد کا حکم دیا گیا۔ اس دنیا میں بندہ ان سے مقابلہ کا مکلف بنا دیا گیا

ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر ایک طرح کا امتحان وآزمائش ہے (چنانچہ جو لوگ اس امتحان میں کامیاب رہے) اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ وہ ان میں سے پرہیزگاروں، احسان کرنے والوں، صبر کرنے والوں اور ایمان والوں کے ساتھ ہے اور (مومن جیسے) اپنا دفاع نہیں کر سکتے تو اللہ اپنے مومن بندوں کا خود دفاع کرتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ہی دشمنوں پر ظفریابی حاصل کرتے ہیں اور اگر وہ ان کی مدافعت نہ کرتا تو دشمن انہیں اچک لیتے یہ مدافعت ان کے ایمان و یقین کے مطابق ہوتی ہے اگر ایمان قوی ہوگا، تو مدافعت بھی قوی ہوگی۔ اس لیے جو بھلائی پالے اسے چاہیے کہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے علاوہ (تکلیف) دیکھے۔ وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ اس سے اس قدر ڈرو جتنا کہ ڈرنے کا حق ہے اسی طرح فرمایا کہ جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے'' اور ڈرنے اور پرہیزگاری کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرے، نافرمانی نہ کرے اس کا ذکر کرے اسے فراموش نہ کرے اور شکر کرے، کفر نہ کرے۔ اسی طرح جہاد کا حق یہ ہے کہ اپنے آپ سے جہاد کرے تاکہ اس کا قلب، زبان اور تمام جوارح اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو جائیں اور وہ بالکل ہی اللہ کا بن جائے اور اپنی ذات کا نہ رہے اور شیطان کے وعدوں کی تکذیب، اس کے حکم کی نافرمانی اور اس کی ممانعت کی مخالفت کر کے اس (شیطان) کا مقابلہ کرے۔ کیونکہ وہ جھوٹی امیدیں دلاتا اور غلط تمنائیں دکھاتا ہے۔ محتاجی کا وعدہ کرتا اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے۔ پرہیزگاری، ہدایت، عفت، صبر اور تمام ایمانی اخلاقیات سے منع کرتا ہے اس لیے اس کے وعدوں کی تکذیب اور اس کے حکم کی نافرمانی کر کے اس کا مقابلہ کرو۔ اس طرح ان جہادوں کے ذریعہ ایک قوت وسطوت پیدا ہو جائے گی جس کے ذریعہ خارج میں بھی اللہ کے دشمنوں کا قلب وزبان، ہاتھ اور مال سے مقابلہ کیا جا سکے گا۔ تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔

جہاد کے چار مراتب ہیں

جہاد النفس[1]، جہاد الشیطان[2]، جہاد الکفار[3]، اور جہاد المنافقین[4]
جہاد النفس کی بھی چار اقسام ہیں:-

(۱) ایک یہ کہ ہدایت اور دینِ حق کی تعلیم حاصل کرنے کی کوشش (جہاد) کرے کیونکہ اس کے بغیر معاش و معاد (دنیا و آخرت) میں نہ فلاح ہے اور نہ سعادت، اور اگر یہ چھن گیا تو دارین کی بدبختی مسلط ہو گئی۔

(۲) دوسرے یہ کہ علم کے بعد عمل کے ذریعہ جہاد کرے۔ ورنہ عمل کے بغیر محض علم اگر مضر نہیں تو

فائدہ بھی نہ دے گا۔

(۳) تیسرے یہ کہ جو علم کو نہیں جانتے انہیں سکھائے۔ ورنہ ان میں سے ہو جائے گا کہ جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت اور بینات کو چھپاتے ہیں۔ اور اس کا علم اسے نفع نہ دے گا اور نہ اسے اللہ کے عذاب سے چھڑائے گا۔

(۴) چوتھے یہ کہ اللہ کے دین کی دعوت پر تکالیف اور مخلوقات کی جانب سے آمدہ ایذاؤں پر صبر کرنے کی کوشش (جہاد) کرے اور محض اللہ کی رضا کے لیے یہ سب کچھ برداشت کرے۔

جب یہ چاروں مراتب حاصل ہو گئے تو وہ ربانیین میں سے بن گیا۔ کیونکہ سلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ عالم اس وقت تک عالم ربانی نہیں بن سکتا جب تک حق کو نہ پہچان لے۔ اس پر عمل نہ کرے اور دوسروں کو بھی نہ سکھائے اس لیے جس نے علم حاصل کیا، تعلیم دی اور اس پر عمل کیا اسے آسمانوں کی سلطنت میں مرد عظیم (بزرگ) سمجھا جائے گا۔

شیطان سے جہاد کے دو مراتب ہیں ایک ان شکوک و شبہات کو دور کرنا جو وہ انسان کے دل میں ڈالتا ہے اور جن سے ایمان میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ دوسرے ان ارادوں اور شہوات کو اپنے آپ سے ہٹانا جو وہ انسان کے دل میں ڈالتا ہے۔

پہلی نوع کے جہاد کے بعد یقین کامل ہوتا ہے اور دوسرے کے بعد صبر حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ

یعنی: "اور ہم نے ان میں سے امام (پیشوا) بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے ہیں جب انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے"۔

اس طرح آپ نے بتایا کہ صرف صبر اور یقین کے ذریعہ اقامت دین حاصل ہو سکتی ہے صبر، شہوات اور غلط ارادوں کو دور کرتا ہے اور یقین شکوک و شبہات کو ختم کرتا ہے۔

کفار و منافقین کے خلاف جہاد کرنے کے تین مراتب ہیں ایک ہاتھ سے اگر استطاعت ہو، بہ صورت عجز زبان سے اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو قلب سے، یہ جہاد کے تین مراتب ہیں۔ جو مر گیا اور اس نے جہاد نہیں

کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کا شوق ــــ پیدا ہوا۔ تو وہ نفاق کی ایک علامت پر مرا۔

جہاد ہجرت کے بغیر اور ہجرت جہاد و ایمان کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے

یہی تین لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار نہیں۔ اللہ نے فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ یعنی: بے شک جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

چونکہ ایمان لانا ہر آدمی پر فرض ہے اس لیے انسان پر ہر وقت دو ہجرتیں لازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید، اخلاص، انابت، توکل، خوف، امید، توبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اطاعت کی خاطر ان کی طرف ہجرت۔ آپؐ کی خبر دہی کی تصدیق اور دوسروں پر آپ کی خبر دہی کو ترجیح دینا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو، اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اسے پا لے یا عورت (مقصود) ہے جس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی طرف ہوگی۔

لہٰذا اس پر اللہ کی رضا حاصل کرنے اپنے شیطان سے (بچنے) کے لیے جہاد کرنا ہوگا۔ یہ سب فرض عین ہے۔ کوئی دوسرا اس معاملے میں کسی کی نیابت نہیں کر سکتا اور کفار و منافقین کے ساتھ جہاد میں امت کا کچھ حصہ دوسرے حصہ کی نیابت کر سکتا ہے۔ جبکہ اس طرح مقصود حاصل ہو سکے۔

اللہ کے نزدیک اکمل الخلق وہ ہے جس نے جہاد کے تمام مراتب مکمل کیے

اللہ کے ہاں مخلوقات بھی جہاد کے اختلافِ مراتب کے باعث مختلف درجات رکھتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے اعلیٰ و اکرم ہیں۔ کیونکہ آپ نے جہاد کے تمام مراتب مکمل کیے اور اللہ کی خاطر جہاد کرنے کا حق ادا کر دیا اور بعثت سے لے کر وفات تک آپ نے جہاد کیا۔

کیونکہ جب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ

فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ: یعنی اے کملی والے اُٹھ۔ پس ڈرا اور اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کر۔
چنانچہ آپ دعوت کے لیے کمربستہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر مکمل طور پر منہمک ہو گئے
اور دن رات اور پوشیدہ علانیہ ہر طرح تبلیغ کی۔ آخر جب یہ آیت نازل ہوئی۔
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ: یعنی جس کا آپ کو حکم ہوتا ہے اس کا کھلم کھلا اعلان کر دیجیے"۔
تو آپ نے علانیہ تبلیغ شروع کر دی اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کی۔ چنانچہ
آپ نے ہر چھوٹے بڑے، آزاد و غلام، مرد و عورت، سرخ و سیاہ اور جن و انس کو (اللہ تعالیٰ)
کا پیغام پہنچایا۔ پھر جونہی آپ نے اعلانیہ دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا اور انہیں اپنے (مصنوعی)
خداؤں سے الگ ہونے اور غلط رواجات کو ترک کرنے کا حکم دیا تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ پر ایمان لانے والے صحابہؓ کی ایذا دہی میں سخت ترین (اوچھے ہتھیار پر اتر آئے اور کئی
انواع کی ایذائیں دینے لگے اور یہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ
نے فرمایا: مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ: یعنی تجھ سے صرف وہی کچھ کہا
جا رہا ہے جو تجھ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ: یعنی اس طرح
ہم نے ہر نبی کے انسانوں اور جنات میں سے دشمن بنا دیے ہیں۔
نیز فرمایا: كَذَٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ
أَوْ مَجْنُونٌ أَتَوَاصَوْا بِهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ۔ یعنی اس طرح ان سے قبل ان کے
پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے کہا کہ جادوگر ہے یا مجنون کہا انہوں نے یہی وصیت کی تھی۔ بلکہ وہ
ایک شریر قوم ہے"۔
چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے تسلی دی (اور بتایا)
کہ پہلے انبیاء میں ان کے لیے بھی اسوہ ہے۔
نیز آپ کے اتباع (صحابہؓ) کو بھی تسلی دی فرمایا: أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ
وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا
حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ
نیز فرمایا: الم أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ

الکاذبین ام حسب الذین یعملون السیئات ان یسبقونا ساء ما یحکمون من کان یرجو لقاء اللہ فان اجل اللہ لآت وھو السمیع العلیم ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العالمین والذین آمنوا وعملوا الصالحات لنکفرن عنھم سیئاتھم ولنجزینھم احسن الذی کانوا یعملون ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا وان جاھداک لتشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون والذین آمنوا وعملوا الصالحات لندخلنھم فی الصالحین ومن الناس من یقول آمنا باللہ فاذا اوذی فی اللہ جعل فتنۃ الناس کعذاب اللہ ولئن جاء نصر من ربک لیقولن انا کنا معکم او لیس اللہ باعلم بما فی صدور العالمین۔

۱؎ یعنی: کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے۔ حالانکہ تم پر نہیں گزرے حالات ان لوگوں کے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، کب آئے گی اللہ کی مدد، سن رکھو، اللہ کی مدد قریب ہے۔

۲؎ کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم یقین لائے اور ان کو نہ جانچ لیں گے؟ اور ہم نے ان کو جانچا ہے جو ان سے پہلے تھے۔ سو البتہ اللہ معلوم کرے گا جو سچے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو۔ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ برائیاں کرتے ہیں کہ ہم سے بچ جائیں۔ بری بات طے کرتے ہیں جو کوئی اللہ کی ملاقات کی توقع رکھتا ہے سو اللہ کا وعدہ آ رہا ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے اور جو کوئی محنت اٹھائے سو اٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے۔ اللہ کو جہان والوں کی پروا نہیں اور جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام ہم ان پر سے ان کی برائیاں اتار دیں گے اور ان کو بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے کاموں کا۔ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کے ساتھ رہنے کی تاکید کر دی اور اگر وہ تجھ سے زور کریں کہ تو میرا شریک کرے جس کی تجھے خبر نہیں تو ان کا کہا مت مان۔ مجھی تک پھر آنا ہے تم کو سو میں بتلاؤں گا تم کو جو تم کرتے تھے اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کیے ہم ان کو نیک لوگوں میں

میں داخل کر دیں گے اور ایک وہ لوگ ہیں کہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر یقین لائے۔
پھر جب ان کو اللہ کی راہ میں ایذا پہنچے تو لوگوں کے ستانے کو اللہ کے عذاب کے برابر کرنے لگے اور اگر تیرے رب کی طرف سے مدد آ پہنچے تو کہنے لگیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ کیا یہ نہیں کہ اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ سینوں میں ہے جہان والوں کے۔"

انسان کو چاہیے کہ ان آیات کا سیاق اور ان میں بیان کردہ حکم اور عبرتوں کے خزینے دیکھے کیونکہ جب انسانوں کی طرف انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا تو دو باتیں کھل کر سامنے آ گئیں۔ ایک یہ کہ کسی نے کہا ہم ایمان لائے اور کسی نے کہا نہیں لائے : بلکہ وہ کفر اور بدی پر جم گئے۔ اب جس نے آمنا کہا (کہ ہم ایمان لائے) پروردگار نے اس کا امتحان لیا، اس کی آزمائش کی اور کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنے کے لیے اسے فتن میں مبتلا کر دیا اور جس نے کفر و انکار کیا وہ یہ نہ سمجھ لے کہ وہ اللہ کو عاجز کر دے گا اور اس پر سبقت لے جائے گا، کیونکہ تمام امور اسی کے سامنے پلٹے جاتے ہیں۔

وکیف یعن المرء عنه مذنبه

اذا کان یطوی فی یدیه المراحل : یعنی، اور انسان اپنے گناہوں کو لے کر اس سے کیسے فرار ہو سکتا ہے۔
جبکہ اس کے سامنے سفر لپٹا جا رہا ہے۔

اور امام شافعیؒ سے دریافت کیا گیا کہ انسان کے لیے کیا بات بہتر ہے وہ سطوت حاصل کرے یا مبتلاء رہے؟
آپؒ نے فرمایا: تب تک اسے تسلط حاصل نہ ہو گا جب تک کہ اس کا امتحان (ابتلاء) نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے اولی العزم پیغمبروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ابتلاء میں ڈالا۔ آخر جب انہوں نے صبر کیا تو انہیں سطوت حاصل ہوئی۔ اس لیے کوئی بھی یہ خیال نہ کرے کہ وہ دکھوں سے ضرور ہی محفوظ رہے گا اور مصائب و آلام میں مبتلاء لوگوں کی عقول میں بھی تفاوت ہے سب سے بڑا عقلمند وہ ہے جس نے تھوڑے سے ختم ہو جانے والے دکھ کے عوض طویل ترین اور دائمی دکھ کو بیچ دیا اور سب سے بڑا بدبخت وہ ہے کہ جس نے طویل ترین اور دائمی دکھ مول لے کر

تھوڑا سا ختم ہو جانے والا دکھ بیچ دیا۔

الغرض اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگوں کا ضرور امتحان لیتا اور انہیں مبتلائے (مصائب و آلام) کرتا تاکہ امتحان کے ذریعہ پاک اور ناپاک قابلِ محبت و اکرام اور نا قابلِ (کفار و مشرکین) کا امتیاز ہو جائے اور قابلِ اصلاح نفوس کو امتحان کے ذریعہ پاکیزہ کر دیا جائے جیسے سونا (اگرم کرنے) کے ابتلاء کے بغیر صاف و شفاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ "نفس" اصل کے لحاظ سے جاہل اور ظالم ہے اور ظلم و جہالت کے باعث اسے اس بات کی ضرورت ہوتی کہ اسے پگھلا یا جائے اور اس کی صفائی کی جائے اگر اس گھر سے (صفائی و طہارت کے ساتھ) نکلا تو ٹھیک ورنہ جہنم کی بھٹی میں (جانا پڑے گا) اس لیے جب بندہ مہذب ہو گیا اور پاکیزہ اخلاق ہو گیا تو اسے جنت میں داخلہ کی اجازت مل جائے گی۔

دعوتِ اسلام

کفار کی ایذارسانیاں، مسلمانوں کا استقلال، ہجرت کا حکم

سب سے پہلے کون اسلام لایا؟ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف دعوت دی۔ تو ہر قبیلہ میں سے اللہ کے بندوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہی۔ چنانچہ صدیق الامت اور اسلام لانے میں پہل کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ کے دین (پھیلانے میں) آپؐ سے تعاون کیا، چنانچہ آپؐ نے ان کی رفاقت وصحبت میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا۔ یہی ابوبکرؓ ہیں جن کی مستعدی کے باعث عثمان بن عفانؓ و طلحہ بن عبیدؓ اللہ اور سعد بن ابی وقاصؓ نے اسلام قبول کیا۔

نیز صدیقۃ النساء حضرت خدیجہ بنت خویلد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کی اور صدیقانہ صفات کی حامل ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے (حضرت خدیجہؓ) نے عرض کیا۔ آپؐ خوش ہو جیئے۔ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی بھی رسوا نہ کرے گا۔ یہی فراستِ کاملہ تھی جس کے باعث آپؐ اس بات کی مستحق ہوئیں کہ ان کا پروردگار انہیں اپنے رسول جبریل علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سلام ارسال فرماتا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ نے آٹھ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا ایک قول میں آپؓ کی عمر زیادہ مروی ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں تھے۔ انہیں آپؐ نے اپنے چچا سے تربیت کرنے کے لیے لیا تھا۔

حضرت زید بن حارثہ کا واقعہ نیز حضرت زید بن حارثہ نے بھی اسلام قبول کیا۔ یہ حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب

خدیجہ سے نکاح کیا تو انہوں نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہبہ کے طور پر پیش کر دیا۔ ان (زیدؓ بن حارثہ) کے والد اور چچا فدیہ دینے حاضر ہوئے۔ ان دونوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلوم کیا۔ پتہ چلا کہ آپؐ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ دونوں وہاں آئے اور عرض کیا: اے عبدالمطلب کے بیٹے، اے ابنِ ہاشم، اے سردارِ قوم کے بیٹے، آپ اللہ کے حرم کے محافظ اور اُس کے پڑوسی ہیں آپ مسکین کی مدد کرتے اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ہم آپؐ کے پاس اپنے بیٹے کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، جو آپؐ کے پاس ہے ہم پر احسان کیجیے اور اس کا فدیہ قبول کر کے ہم پر کرم کیجیے۔

آپؐ نے دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا "زید بن حارثہ"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک اور کام کیوں نہ کر لیا جائے؟ انہوں نے عرض کیا، وہ کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا، زید کو بلاؤ۔ میں اسے اختیار دیتا ہوں اگر وہ تمہیں منتخب کر لے تو تمہارا ہے اور اگر مجھے منتخب کرے تو اللہ کی قسم میں اس آدمی کے ساتھ نہیں جو اس اختیار سے اختلاف رکھتا ہو۔

ان دونوں نے عرض کیا آپؐ نے انصاف کیا اور بہت ہی خوب فرمایا: چنانچہ انہیں بلایا گیا آپؐ نے فرمایا کیا تم ان کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔

فرمایا یہ کون ہیں؟ عرض کیا یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔

فرمایا: اور میں کون ہوں؟ یہ بھی تمہیں معلوم ہے اور تم نے میری صحبت بھی دیکھ لی اس لیے اب یا مجھے انتخاب کر لو یا ان دونوں کو منتخب کر لو۔

(حضرت زید بن حارثہ) نے عرض کیا، میں کبھی بھی آپؐ کے علاوہ کسی اور کو منتخب نہیں کروں گا۔ آپؐ میرے نزدیک باپ اور ماں کے مقام پر ہیں۔

وہ دونوں کہنے لگے، اے زیدؓ تعجب ہے تو آزادی اور اپنے والد اور چچا کے مقابلہ میں غلامی قبول کرتا ہے؟

حضرت زیدؓ نے فرمایا: کہ ہاں! میں نے اس ہستی میں، ایسی بات دیکھی ہے کہ جس کے باعث میں اس کے سوا کبھی بھی کسی دوسرے کو منتخب نہیں کر سکتا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ نے یہ معاملہ دیکھا تو انہیں دامن میں لے لیا اور فرمایا کہ میں

نہیں گواہ بناتا ہوں کہ زید میرا بیٹا ہے یہ میرا وارث ہو گا اور میں اس کا وارث ہوں گا جب ان کے والد اور چچا نے (خوش کن) منظر دیکھا تو دونوں بہت خوش ہوئے اور واپس چلے گئے۔

غلط نسب کا اختیار کرنا جائز نہیں

اور حضرت زیدؓ زید بن محمدؐ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اسلام نازل فرمایا اور حکم دیا کہ لوگوں کو اپنے والدین کے نام سے یاد کرو۔ چنانچہ اس کے بعد انہیں زیدؓ بن حارثہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

جامع معمرؒ میں زہریؒ سے روایت ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ زیدؓ بن حارثہ سے پہلے کوئی مسلمان ہوا ہو۔ یہی وہ صحابی ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں خبر دی کہ ان پر اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے انعام کیا اور ان کا نام لے کر ذکر کیا۔

ورقہ بن نوفل کا قبولِ اسلام

اور ورقہ بن نوفل بھی اسلام لائے اور تمنا کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نکال دیں گے۔ کاش اس دن میں نوجوان ہوتا اور جامع ترمذیؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب کے اندر اچھی حالت میں دیکھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے انہیں سفید لباس میں دیکھا۔

آخر لوگ ایک ایک کر کے دین میں داخل ہونے لگے اور قریش نے اس کی مخالفت نہ کی۔ آخر جب آپؐ نے ان کے بناوٹی خداؤں کا پردہ چاک کیا کہ یہ نفع و نقصان کے مالک نہیں تو یہ لوگ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے چچا ابوطالب کے ذریعہ حفاظت فرمائی جو قریش کے ایک شریف سردار تھے۔ ان کے باعث تکلیف دینے کی جرأت نہ کرتے تھے اور احکم الحاکمین کی یہ حکمت تھی کہ انہیں اپنی قوم کے دین پر قائم رکھے۔ کیونکہ اس میں سمجھ داروں کی نگاہوں میں خاص قسم کے مصالح تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی حالت یہ تھی کہ جو صاحب خاندان ہوتا۔ وہ خاندان کے باعث مشرکوں کی ایذاؤں سے محفوظ رہتا ورنہ نہیں چنانچہ بہت سے صحابہؓ کو مشرکین مکہ سے مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ جن میں عمار بن یاسر، ان کی والدہؓ اور ان کے گھر والے ہیں جنہیں اللہ کی راہ میں ایذائیں دی گئیں جب انہیں ایذائیں دی جا رہی ہوتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے تو فرماتے

اے آلِ یاسر صبر کرو، کیونکہ تم سے جنت کا وعدہ ہے۔

حضرت بلالؓ کی استقامت

ان میں حضرت بلالؓ بن رباح بھی تھے۔ انہیں اللہ کے راستے میں سخت ترین ایذائیں دی گئیں۔ چنانچہ اللہ کی خاطر ان کی اور ان کی قوم کی سخت اہانت کی گئی اور جوں جوں ایذا دہی میں شدت ہوتی ان کے مُنہ سے احد، احد۔ (ایک خدا ایک خدا) نکلتا۔ چنانچہ ورقہ بن نوفل وہاں سے گزرتے اور کہتے، ہاں اللہ کی قسم اے بلالؓ ایک ہی (خدا) ہے، ایک ہی (خدا ہے) ہے۔ اللہ کی قسم!

اور جب مسلمانوں کے خلاف کفار کی ایذائیں سخت تر ہو گئیں اور انہیں طرح طرح کے دکھ دیے جانے لگے تاکہ مجبور اور بے بس ہو کر لات اور عزیٰ کی پوجا شروع کر دیں۔ چنانچہ اللہ کا دشمن ابو جہل، عمارؓ بن یاسر کی والدہ حضرت سمیہؓ کے پاس سے گزرا، انہیں ان کے خاوند اور بیٹے کو قبولِ اسلام کے باعث ایذا دی جا رہی تھی۔ ابو جہل نے ان کی شرمگاہ میں حربہ مار دیا جس سے ان کی شہادت ہو گئی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب کسی غلام کے پاس سے گزرتے جسے ایذا دی جا رہی ہوتی تو اسے (کفار) سے خرید لیتے اور آزاد کر دیتے۔ ان میں سے حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہ، ام عبیسؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ اور ان کی بیٹی تھی اور بنی عدی کی ایک لڑکی بھی انہیں میں شامل تھی جسے عمرؓ اسلام سے قبل ایذا دے رہے تھے۔

اس موقع پر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والد نے کہا۔ اے بیٹے! تو کمزور لوگوں کو آزاد کروا رہا ہے اگر تو کسی مضبوط جماعت کو آزاد کرتا تو کسی دن یہ لوگ تیرے کام آجاتے۔

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ جو کچھ میں چاہتا ہوں، وہی چاہتا ہوں۔

پہلی ہجرت۔ حبشہ کی طرف

اور جب ایذائیں شدید صورت اختیار کر گئیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے پہلی بار حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ پہلے مہاجرین میں سے عثمانؓ بن عفان، ان کی بیوی حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ پہلی بار بارہ۱۲ مردوں اور چار۴ عورتوں نے ہجرت کی۔ جن کے اسمائے مبارک یہ ہیں۔

عثمانؓ، ان کی زوجہ محترمہؓ، ابو حذیفہؓ، ان کی بیوی سہلہؓ بنت سہیل، ابو سلمہؓ اور ان کی بیوی (ام سلمہؓ) زبیرؓ، عبد الرحمٰنؓ بن عوف، عثمان بن مظعون، عامرؓ بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰؓ بنت ابی حشمہ، ابو سبرہؓ بن ابی رہم، حاطبؓ بن عمرو سہیل بن وہب

اور عبداللہ بن مسعودؓ۔

یہ لوگ چھپ کر مسلح حالت میں نکلے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا کہ ان کے ساحل پر پہنچتے ہی تجار کی دو کشتیاں تیار تھیں، جن میں یہ سوار ہو کر حبشہ کی زمین کو روانہ ہو گئے۔ ان لوگوں نے بعثت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں ہجرت کی۔ قریش بھی ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ ساحل تک آئے لیکن ان میں سے کسی کو نہ پکڑ سکے۔ پھر ان مہاجرین کو معلوم ہوا کہ قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ اس لیے پھر لوٹ آئے۔ جب یہ لوگ مکہ سے صرف ایک دن کے فاصلے پر تھے تو خبر ملی کہ قریش تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے سے زیادہ شدید مخالفت کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض پناہ لے کر مکہ میں داخل ہو گئے جن میں حضرت ابن مسعود بھی تھے۔ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپؐ اس وقت نماز میں مصروف تھے، انہوں نے آپ کو سلام کیا آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ ابن مسعودؓ کو اس بات سے سخت (غم) لاحق ہوا۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں کلام مت کیا کرو۔

حبشہ کی طرف دوبارہ ہجرت کے حکم

حبشہ سے جو مہاجر واپس ہوئے ان پر اور ان کے خاندان پر قریش کے مظالم پہلے سے شدید تر ہو گئے اور ان لوگوں کو ان سے سخت زحمتیں اٹھانی پڑیں آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔

دوسری مرتبہ ان لوگوں کا ہجرت کرنا قریش پر شاق گزرا۔ چنانچہ مہاجرین کو سخت ایذاؤں اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑا اور وہ زیادہ سے زیادہ ہدفِ ستم بنائے جانے لگے۔ خصوصاً جب قریش کو نجاشی کے حسنِ سلوک کی خبر ملی۔

دوسری مرتبہ جن لوگوں نے ہجرت کی ان کی تعداد تراسی ۸۳ مردوں پر مشتمل تھی۔ بشرطیکہ عمار بن یاسرؓ بھی ان میں شامل ہوں۔ ابن اسحٰقؒ نے فرمایا کہ (راوی) کو ان کے متعلق شک ہے۔

اس قافلۂ مہاجرین میں انیس عورتیں شامل تھیں۔

شاہ حبشہ کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ

مہاجرین نجاشی کی سلطنت میں اطمینان سے رہنے لگے۔ جب قریش کو اس کا علم ہوا

تو انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص کو تحائف اور ہدایا دے کر نجاشی کی طرف بھیجا تاکہ وہ انہیں واپس کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس کی فوج کے اعلیٰ افسران نے بھی سفارش کی تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے یہ سفاکانہ مطالبہ قبول نہ کیا۔ آخر انہوں نے اُسے یہ کہہ کر بھڑکانا چاہا کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سخت (گستاخی کی) بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے تھے۔ چنانچہ اس نے مہاجرین کو دربار میں بلایا۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اس جماعت کے رہنما تھے۔ جب ان لوگوں نے داخل ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت جعفرؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی جماعت تجھ سے (داخلہ) کی اجازت چاہتی ہے۔ اس نے دربان سے کہا ان سے کہو کہ یہ لوگ اپنی درخواست پھر دہرائیں۔ انہوں نے دوبارہ اس طرح کہا۔ پھر جب یہ جماعت اس کے (دربار) میں داخل ہوئی تو اس نے دریافت کیا آپ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

حضرت جعفرؓ نے کٓھٰیٰعٓصٓ کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہنے لگا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس سے ایک تنکا بھی زیادہ نہ تھے اس کے پادری چیخے۔

وہ کہنے لگا تم لاکھ چیخو!

مسلمانوں سے نجاشی نے کہا: جاؤ تم میری سلطنت میں مامون ہو، جو تمہیں ایذا دے گا اس کو سزا دی جائے گی۔ پھر وہ (قریش) کے دونوں قاصدوں سے کہنے لگا کہ اگر تم مجھے سونے کا گر جا بلکہ پہاڑ بھی دے دو پھر بھی میں مسلمانوں کو تمہارے حوالے نہ کروں گا۔ اس کے بعد اُس نے سرداران قریش کے تحائف لوٹا دینے کا حکم دیا۔ آخر یہ لوگ رسوا ہو کر واپس آئے۔

عمِ رسولؐ حضرت حمزہؓ کا قبولِ اسلام

حضرت حمزہؓ اس واقعہ کے بعد مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد ایک بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا اور رفتہ رفتہ اسلام پھیلنا شروع ہو گیا جب قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو ترقی پذیر دیکھا اور محسوس کیا کہ یہ معاملہ بڑھ رہا ہے تو وہ جمع ہوئے تاکہ بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب اور بنی عبدالمناف کے خلاف ایک معاہدہ کریں کہ نہ اُن کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے نہ نکاح کریں گے، نہ ان سے کلام کریں گے اور نہ اُن کی مجالس میں بیٹھیں گے، جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے حوالے نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا اور اسے

کعبہ کی چھت پر لٹکا دیا۔ کہتے ہیں کہ منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم نے یہ عہد نامہ لکھا تھا ایک قول نضر بن حارث کے متعلق بھی ہے، لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ آدمی بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بد دعا دی، چنانچہ اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔

پھر بنو ہاشم اور بنو مطلب میں سے بعض اہلِ ایمان اور بعض اہلِ کفر سے مل گئے سوائے ابولہب کے۔ کیونکہ اس نے قریش کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم، بنی مطلب اور بنی ہاشم کے خلاف اکسایا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کو شعبِ ابی طالب میں محبوس کر دیا گیا۔ (یہ واقعہ) بعثت کے ساتویں سال محرم کی رات کو پیش آیا اور کعبہ کی چھت پر وہ عہد نامہ لٹکا دیا گیا۔

یہ لوگ تین سال تک اس جگہ محصور و نظر بند رہے۔ ان کو تمام ضروریاتِ زندگی مہیا کرنی بند کر دی گئیں۔ یہاں تک کہ انہیں سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور شعب (گھاٹی) کے پیچھے سے ان کے بچوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس موقع پر ابوطالب نے اپنا مشہور قصیدہ لامیہ لکھا۔

اور اس واقعہ پر بعض قریش راضی تھے اور بعض ناپسند کرتے تھے جو ناپسند کرتے تھے انہوں نے عہد نامہ کو ختم کرنے کی کوشش بھی کی چنانچہ ہشام بن عمرو اس سلسلہ میں مطعم بن عدی اور قریش کی ایک جماعت کے پاس گیا۔ انہوں نے بھی اس کی تائید کی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عہد نامہ کے متعلق آگاہ فرما دیا کہ اس پر (اللہ تعالیٰ) نے دیمک بھیجی جس نے ظلم، قطع تعلق اور ستم رسانی کی باتیں چاٹ ڈالیں اور صرف اللہ کا نامِ مبارک باقی رہنے دیا۔ آپؐ نے اپنے چچا کو اس کی خبر دی، وہ قریش کی طرف نکلے اور انہیں بتایا کہ ان کے بھتیجےؐ نے اس اس طرح کہا ہے اگر وہ جھوٹا نکلا تو ہم اس کے اور تمہارے درمیان سے ہٹ جائیں گے اور اگر وہ سچا ہوا تو تم مقاطعت اور ظلم سے باز آجاؤ۔ انہوں نے جواب دیا تو نے انصاف کی بات کہی۔

چنانچہ انہوں نے عہد نامہ کو اتارا اور جب دیکھا تو جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا ویسا ہی معاملہ نکلا اس پر وہ پہلے سے زیادہ کفر پر اتر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی (حسبِ عہد) شعب ابی طالب سے نکل آئے۔

ابوطالبؓ اور خدیجہؓ کا انتقال ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ بعثت کے دسویں

سال وقوع پذیر ہوا اور اس کے چھ ماہ بعد ابو طالب نے وفات پائی۔ اور اس کے تین دن بعد ام المومنین حضرت خدیجہؓ رضی اللہ عنہا بھی انتقال فرما گئیں۔ عہد نامہ کے ختم ہونے کے فوراً بعد ابو طالب کی وفات اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی رحلت کے صدمات آپ کو سہنے پڑے اور قوم کے پست اور ذلیل طبقہ کے لوگوں سے سخت ترین ایذائیں پہنچنے لگیں۔

طائف کا سفر

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف تشریف لے گئے کہ (شاید وہ اسلام لے آئیں) اور قوم کے مقابلہ میں آپ کے ساتھ تعاون و حمایت کا مظاہرہ کریں۔ آپ نے انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف بلایا لیکن ان میں سے کسی کو بھی اس طرح مائل یا حامی نہ دیکھا بلکہ انہوں نے آپ کو سخت ترین ایذا دی اور آپ کو اپنی قوم سے بھی زیادہ خوفناک تکالیف اور زحمتیں اٹھانی پڑیں۔ آپ کے غلام زیدؓ بن حارثہ آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ وہاں دس روز ٹھہرے آپ وہاں کے سردار کے پاس تشریف لے گئے اور (اسلام) کے متعلق گفتگو فرمائی لیکن وہ کہنے لگے کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ اور غنڈوں کو آپ کے خلاف اکسایا۔ نیز اجرت پر بعض لوگوں کو حاصل کیا۔ وہ آپ کو پتھروں سے مارنے لگے یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک لہو لہان ہو گئے۔ زیدؓ بن حارثہ آپ کو بچاتے رہے۔ آخر ان کے سر پر بھی زخم آ گیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے غمزدہ حالت میں واپس تشریف لے آئے راستہ میں آپ نے طائف کے متعلق مشہور دعا فرمائی۔ دعا یہ تھی: اے اللہ میں اپنی ضعفِ قوت اور کمی حیلہ اور لوگوں میں ناتوانی کی تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! تو ہی ضعیفوں کا پروردگار ہے اور تو ہی میرا رب ہے، مجھے کس کے سپرد کرتا ہے۔ اس دور کی طرف جو مجھ سے ترش روئی کرتا ہے یا ایسے دشمن کی طرف جس کا تو مالک ہے اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ ہاں بس تیری (عطا کردہ) عافیت ہی میرے لیے وسیع ہے میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ مانگتا ہوں جس کے صدقے اندھیرے اجالے بن گئے اور دنیا و آخرت کے امور اسی کے طفیل درست ہوئے۔ اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب آئے۔ یا مجھ پر تیری ناراضی ہو۔ میرا چلنا صرف تیرے لیے ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور تیرے سوا نہ توفیق ہے اور نہ قوت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا کہ آپ فرمائیں تو اہلِ مکہ پر پہاڑ گرا دیں۔

اور یہ دونوں ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے درمیان ہیں۔

آپؐ نے جواب دیا میں پُرامید ہوں شاید ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اس (اللہ) کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کریں۔ واپسی پر جب آپ ایک کھجور کے پاس سے اترے تو رات کی نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے اور جنات کی ایک چھوٹی سی جماعت آپؐ کی طرف آئی۔ انہوں نے آپؐ کی تلاوت سنی مگر آپؐ کو پتہ نہ چلا۔ یہاں تک کہ آپؐ سے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ۝ قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَمَن لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءُ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

یعنی: اور جس وقت ہم نے آپ کی طرف کتنے لوگ جنوں میں سے متوجہ کر دیے وہ قرآن سننے لگے، پھر جب وہاں پہنچ گئے، بولے چپ رہو، پھر جب ختم ہوا اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے الٹے پھرے۔ بولے اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد اُتری ہے سب اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی حق اور سیدھے راہ کی ہدایت کرتی ہے۔ اے ہماری قوم اللہ کے بلانے والے کو مانو اور اس پر یقین لاؤ کہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تم کو دردناک عذاب سے بچائے۔ اور جو اللہ کے بلانے والے کو نہ مانے گا تو وہ زمین میں بھاگ کر اللہ کو نہ تھکا سکے گا اور اس کا اُس کے سوا کوئی مددگار نہیں وہ لوگ صریح بھٹکتے ہیں۔

طائف سے مکہ میں آپؐ کی واپسی

اور وادی نخلہ میں آپؐ چند دن ٹھہرے۔ زیدؓ بن حارثہ نے عرض کیا۔ قریش نے آپ کو نکال دیا ہے اب آپؐ (مکہ) میں کیسے داخل ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا: اے زیدؓ جیسے تم دیکھ رہے ہو اللہ تعالیٰ نکلنے اور کامیابی کی کوئی راہ نکال دے گا۔ وہی اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی

کو غلبہ دینے والا ہے، پھر آپ مکہ پہنچ گئے۔ چنانچہ آپ نے بنی خزاعہ کا ایک آدمی مطعم بن عدی کی طرف بھیجا کہ کیا میں تمہارے جوار میں داخل ہو جاؤں؟

اس نے جواب دیا ہاں! اور اپنے قوم اور بیٹوں کو بلا کر کہا کہ ہتھیار پہن لو اور خانہ کعبہ کے ارکان کے پاس کھڑے ہو جاؤ، کیونکہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ کے ہمراہ داخل ہوئے اور مسجد حرام تک پہنچ گئے۔

اب مطعم بن عدی اپنی سواری پر کھڑا ہو گیا اور آواز دی، اے قریش کی جماعت! میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے اس لیے تم میں سے کوئی ان کی اہانت نہ کرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکن تک تشریف لے گئے اور استلام کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر گھر تشریف لے آئے اور گھر میں داخل ہونے تک مطعم بن عدی کے لڑکے ہتھیار سے مسلح آپ کے ساتھ رہے۔

معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پھر مسجد حرام سے لے کر بیت المقدس تک براق پر سوار ہو کر حضرت جبریل علیہ السلام کی رفاقت میں آپ کو جسمانی سیر کرائی گئی۔ آپ وہاں اترے اور تمام انبیاء علیہم السلام کو امام بن کر نماز پڑھائی اور مسجد اقصٰی کے دروازے پر براق کو باندھ دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ بیت لحم میں اترے اور وہاں نماز پڑھی لیکن یہ قول درست نہیں۔ پھر اسی رات بیت المقدس سے آسمانِ دنیا کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے لیے اجازت چاہی، دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں آپ نے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا انہیں سلام کیا، انہوں نے مرحبا کہا اور سلام کا جواب دیا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا اور اپنی دائیں جانب سعید ارواح اور بائیں جانب شقی ارواح کا (منظر) دکھایا۔

پھر آپ (جبریلؑ) کے ہمراہ دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے اور انہوں نے آپ کے لیے دروازہ کھلوایا وہاں آپ نے یحییٰ بن ذکریا اور عیسٰی بن مریم علیہم السلام کو دیکھا، ان سے ملاقات فرمائی اور انہیں سلام کیا انہوں نے بھی جواب دیا اور مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپ تیسرے آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ

چوتھے آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا۔ انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ پانچویں آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں ہارون بن عمران علیہ السلام کو دیکھا ان سے علیک سلیک ہوئی انہوں نے بھی مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا، پھر آپ چھٹے آسمان پر تشریف لے گئے اور وہاں موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے انہیں سلام کہا اور انہوں نے (سلام کا جواب دے کر) مرحبا کہا۔ اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

جب آپ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ ——— کیوں رو دیے؟ وہ فرمانے لگے کہ میں اس لیے رویا ہوں کہ میرے بعد ایک جوان کو نبی بنایا گیا اور اس کی امت میری امت سے بہت زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوگی۔

اس کے بعد آپ ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ نے انہیں سلام کیا (انہوں نے جواب دے کر مرحبا کہا۔ اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ اس کے بعد بیت معمور تک پہنچایا گیا اور اس کے بعد آپ کو اللہ جل جلالہ کے دربار اعلیٰ میں لے جایا گیا۔ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کے قریب ہو گئے حتیٰ کہ دو کمان یا اس سے بھی کم فرق رہ گیا۔ پھر اللہ نے آپ کو حکم بھیجا جو چاہا اور آپ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ چنانچہ آپ لوٹے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے انہوں نے دریافت کیا کہ کیا حکم ہوا؟ آپ نے فرمایا پچاس نمازوں کا، وہ کہنے لگے کہ آپ کی امت کو اس کی استطاعت نہ ہوگی۔ آپ اپنے پروردگار کے پاس واپس جائیے اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کیجیے۔ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف التفات فرمایا گویا ان سے مشورہ چاہتے ہوں۔ انہوں نے بھی اشارہ کیا کہ ہاں اگر آپ کی خواہش ہو۔ آخر آپ جبریل علیہ السلام کے ساتھ دوبارہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوئے اور وہ وہیں تھا۔ بعض طرق میں یہ بخاریؒ کے الفاظ ہیں (اللہ) نے دس نمازیں معاف فرما دیں۔ پھر آپ اترے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور انہیں خبر دی۔ انہوں نے فرمایا کہ اپنے پروردگار کے حضور پھر جائیے اور تخفیف کی درخواست کیجیے۔ اس طرح آپ موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان آتے جاتے رہے۔ یہاں تک

کہ پانچ نمازیں رہ گئیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب بھی واپس جانے اور تخفیف کی درخواست کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے بلکہ (اب) تو میں راضی ہو گیا اور تسلیم کر لیا۔ جب آپؐ چلے تو ندا کرنے والے نے ندا کی اور کہا کہ میں نے اپنا فریضہ انجام دے لیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔

صحابہؓ کا اختلاف رائے

صحابہ کا اس میں اختلاف ہے کہ آپؐ نے اس شب کو پروردگار کی زیارت کی یا نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا۔ ایک قول یہ بھی ان سے منقول ہے کہ قلب سے دیکھا۔

حضرت عائشہؓ اور ابن مسعودؓ کا انکار بھی ثابت ہے۔ ان دونوں نے فرمایا ہے کہ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپؐ نے رب تعالیٰ کو دیکھا تو آپؐ نے فرمایا، میں نے ایک نور دیکھا ہے۔ یعنی میرے اور اس کی رویت کے درمیان ایک نور حائل ہو گیا۔ جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کہ میں نے نور دیکھا اور عثمان بن سعید داری نے عدم رویت پر صحابہؓ کا اتفاق نقل کیا ہے۔

ؔ میرے نزدیک تخفیف نماز کی یہ روایت اگرچہ بخاری کی روایت کردہ ہے مگر محل نظر ہے۔ درحقیقت یہ روایت ان اسرائیلیات میں سے ہے جو کسی نہ کسی طرح اسلامی اخبار و روایات میں داخل ہو گئی ہیں

اس روایت کا ماحصل کیا ہے؟

یہ کہ حضرت موسیٰؑ آنحضرتؐ سے زیادہ دور اندیش تھے، آپؐ فخر رسل اور خاتم الانبیا ہونے کے باوجود ان کی رائے کے مطابق باربار خدا کے پاس تخفیف نماز کی استدعا لے کر حاضر ہوئے۔ یہ بات مزاج نبوتؐ کے یکسر منافی ہے۔

آپؐ کے شوق عبادت کا یہ عالم تھا کہ عبادت کرتے کرتے پائے مبارک متورم ہو جاتے لوگ کہتے آپؐ تو معصوم ہیں آپؐ کیوں یہ تکلیف اٹھاتے؟ آپؐ جواب دیتے:۔

"کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

ایسا نبیؐ خدا کے پاس تخفیف نماز کی استدعا لے کر جا سکتا تھا؟ کلّا ثم کلّا۔ (رئیس احمد جعفری)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ ابن عباسؓ کا قول کہ آپ نے (رب تعالیٰ) کو دیکھا اور آپ نے قلب سے دیکھا" آپس میں متضاد نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار تبارک و تعالیٰ کو دیکھا لیکن یہ واقعہ شب اسرا کا نہیں بلکہ یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا جبکہ آپ کی صبح کی نماز قضا ہو گئی۔ پھر آپ نے رب تعالیٰ کی خواب میں زیارت کی خبر دی۔ اسی بناء پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الحقیقت دیکھا اور رویت انبیاء حق ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ نے دو آنکھوں سے بیداری میں دیکھا اور جس نے ان سے ایسا قول نقل کیا ہے۔ اسے غلط فہمی ہوئی چونکہ امام احمدؒ نے ایک بار فرمایا: کہ آپ نے دیکھا ایک بار فرمایا کہ آپ نے روحانی طور پر دیکھا تو اس لیے ان سے دونوں قول منقول ہو گئے۔ (امام احمدؒ) سے ایک تیسرا قول بھی منقول ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھا" لیکن یہ ان کے بعض اصحاب کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ امام احمد کی نصوص موجود ہیں لیکن ان میں یہ قول نہیں ملتا۔

خبر معراج کا کفار پر ردِ عمل

جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو خبر دی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو یہ عظیم آیات دکھائیں۔ انہوں نے سختی سے تکذیب کی اور انتہائی شدت سے ایذا دہی اور ضرر رسانی پر اتر آئے اور آپ سے مطالبہ کرنے لگے کہ بیت المقدس کا حلیہ بیان کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (بیت المقدس) کو آپ کے سامنے ظاہر کر دیا کہ آپ نے اسے دیکھا اور اس کی تمام علامت بتانی شروع کیں اور وہ لوگ کسی بھی بات کو رد نہ کر سکے نیز ان کے سامنے راستہ میں اور واپسی پر ایک قافلے کا ذکر بھی کیا اور اس قافلے کے پہنچنے کا وقت بھی بتا دیا اور سب سے اگلے اونٹ کا پتہ بھی بتایا۔ اب معاملہ ایسا ہی تھا، جیسے آپ نے فرمایا تھا لیکن اس کے باوجود ان کی نفرت بڑھتی گئی اور ظالم لوگ انکار پر مصر رہے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ مدینہ روانگی سے ایک سال قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس اور پھر آسمان کی طرف معراج روحانی کرلیا گیا اور ابن عبد البرؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہجرت اور معراج کے درمیان ایک سال دو ماہ کا وقفہ تھا اور معراج ایک بار ہوا۔ ایک قول میں دو مرتبہ ہوا ایک بار بیداری میں اور ایک بار خواب میں۔ اس قول کے حاملین کا خیال یہ ہے کہ حدیث شریکؓ اور آپ کے فرمان: "پھر میں بیدار ہو گیا۔" اور دوسری تمام روایات کو جمع کر

سکیں۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ (اسراء) دو بار ہوا۔ وحی سے قبل ایک بار جیسے حدیث شریک رض ہی مذکور ہے اور یہ وحی سے قبل کا ذکر ہے اور ایک بار وحی کے بعد جیسا تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

بعض نے کہا کہ تین بار (یہ واقعہ پیش آیا) ایک بار وحی سے قبل اور دو بار وحی کے بعد حالانکہ یہ تمام خبط ہے اور ارباب نقل کے ظاہر پرست ضعفاء کا کارنامہ ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ قصہ (معراج) میں بعض الفاظ دوسری روایات کے سیاق کے خلاف پڑتے ہیں۔ تو انہوں نے اسے ایک مرتبہ اور ہونا قرار دے دیا۔ اس کے بعد جوں جوں اختلافِ روایات محسوس کیا (معراج) کے مزید واقعات مانتے چلے گئے اور صحیح وہی ہے کہ جس پر ائمہ حدیث متفق ہیں کہ واقعہ اسراء بعثت کے بعد اور ایک ہی بار ہوا۔

ہجرت کے متعلق جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء اور اعداء کے درمیان فرق کرنے کا سبب قرار دیا۔ اور جس سے اپنے دین کو غالب کرنے، اپنے بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی ابتداء فرمائی۔

زہری فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن صالح سے انہیں عاصم بن عمر قتادہ اور یزید بن رومان وغیرہ سے روایت ملی۔ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے ابتدائی ایام میں تین سال تک مکہ میں چھپ کر کے رہے۔ پھر چوتھے سال اعلانِ عام کیا اور لوگوں کو دس سال تک دعوتِ اسلام دی۔ حج کے موسم پر آپ حجاج کی قیام گاہوں پر تشریف لے جاتے۔ نیز عکاظ، مجنہ، ذی المجاز کے موسمی تہواروں پر بھی آپ تشریف لے جاتے اور دعوتِ اسلام دیتے اور اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتے (اور فرماتے کہ اگر تم نے قبول کر لیا) تو جنت ملے گی لیکن کوئی بھی آپ کی صدا پر لبیک نہ کہتا نہ حمایت پر تیار ہوتا۔ آخر آپ قبائل کے نام دریافت فرماتے اور ایک ایک قبیلہ کی قیام گاہ کا پتہ چلاتے اور فرماتے۔

اے لوگو! کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ (اللہ کے سوا کوئی معبود کارساز نہیں) تم عرب کے بادشاہ بن جاؤ گے اور عجم (کے لوگ) تمہارا دین اختیار کریں گے اور جب تم ایمان لاؤ گے تو جنت میں بھی سردار ہو گے۔ اور ابولہب آپ کے پیچھے پیچھے رہتا اور کہتا:

ابولہب کی ایذا رسانیاں

خبردار اس شخص کی اطاعت نہ کرنا۔ یہ صابی اور کذاب ہے

چنانچہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شدت سے انکار کر دیتے اور آپ کو ایذائیں دیتے اور کہتے کہ تیرا خاندان اور قبیلہ تجھے خوب جانتا ہے (اس لیے) انہوں نے تیری اتباع نہیں کی اور آپ انہیں اللہ کی طرف دعوت دیتے چلے جاتے اور کہتے، اے اللہ اگر تو چاہتا تو یہ ایسے نہ ہوتے۔ راوی کہتے ہیں کہ جن قبائل کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوت و تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ بنو عامر بن صعصعہ، محارب بن حفصہ، فزارہ، غسارہ، مرۃ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، بنو نکا، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ اور قبیلہ حضرمی، لیکن ان میں سے کسی نے دعوتِ اسلام قبول نہ کی۔

اہلِ مدینہ کی آپ کی طرف رغبت اور قبول اسلام

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی نصرت کے لیے بھی انتظامات کر رکھے تھے۔ اوس اور خزرج مدینہ میں دو قبائل تھے جو یہودیوں میں سے اپنے دوستوں کے ذریعے اکثر سنتے رہتے تھے کہ اس زمانہ کے اندر ایک نبی مبعوث ہوگا۔ ہم اس کا اتباع کریں گے اور عاد و ارم کی طرح تمہیں قتل کریں گے۔ اب عرب لوگوں کی طرح انصار بھی کعبہ مشرفہ کا حج کیا کرتے تھے۔ جب انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ انہوں نے آپ کے احوال کا بغور مطالعہ کیا اور بعض انصاری کہنے لگے کہ، اللہ کی قسم لوگو جانتے ہو؟ یہی وہ شخص ہیں جن کا نام لے کر مدینہ کے یہودی تمہیں دھمکایا کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم پر سبقت لے جائیں۔

سوید بن صامت اوس کا ایک آدمی تھا جو مکہ آیا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوت دی اس نے نہ انکار کیا اور نہ اقرار کیا۔ آخر انس بن رافع، ابو الحیس بن عبد الاشہل کے چند نوجوانوں کے ہمراہ حلف کے لیے آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔

ایاس بن معاذ جو ایک نوجوان تھا، کہنے لگا اے قوم، اللہ کی قسم ہم جس کام کے لیے آتے ہیں اس سے یہ (اسلام) بہتر ہے۔ ابو الحیس نے اسے جھڑک دیا وہ خاموش ہوگیا۔ پھر ان کا حلف بھی مکمل نہ ہوسکا۔ اور وہ مدینہ واپس چلے گئے۔

بیعت عقبۂ اولیٰ

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر مقام عقبہ پر انصار کے چھ آدمیوں سے ملے جو خزرج کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، جن کے نام یہ ہیں:۔

ابو امامہ اسعد بن زرارہ، عوف بن حرث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر، جابر بن

عبداللہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مدینہ واپس چلے گئے۔ وہاں انہوں نے اسلام کی دعوت دینا شروع کی اور وہاں بھی اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ کوئی گھر ایسا نہ رہا کہ جہاں اسلام داخل نہ ہوا۔ اگلے برس بارہ آدمی حاضر ہوئے۔ جابر بن عبداللہ کے علاوہ چھ پہلے تھے۔ نیز ان کے ہمراہ معاذ بن حرث بن رفاعہ جو عوف مذکورہ کا بھائی تھا اور ذکوان بن عبد القیس بھی حاضر ہوا اور ذکوان مکہ میں ہی ٹھہر گیا۔ اس نے (بعد میں) مدینہ کی طرف ہجرت کی چنانچہ ان کو مہاجر انصاری کہا جاتا ہے۔

نیز عبادہ بن صامت، یزید بن ثعلبہ، ابوالہیثم بن بنہان، عویمر بن مالک۔ یہ بارہ تھے۔ ابو زبیرؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ایام میں لوگوں کی قیام گاہوں پر تشریف لے جاتے۔ مجنہ، عکاظ وغیرہ کے تہواروں میں بھی جاتے اور فرماتے:۔

کون ہے جو مجھ پر ایمان لائے، میری حمایت و نصرت کرے حتیٰ کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دوں، اسے جنت ملے گی۔

لیکن کسی کو حامی و ناصر نہ پاتے۔ معاملہ یہاں تک آن پہنچا تھا کہ کوئی آدمی مصر یا یمن سے اپنے قرابت داروں سے ملنے آتا تو آپؐ کی قوم اس کے پاس آتی اور کہتی۔

دیکھنا، بچنا، قریش کا نوجوان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے۔ آپؐ ان لوگوں میں تشریف لے جاتے اور انہیں دین کی دعوت دیتے اور (قریش) آپؐ کی طرف انگلیوں سے اشارے کر رہے ہوتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یثرب سے لوگ بھیجے۔ ان میں سے ایک آدمی آتا اور ایمان لاتا پھر آپ اس کے سامنے قرآن پاک پڑھتے۔ وہ واپس لوٹ جاتا اور اس کے اسلام کے باعث اس کے گھر والے بھی مسلمان ہو جاتے حتیٰ کہ انصار کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جہاں مسلمانوں کی ایک جماعت نہ پائی جاتی ہو۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپؐ کی طرف بھیجا۔ ہم جمع ہوئے اور عقبہ کے مقام پر ہم نے بیعت کی۔ آپ کے چچا حضرت عباس نے کہا۔

اے میرے بھتیجے! میں اس قوم کو کچھ (قوی) نہیں سمجھتا جو تیرے پاس آتے ہیں۔ میں اہل یثرب کو خوب جانتا ہوں۔ پھر ایک دو آدمی آپ کے پاس حاضر ہوئے حضرت عباس ان کے چہروں پر غور سے دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم اس قوم کو نہیں جانتے یہ نئے ہیں۔

ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم کس بات پر آپؐ کی بیعت کریں؟
آپؐ نے فرمایا ہر حالت میں سننے اور اطاعت کی۔ خوشی اور سستی میں، تنگی و فراخی میں اللہ کے لیے خرچ کرنے پر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر اور اس بات پر کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور ملامت سے نہ ڈرو اور اس پر کہ جب میں وہاں آجاؤں تو میری نصرت کرو اور جس سے تم اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اولاد کو بچاتے ہو۔ اسے مجھ سے بھی ہٹاؤ پھر تمہارے لیے جنت ہے۔

اسعد بن زرارہ کا انتباہ

ہم بیعت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اسعد بن زرارہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا، اے اہل یثرب ٹھہرو، ہم اُن کی طرف اونٹوں پر بار بار نہیں آئے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ اللہ کا رسول ہے اور آج اس کا نکالنا تمام عرب کی مفارقت تمہارے بڑوں بڑوں کے قتل اور تمہارے ساتھ تلواروں سے جنگ کے برابر ہے۔ اب اگر تم اس بات پر استقلال (صبر) دکھا سکتے ہو۔ تو بیعت کر لو اور تمہارا اجر اللہ کے ہاں ہو گا۔ اور اگر تمہیں اپنے آپ کا ڈر ہے تو بے شک اللہ کے ہاں تمہارا عذر ہے۔

اسلام مدینہ میں

وہ کہنے لگے اے اسعد ہم سے اپنا ہاتھ ہٹا لے ہم اس بیعت سے نہیں ہٹیں گے۔ پھر ہم ایک ایک کرکے اُٹھے اور آپؐ نے ہم سے وعدہ لے کر جنت کی خوشخبری عطا فرمائی اس کے بعد یہ لوگ مدینہ واپس چلے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ہمراہ عمرو بن ام مکتوم اور مصعبؓ بن عمیر دو صحابی بھیجے جو وہاں مسلمان ہوئے۔ یہ دونوں صحابیؓ انہیں قرآن مجید کی تعلیم دیتے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے۔ چنانچہ یہ دونوں صحابیؓ ابی امامہ اسعد بن زرارہ کے ہاں ٹھہرے جب یہ چالیس کی تعداد کو پہنچ گئے تو مصعبؓ بن عمیر ہی ان کو جمع کرتے اور امامت کے فرائض انجام دیتے۔ آخر ان دونوں صحابیوں کے ہاتھ پر کثیر تعداد میں لوگ اسلام لائے: اسیدؓ بن حضیر اور سعد بن معاذ انہی میں شامل ہیں۔ نیز ان دونوں کے اسلام لانے پر بنی عبدالاشہل کے تمام مردوں اور عورتوں نے سوائے عمرو بن ثابت بن وقس کے اسلام قبول کیا۔ عمرو بن ثابت یوم احد کو اسلام لایا اور اس وقت جہاد میں شریک ہوا اور ایک بھی سجدہ کرنے سے پہلے شہادت پائی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عمل قلیل تھا اور اجر کثیر

پھر مدینہ میں اسلام پھیل گیا اور غالب ہونے لگا۔ اس کے بعد مصعبؓ مکہ واپس آ گئے۔
اور اس سال حج کے موقع پر کثرت سے انصاری مسلمان شریک ہوئے، مشرکین اور براء بن معرور قوم کا سردار
حاضر خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہوا۔ عقبہ کی آخری رات جب رات کا ابتدائی ثلث گزر
چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تہتر ۷۳ مرد اور دو عورتیں حاضر ہوئیں ان
نے اپنی قوم اور مکہ کے کفار سے پوشیدہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔
تاکہ یہ لوگ جس بات سے اپنی عورتوں، بچوں اور بڑوں کی حفاظت کرتے ہیں آپ کی بھی حفاظت
کریں اور اس رات کو سب سے پہلے براء بن معرور نے بیعت کی، جب اس نے بیعت کی
تو اس کا ہاتھ سفید تھا اُس نے آپ کی طرف جلدی کی اور حضرت عباسؓ اس کی بیعت کو
مؤکد کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت یہ اپنی قوم کے دین پر تھے اور اس رات کو نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ کا انتخاب فرمایا جن کے اسمائے مبارک حسب ذیل
ہیں:۔

اسعد بن زرارۃ، سعد بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، رافع بن مالک، براء بن معرور
عبداللہ بن عمرو بن حرام جو حضرت جابر کے والد تھے اور اسی رات کو یہ اسلام لائے تھے۔
سعد بن عبادۃ، منذر بن عمرو اور عبادہ بن صامت یہ مذکورہ حضرات تو قبیلہ خزرج سے تعلق
رکھتے تھے اور تین افراد قبیلہ اوس سے انتخاب فرمائے، اسید بن حضیر، سعد بن خیثمہ
اور رفاعہ بن عبدالمنذر۔ ایک قول میں (رفاعہ) کی جگہ ابو الہیثم بن تیہان کا نام لیا گیا ہے۔
دو عورتیں یہ تھیں: ام عمارۃ نسیبہ بنت کعب بن عمرو اور یہی وہ عورت ہیں کہ جن کے لڑکے
حبیب بن زید کو مسیلمہ نے شہید کیا تھا اور دوسری عورت اسماء بنت عمرو بن عدی تھیں۔
جب یہ بیعت مکمل ہو گئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ سے اجازت چاہی کہ کیا
اہل عقبہ پر اپنی تلوار سے مسلح ہو کر حملہ کر دیں؟ آپؐ نے انہیں اس بات کی اجازت نہ دی۔
اور شیطان اہل عقبہ کو سنانے کے لیے چلایا۔ جیسے دور سے آواز آ رہی ہو۔ اے اہل شعاب!
تمہیں معلوم ہے کہ محمد اور اس کے صابی ساتھی تمہارے خلاف جنگ کرنے کے لیے جمع ہو چکے
ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن میں تیرے لیے ضرور فارغ
ہوں گا۔

اہل مدینہ کے قبول اسلام پر قریش کا اضطراب

پھر آپؐ نے حکم دیا کہ اپنے اپنے رحال میں چلے جاؤ۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو قریش کے بڑے بڑے سردار قبائل انصار کے پاس آئے اور کہنے لگے اے قوم خزرج! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم گزشتہ رات ہمارے اس آدمی (حضرت محمدؐ) سے ملے ہو اور تم نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ تم ہمارے مقابلہ میں لڑنے کی بیعت کر لی ہے۔ اللہ کی قسم، عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں کہ جو ہمیں اس سے زیادہ مبغوض ہو۔

چنانچہ خزرج کے مشرکین کھڑے ہوئے اور انہیں یقین دلانے کی خاطر قسمیں کھانے لگیں۔ کہ نہ یہ بات تھی اور نہ ہمیں اس کا علم ہے۔

اور عبد اللہ بن ابی کہنے لگا کہ یہ غلط ہے۔ یہ بات ہی نہ تھی اور میری قوم اس جیسے آدمی سے مبتلائے فتنہ نہیں ہو سکتی۔ اور اگر میں یثرب میں ہوتا کہ میری قوم میرے مشورہ کے بغیر ایسی بات نہ کرتی۔ چنانچہ قریش لوٹ کر چلے گئے اور براء بن معرور نے کوچ کیا اور وادی یاجج میں اپنی مسلمان قوم سے جا ملا۔ قریش نے بھی انہیں تلاش کیا اور سعد بن عبادہ کو پکڑ لیا اور ان کے ہاتھوں کو ان کی گردن کے ساتھ رسی سے باندھ دیا اور مارنے اور گھسیٹنے لگے۔ اور ان کے بال نوچنے لگے، یہاں تک کہ انہیں مکہ لے آئے۔ آخر کار مطعم بن عدی اور حرث بن حرب بن امیہ آئے اور انہوں نے ان کو چھڑایا۔ جب انصار نے انہیں نہ پایا تو آپس میں واپس جانے کے لیے مشورہ کیا۔ (ابھی مشورہ کر رہے تھے) کہ سعد ان کے پاس واپس پہنچ گئے اور سب انصاری واپس مدینہ چلے گئے۔

مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کی اجازت

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ سب سے پہلے ابو سلمۃ بن عبد الاسد اور ان کی بیوی ام سلمۃ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ لیکن (ام سلمۃؓ) کو روک دیا گیا اور ایک سال تک محبوس رکھا گیا۔ نیز ان کا بچہ بھی ان سے الگ کر دیا گیا۔ ایک سال کے بعد یہ اپنے بچے کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئیں۔

اس کے بعد لوگ کثرت سے یکے بعد دیگرے مدینہ جانے لگے آخر مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم، ابو بکرؓ اور علیؓ کے سوا کوئی مسلمان نہ رہا۔!

آں حضرتؐ کی ہجرت

اہل مدینہ کا جوش وخروش کے ساتھ والہانہ استقبال

مشرکین کی چال جب مشرکین نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مدینہ جا چکے اور اپنے بیوی، بچوں اور مال و دولت کو لے کر اوس اور خزرج کے پاس پہنچ چکے ہیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ (مدینہ) ان کے لیے ایک جائے امن بن چکا ہے۔ اور ویسے بھی اہلِ مدینہ شوکت وسطوت کے مالک ہیں تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اندیشہ ہُوا کہ کہیں آپؐ بھی وہیں تشریف نہ لے جائیں۔ ایسا ہوا تو یہ معاملہ سنگین صورت اختیار کرے گا۔ چنانچہ وہ دار الندوہ (مشورت خانہ) میں جمع ہوئے اس موقع پر وہاں کے حل وعقد میں سے کوئی بھی غیر حاضر نہ تھا۔ مقصد یہ تھا کہ آپ کے بارے میں صلاح کی جائے۔ نیز ان کا بڑا "ابلیس" بھی ایک نجدی بوڑھے کی صورت اختیار کر کے کمبل اوڑھے شریک ہُوا۔ ان سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خوب تبادلۂ خیالات کیا۔ ہر آدمی اپنی رائے پیش کرتا لیکن یہ بوڑھا (ابلیس) اسے رد کر دیتا اور اس پر رضامندی ظاہر نہ کرتا۔

آخر ابوجہل کہنے لگا۔ میرے ذہن میں ایک ایسی اسکیم آئی ہے۔ جس تک ابھی تمہارا ذہن نہیں پہنچ سکا۔

کہنے لگے: وہ کیا ہے؟

اس نے جواب دیا، میرا خیال ہے کہ ہم قریش کے ہر قبیلہ کا ایک مضبوط اور نوجوان لیں پھر انہیں تیز تلواریں دیں اور وہ یکبارگی ایک آدمی کی طرح محمدؐ پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح ان کا خون قبائل میں منقسم ہو جائے گا۔ اس کے بعد بنی عبد المناف کی کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ اب کیا کیا

جائے؟ کس سے انتقام لیں؟ کیونکہ تمام قبائل سے دشمنی مول لینا ان کے لیے محال ہوگا آخر ہم سب مل کر ان کی دیت ادا کر دیں گے۔

بوڑھا (ابلیس) کہنے لگا اس نوجوان نے کیا خوب کہا خدا کی قسم رائے ہے تو یہ ہے؛ کہتے ہیں کہ اس عہد کے بعد یہ لوگ منتشر ہو گئے۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے وحی لے کر حاضر ہوئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور فرمایا کہ آج رات آپؐ اپنے بستر میں نہ سوئیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو چہرہ ڈھانکے حضرت ابوبکر کے ہاں تشریف لائے یہ تشریف آوری بالکل خلاف معمول تھی۔

آپؐ نے فرمایا تمہارے ہاں جو آدمی بھی ہو اسے باہر کر دو۔

انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ آپؐ کے گھر کے ہی لوگ ہیں آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں سے ہجرت کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا مجھے شرف رفاقت حاصل ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں!

حضرت ابوبکر نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ میرے پاس دو سواریاں ہیں ایک قبول فرمائیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیمت دے کر (لوں گا)! اور حضرت علیؓ سے فرمایا آج کی رات تم میرے بستر پر سو جاؤ۔

قریش کے لوگ جمع ہو کر دروازے کی نگرانی کرنے لگے کہ موقع پاتے ہی ٹوٹ پڑیں۔ یہ باہم مشورہ کرنے لگے کہ کون سب سے بڑا بدبخت اور شقی ہوگا جو یہ کام (قتل محمدؐ) انجام دیگا؟

آں حضرتؐ کا مقصد ہجرت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپؐ نے میدان سے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اسے ان کے سر کی طرف پھینکا، کیفیت یہ تھی کہ وہ آپؐ کو دیکھ نہیں رہے تھے اور آپ یہ ایک آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ: یعنی، اور ہم نے اُن کے سامنے آڑ کر دی اور ان کے پیچھے آڑ۔ پس ہم نے ان پر بے ہوشی طاری کر دی کہ وہ دیکھ نہ سکتے تھے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کی طرف تشریف لے گئے۔ بعدازاں دونوں خانۂ صدیق کے ایک خیمہ سے باہر نکلے۔ اس اثنا میں ایک آدمی آیا اور آپ کے دروازے پہ لوگوں کو دیکھا تو پوچھا: کس کا انتظار کر رہے ہو؟

جواب ملا محمدؐ کا!

وہ کہنے لگا تم نامراد و ناکام رہے۔ اللہ کی قسم وہ تمہارے قریب سے گزر کر جا چکے ہیں اور تمہارے سر پر مٹی ڈال کر گئے ہیں، وہ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم نے انہیں نہیں دیکھا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے اٹھے۔

ان کے نام جو آپؐ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آئے تھے یہ ہیں:- ابوجہل، ابولہب، ابی بن خلف اور حجاج کے دونوں لڑکے بنیہ اور منبہ، حکم بن عاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، زمعۃ بن اسود، طعیمہ بن عدی۔

حضرت علیؓ اور کفار قریش

جب صبح ہوئی تو حضرت علی بستر سے اُٹھے۔ کفار نے (علیؓ) سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا انہوں نے جواب دیا، میں کیا جانوں؟

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ غارِ ثور کی طرف تشریف لے گئے اور اس میں داخل ہو گئے۔ مکڑی نے دروازے پر جالا تن دیا اور عبداللہ بن اریقط لیثی کو جو راہ نما تھا، اجرت پر لے لیا گیا وہ قریش کے دین (شرک) پر تھا لیکن اس سلسلہ میں امین تھا۔ آپ نے دونوں سواریاں اس کے حوالے کیں اور تین روز کے بعد غارِ ثور پر ملنے کا وعدہ فرمایا۔ قریش نے جستجو میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، انہیں خاقہ تک بھی سہنا پڑا۔ آخر غار کے دروازے پر پہنچ گئے اور وہاں ٹھہر گئے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اگر کسی آدمی نے اپنے قدموں تلے دیکھ لیا تو ہم نظر آجائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: اے ابوبکرؓ تمہارا ان دو کے متعلق کیا خیال ہے کہ جن تیسرا رفیق اللہ ہے۔ غم مت کرو۔ کیونکہ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے اور حالت یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ بالائے سر ان کی باتیں سن رہے تھے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کا معاملہ کفار پر پوشیدہ کر دیا۔ عامر بن فہیرۃ بکریاں چرانے کے بہانے آپ کے پاس آیا کرتا اور مکہ کی خبریں سن کر آپؐ کو اطلاع کر دیا کرتا تھا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں، ہم نے انتظام (سفر) کیا اور ایک چمڑے کی تھیلی میں آپؐ کا

زادِ راہ رکھ دیا۔ پھر اسماءؓ بنت ابی بکر نے اپنے نطاق (کمر بند) کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر تھیلی کو اس سے باندھ دیا اور دوسرا حصہ پھاڑ کر مشک کا منہ باندھ دیا۔ اسی وجہ سے یہ ذات النطاقین کے نام سے مشہور ہوئیں اور مستدرک حاکمؒ میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ نکلے حضرت ابوبکرؓ کبھی آپؐ کے سامنے چلتے اور کبھی پیچھے چلنا شروع کر دیتے آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سبب دریافت فرمایا، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے ڈر ہوتا ہے کہ (پیچھے) سے کوئی آ نہ رہا ہو تو میں آپؐ کے پیچھے چلتا ہوں، پھر خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں سامنے سے کوئی نہ آن دھمکے۔ چنانچہ آپؐ کے آگے آگے چلنے لگتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اے ابوبکرؓ اگر کوئی (تکلیف) آئے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میری بجائے تم اس سے دوچار ہو؟ انہوں نے جواب دیا: بے شک!! قسم ہے اس کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

جب غار پر پہنچے، ابوبکرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ذرا اپنی جگہ پر رہیے میں آپ کے لیے غار صاف کر لوں (ابوبکرؓ اندر گئے) اور اسے صاف کیا اور جب اوپر آنے لگے۔ پھر یاد آیا کہ ابھی تک سوراخوں کو صاف نہیں کیا، اس لیے پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ذرا ٹھہریئے میں سوراخوں کو بھی صاف کر لوں۔ پھر اندر گئے اور سوراخوں کو بھی صاف کیا اس کے بعد عرض کیا اے اللہ کے رسول اندر تشریف لائیے پھر دونوں اندر داخل ہو گئے اور غار میں تین راتیں ٹھہرے۔ یہاں تک کہ قریش کی تلاش ختم ہو گئی۔ اس کے بعد عبداللہ بن اریقط دونوں سواریاں لے کر حاضر ہو گیا اور سفر شروع کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عامر بن فہیرہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور رہنما ان کے سامنے چلنے لگا اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کر رہا تھا اور ان کی رفاقت میں تھا۔ سفر کرنے اور منزل پر اترنے میں اللہ کی نصرت شامل تھی۔

جب کفار انہیں گرفتار کرنے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے آپؐ کی اور ابوبکرؓ کی گرفتاری کا انعام مقرر کر دیا، چنانچہ لوگوں نے سرگرمی سے تلاشی شروع کر دی اور اللہ تو اپنے امور پر غالب ہے۔ جب آپؐ بنی مدلج کے ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے تو قبیلے کے ایک آدمی نے آپؐ کو دیکھ لیا اور اپنے قبیلہ کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ میں نے ساحل پر ایک سایہ سا دیکھا ہے اور یہ محمد اور اس کے اصحاب کے سوا اور کوئی نہیں۔ سراقہ بن مالک سارا معاملہ سمجھ گیا اس نے چاہا کہ وہ گرفتار کرے۔ کہنے لگا (نہیں!) بلکہ یہ تو فلاں فلاں آدمی ہیں جو اپنے کسی کام سے گئے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر ٹھہرا اس کے بعد اٹھ کر اپنے خیمہ میں چلا گیا اور اپنے خادم

سے کہنے لگا خیمے کے پیچھے سے گھوڑا نکال دو، میں ٹیلے کے پیچھے تمہیں ملوں گا۔ پھر اس نے نیزہ لیا اور اسے نیچا کر کے زمین پر لکیریں ڈالتا چل پڑا۔ جب وہ قریب ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سننے لگا۔ ابو بکر بار بار پیچھے مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی جانب التفات نہ فرماتے۔

سراقہ بن مالک کا تعاقب

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول یہ سراقہ بن مالک ہم تک آن پہنچا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بد دعا فرمائی۔ چنانچہ اگلے گھوڑے کے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ وہ کہنے لگا۔ مجھے معلوم ہے جس جرم کی مجھے یہ سزا ملی ہے یہ آپ کی بد دعا کا نتیجہ ہے۔ میرے لیے اللہ سے دعائے (خیر) کیجیے، میں عہد کرتا ہوں کہ لوگوں کو آپ کی (تلاش) سے واپس کر دوں گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور وہ آزاد ہو گیا۔ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے سند خوشنودی مرحمت فرمائیے۔ حضرت ابو بکرؓ نے چمڑے کے ٹکڑے پر آپ کے حکم سے تحریر لکھ دی۔

فتح مکہ تک یہ تحریر سراقہ کے پاس موجود تھی۔ اس دن وہ تحریر لے کر حاضر ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صلہ عطا فرمایا اور فرمایا: آج وفا اور بھلائی کا دن ہے۔

سراقہ نے سند خوشنودی لے کر آپ کی خدمت میں زاد راہ اور دو سواریاں پیش کیں۔ آپ نے فرمایا: ہمیں ان کی ضرورت نہیں بلکہ دشمن کی جستجو کو ناکام بنا دو وہ کہنے لگا آپ مطمئن رہیں اور وہ واپس چلا گیا اور دیکھا کہ لوگ آپ کی تلاش میں ہیں کہنے لگا میں تمہارے لیے خبر لایا ہوں اور تمہیں اطمینان ہونا چاہیے کہ وہ یہاں نہیں ہیں۔ یہ شخص دن کی ابتدا میں　　آپ کے خلاف تھا۔ اور دن کے آخر میں آپ کا جاں نثار بن چکا تھا۔

مدینہ کے راستے میں آپ کا ایک معجزہ

پھر آپ چلتے رہے یہاں تک کہ ام معبد خزاعیہ کے خیموں کے پاس سے گزرے۔ یہ ایک توانا عورت تھی اور خیمے کے صحن میں بیٹھی ہوتی اور جو گزرتا اسے کھلاتی پلاتی۔ آپ نے پوچھا تمہارے ہاں کچھ کھانے کو ہے ہا؟ اس نے عرض کیا اللہ کی قسم اگر ہمارے یہاں کچھ ہوتا تو ہم آپ کی مہمان نوازی سے محروم نہ رہتے۔ بکری کا دودھ خشک ہو چکا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمے کے ایک طرف ایک بکری دیکھی آپ نے فرمایا اے

ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا: کمزوری کے باعث یہ بکری ریوڑ کے ساتھ نہیں جاسکی آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کے دودھ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ یہ اس مرحلہ سے گزر چکی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ کیا تو مجھے اس کا دودھ دوھنے کی اجازت دیتی ہے؟ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اگر آپ کو دودھ مل سکے تو آپ بے شک دُوہ لیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کھیری پر ہاتھ پھیرا، اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لیا اور دعا فرمائی وہ قبول ہوئی اور (بکری) کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ پھر آپ نے گھر والوں سے برتن طلب فرمایا اور اس میں دودھ نکالا۔ یہاں تک کہ جھاگ برتن پر چڑھ آیا۔ چنانچہ آپ نے (ام معبد) کو دودھ پلایا اور وہ پی کر سیر ہوگئی اپنے اصحاب کو بلایا وہ بھی سیر ہوگئے۔ پھر آپ نے خود نوش جان فرمایا۔ اس کے بعد دوبارہ دودھ نکالا یہاں تک کہ برتن بھر گیا۔ پھر آپ وہاں سے آگے بڑھے اور (مدینہ) کی طرف تشریف لے چلے، کچھ دیر ہی گزری تھی کہ اس کا شوہر ابو معبد دبلی پتلی بکریوں کو ہنکاتا آگیا جو کمزوری کے باعث گری پڑتی تھیں۔ جب اس نے دودھ دیکھا تو تعجب ہوا، پوچھا یہ کہاں سے ملا؟ جبکہ بکری بھی خشک ہو چکی ہے اور گھر میں دودھ بھی نہ تھا وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم ہمارے ہاں سے ایک مبارک انسان کا گزر ہوا جس کی بات اس اس طرح تھی اور ایسے ایسے اس کے حالات تھے۔

آں حضرتؐ کا حلیہ اور شمائل

اس نے کہا: اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہی آدمی ہے جسے قریش تلاش کر رہے ہیں۔ اے ام معبد ذرا ان کی صفت تو بیان کرنا۔ ام معبد نے بتایا —— چہرہ تاباں، اخلاق پاکیزہ اور شہر سا بڑے سر نے آپ کو بوجھل نہیں کیا اور چھوٹے سر نے آپ کو عیب دار نہیں کیا، قامت وصورت، حسین وجمیل آنکھیں فراخ اور سیاہ، بال کافی اور کالے، آواز جاندار، گردن مسطح، خوبصورت، سرمگین، بلند قامت، اقرن (جس کی بھویں آپس میں ملی ہوں) خوب سیاہ بالوں والے جب وہ خاموش ہوتے ہیں تو وقار چھا جاتا ہے اور جب کلام فرماتے ہیں تو حسن طاری ہو جاتا ہے۔

تمام لوگوں سے زیادہ جمیل، دُور سے دیکھو تو زیادہ خوبصورت اور قریب سے دیکھو تو سب سے زیادہ حسین اور جمیل، شیریں کلام، بزرگ، جن کی زبان پر فضول اور واہیات باتیں نہیں آتیں۔ کلام کیا ہے، پروئی ہوئی کوڑیاں ہیں جو ترتیب سے گرتی ہوں۔ کوئی آنکھ ان میں پستہ قدی کا عیب نہیں نکال سکتی اور نہ لمبے قد کا نقص تلاش کر سکتی ہے۔ وہ دو شاخوں

کے درمیان ایک ایسی شاخ ہے جو سب سے زیادہ تروتازہ اور حسین ہے۔ اس کے رفقاء اسے گھیرے رہتے ہیں۔ جب وہ بات کرتا ہے وہ سنتے ہیں اور جب حکم کرتا ہے تو فوراً تعمیل کرتے ہیں۔ مخدوم اور مطاع ہے۔ نہ تنگ نظر اور نہ بے مغز ہے۔

"ابو معبد کہنے لگا: اللہ کی قسم یہی وہ آدمی ہے جس کے متعلق قریش باتیں کرتے ہیں۔ میں نے آپ کی مصاحبت کا ارادہ کر لیا ہے اور اگر مجھ سے یہ ہو سکا تو میں ضرور یہ کام کروں گا۔

مدینہ میں تشریف آوری اور استقبال

(دوسری طرف) انصار کو معلوم ہو چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف چل چکے ہیں وہ ہر روز مدینہ سے نکل کر دوپہر تک آپ کا انتظار کرتے۔ جب دھوپ تیز ہو جاتی تو اپنی عادت کے مطابق گھروں کو واپس آجاتے۔ یہ بعثت کا تیرھواں سال ربیع الاول کے مہینے کی بارہ تاریخ منگل کا دن تھا۔ حسب عادت (انصار) باہر آئے جب سورج کی گرمی تیز ہو گئی واپس لوٹ آئے (اتفاق) سے یہود کا ایک آدمی کسی ضرورت کے پیش نظر مدینہ کے قلعوں میں سے ایک قلعے پر چڑھا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کو دیکھا۔ جن کے آگے بڑھنے سے سراب زائل ہو رہا تھا۔ وہ یہودی زور سے چلایا۔ اے بنی قبیلہ یہ ہے وہ تمہارا سردار یہ تمہارا بزرگ ہے جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔

انصار نے جلدی سے ہتھیار سجا لیے۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کریں، اور مرحبا اور تکبیر کی آوازیں بنی عمرو بن عوف میں گونجنے لگیں۔ مسلمانوں نے آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور نبوت کی شان کے مطابق خوش آمدید کہا۔ چکر لگاتے ہوئے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا، آپ یکسر سکون و طمانیت تھے۔ اسی حالت میں وحی نازل ہوئی۔

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ۔ یعنی: "پس بے شک اللہ تعالیٰ ہی اس کا رفیق اور جبریل اور نیک لوگ ایمان والے اور فرشتے اس کے مددگار ہیں۔"

پھر آپ چل پڑے اور بنی عمرو بن عوف کے علاقے قباء میں اترے۔ آپ کلثوم بن ہدم کے پاس اترے ایک قول یہ ہے کہ سعد بن خیثمہ کے پاس اترے۔ پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ چنانچہ آپ بنی عمرو بن عوف کے ہاں چودہ شب تک مقیم رہے اور یہاں مسجد قباء تعمیر

کی۔

مدینہ کی پہلی مسجد، مسجد قباء نبوت کے بعد یہ پہلی مسجد تھی جس کی آپ نے بنیاد رکھی جب جمعہ کا دن ہوا تو آپ اللہ کے حکم کے مطابق سوار ہوئے آخر بنی سالم بن عوف میں جمعہ کی نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے وادی کے درمیان کی مسجد میں (صحابہؓ) کو جمعہ پڑھایا۔ اس کے بعد سوار ہوئے، لوگوں نے اونٹنی کی مہار پکڑ لی۔ آپ نے فرمایا: اس کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ یہ مامور ہے۔ چنانچہ اونٹنی چلتی رہی۔ انصار کے جس گھر کے پاس آپ گزرتے وہ فرمائش کرتا کہ آپ یہاں تشریف فرما ہوں، لیکن آپ فرماتے اسے چھوڑ دو، یہ مامور ہے (اسے جہاں اللہ کا حکم ہوگا بیٹھ جائے گی) وہ چلتی رہی۔ آخر کار اس جگہ پہنچی جہاں آج کل مسجد نبوی ہے اور بیٹھ گئی آپ نہ اترے۔ پھر اٹھی اور تھوڑی سی چلی۔ پھر اس نے پچھلی جانب دیکھا اور لوٹ آئی اور پہلی جگہ پر بیٹھ گئی۔ پھر آپ اتر آئے اور یہ بنی نجار میں سے آپ کے ننھیالی رشتہ دار کا مکان تھا۔ یہ اللہ کی توفیق سے تھا کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ایک قریبی عزیز کے گھر میں اتارنا پسند فرمایا۔ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔

اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ آپ کے کجاوے کی طرف عجلت سے حاضر ہوئے اور سامان اپنے گھر میں اٹھا لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان اپنے سامانِ سفر کے ساتھ ہوتا ہے اور صحیح حاکمؒ میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میرے ہمراہ کون ہجرت کرے گا؟ انہوں نے جواب دیا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہمارے پاس سب سے پہلے مصعبؓ بن عمیر اور ابن ام مکتوم تشریف لائے۔ یہ دونوں بزرگ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے لگے۔ پھر حضرت عمارؓ، بلالؓ اور سعدؓ تشریف لائے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس سواروں کے ساتھ تشریف لائے۔ ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی میں نے دیکھا کہ لوگوں کو اس قدر کبھی بھی فرحت نہ ہوئی جس قدر آپ کی تشریف آوری کے باعث ہوئی۔ یہاں تک کہ میں نے عورتوں، بچوں، اور لونڈیوں کو کہتے دیکھا یہ اللہ کے رسول تشریف لائے ہیں۔

اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اس سے زیادہ میں نے کوئی حسین اور روشن دن نہیں دیکھا اور جس دن آپؐ کی وفات ہوئی اس دن سے زیادہ قبیح اور تاریک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

بہر حال آپؐ نے حجرے اور مسجد کی تعمیر ہونے تک حضرت ایوبؓ کے گھر میں قیام فرمایا: آپؐ حضرت ابوایوبؓ کے گھر میں قیام پذیر تھے۔ زید بن حارثہ اور ابورافعؓ کو کو دو اونٹ اور پانچ صد درہم دے کر مکہ کی طرف بھیجا۔ چنانچہ یہ دونوں آپ کی دونوں صاحبزادیوں حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ نیز حضرت سودہ بنتؓ زمعہؓ (جو آپ کی زوجہ محترمہ تھیں) اور اسامہؓ بن زید، ان کی والدہ ام ایمن کو لے کر واپس آ گئے۔ البتہ حضرت زینبؓ کو ان کے خاوند ابوالعاص بن ربیع نے نہ آنے دیا اور عبداللہ بن ابی بکر حضرت ابوبکرؓ کے اہل و عیال کو لے کر چلے آئے جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ بھی تھیں۔

مسجد نبوی کی تعمیر

زہریؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مسجد کی جگہ پر بیٹھ گئی۔ اس وقت مسلمان یہاں نماز ادا کیا کرتے تھے لیکن یہ جگہ دو یتیم انصاری لڑکوں سہل اور سہیل کی ملکیت میں تھی اور یہاں (اونٹوں کے) باندھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی جو اسعد بن زرارہ کی زیر پرورش تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لڑکوں سے اس زمین کی فروخت اور تعمیر مسجد پر گفتگو کی اور دونوں کہنے لگے، نہیں، بلکہ اے اللہ کے رسول ہم اسے آپ کی خاطر (قیمت کے بغیر) ہبہ کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ چنانچہ آپؐ نے ان سے یہ زمین دس دینار میں خرید لی۔ اس وقت یہ صرف چار دیواری کی صورت میں تھی، اس کی چھت نہ تھی اور اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل اسعدؓ بن زرارہ یہیں پر مسلمانوں کو نماز اور جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور اس میں غرقد اور کھجور کے درخت تھے اور مشرکین کی قبریں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مشرکین کی قبریں اکھاڑ دی گئیں۔ کھجور اور دوسرے درخت کاٹ دیے گئے اور قبلہ کی طرف سے مسجد ہموار کی گئی۔ اور قبلہ کی طرف مسجد کا طول ایک سو گز اور دوسری طرف اسی قدر یا اس سے کم بنایا گیا اور تین گز بنیاد بنائی گئی۔ اس کے بعد کچی اینٹوں سے مسجد کی

تعمیر شروع ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعمیر میں حصہ لیتے اور اینٹیں اور پتھر اٹھا کر لاتے اور یہ شعر پڑھتے:۔

اللھم لاعیش الاعیش الاخرۃ

فاغفر للانصار لمھاجرۃ

یعنی: اے اللہ زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے۔

پس انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

اس مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی طرف بنایا گیا اور تین دروازے بنائے گئے۔ ایک آخر میں دروازہ بنایا گیا۔ دوسرا باب الرحمۃ اور تیسرا دروازہ تھا جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لایا کرتے تھے۔ اس کے ستون کھجور کے تنے سے بنائے گئے اور چھت کھجور کے پتوں سے بنائی گئی۔ عرض کیا گیا آپؐ اس کی چھت نہ ڈالیں گے؟ آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کے خیمے کا سا کوئی خیمہ نہیں اور آپ نے مسجد کے متصل کچی اینٹوں سے حجرے تعمیر کروائے اور ان پر کھجور کے پتوں اور شاخوں کی چھت ڈلوائی۔ جب اس کام سے فارغ ہو گئے تو مسجد کے مشرقی حصہ کے متصل حضرت عائشہؓ کے لیے ایک حجرہ تعمیر کروایا اور یہی آج آپ کی آرام گاہ ہے۔ حضرت سودہؓ زمعہ کے لیے دوسرا حجرہ بنوایا۔

انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ بن مالک کے گھر میں انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم فرمائی۔ یہ کل نوے آدمی تھے نصف انصار اور نصف مہاجر تھے۔ آپ نے ان کے درمیان ذوی الارحام کے علاوہ موت کے بعد ان کی وراثت کی بنیاد پر مواخات قائم فرمائی آخر جب غزوہ بدر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ۔ یعنی: اور قرابت دار اللہ کی کتاب میں بعض بعض کے لیے زیادہ مستحق ہیں۔

تو مرنے کے بعد وراثت کا معاملہ صرف اقارب تک محدود ہو گیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے دوسری مرتبہ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی اور اس دوسری مرتبہ حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا۔ پہلا قول قوی ہے۔ اگر آپ کسی

مہاجر سے اپنی اخوت قائم فرماتے تو آپؐ کی اخوت کے سب سے بڑے مستحق وہ تھے جو آپ کو تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہجرت میں آپؐ کے مصاحب غار میں آپؐ کے انیس تمام صحابہؓ سے افضل واکرم تھے۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا: اگر میں اہلِ زمین میں سے کسی کو خلیل (دوست) بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن یہ میرے بھائی اور رفیق ہیں اور اسلام کی بنیاد اخوت پر ہے۔ یہاں عام اخوت مراد ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہود سے معاہدہ صلح کیا

اور ایک عہد نامہ لکھ لیا۔ یہود کے بہت بڑے عالم عبداللہ بن سلام سرعت سے حاضر ہوئے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ البتہ عام یہود کفر پر جمے رہے۔

(قومِ یہود) کے تین قبائل تھے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ تینوں نے آپؐ سے جنگ کی۔ آپ نے بنو قینقاع پر احسان فرمایا۔ بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا اور بنو قریظہ قتل ہوئے۔ اور ان کی اولاد کو غلام بنا لیا گیا۔ بنو نضیر کے متعلق سورۃ حشر اور بنو قریظہ کے متعلق سورۃ احزاب نازل ہوئی۔

تحویل قبلہ اور مومنین کا امتحان

یہود، نصاریٰ اور مشرکین کی قیاس آرائیاں

بیت المقدس سے کعبہ کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن چاہتے تھے کہ کعبہ مشرفہ کی طرف رخ کرنے کا حکم مل جائے۔ آپؐ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا:

میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قوم یہود کے قبلہ سے میرا رخ بدل دے۔

انھوں نے عرض کیا، اپنے رب سے دعا کیجئے اور درخواست پیش کیجئے، کیونکہ میں تو فقط بندہ ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف دیکھتے اور آس لگائے رکھتے کہ شاید حکم مل جائے آخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

یعنی، ہم آپؐ کا رخ آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں پس ہم یقیناً اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپؐ چاہتے ہیں پس اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے۔

یہ واقعہ مدینہ تشریف آوری کے سولہ ماہ بعد غزوہ بدر سے دو ماہ قبل پیش آیا۔ محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ ہمیں ہاشم بن قاسم نے انھیں ابو معشر نے بتایا انھیں محمد بن کعب قرظی سے روایت ملی۔ فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی نے کسی نبی سے قبلہ یا سنت کے معاملہ میں خلاف نہیں کیا۔ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کیے رکھا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ الآیہ۔

"بلاشبہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تحویل قبلہ ایک عظیم حکم اور مسلمانوں، مشرکین، یہود اور منافقین کا امتحان تھا، چنانچہ مسلمانوں نے کہا ہم ایمان لائے اور اطاعت کی اور کہا

ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ سب ہمارے ہی رب کی طرف سے ہے، مشرکین نے کہا جس طرح ہمارے قبلہ کی طرف محمدؐ رجوع کر آئے ہو سکتا ہے کہ ہمارے دین کی طرف لوٹ آئیں، حالانکہ آپؐ نے محض حق کی بناء پر رجوع فرمایا تھا، اور قوم یہود کہنے لگی کہ انھوں نے اس سے قبل قبلۂ انبیاء کی مخالفت کی۔ اگر یہ نبی ہوتے تو اسی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے۔ اور منافقین کہنے لگے ہم نہیں سمجھتے کہ محمد کس طرف رخ کرنا چاہتے ہیں؟ اگر پہلی صورت حق تھی تو انھوں نے اسے ترک کردیا۔ اور اگر دوسری صورت حق تھی تو پہلے باطل پر تھے۔

اس طرح جہلا کی جانب سے کئی باتیں کی جانے لگیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی ہوا یعنی وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ یعنی اگرچہ یہ (تحویل قبلہ) بھاری ہے مگر ان پر (بھاری نہیں) جن ہیں اللہ نے ہدایت دی۔"

بلاشبہ اللہ کی جانب سے اپنے بندوں کا امتحان تھا تاکہ دیکھے کہ کون رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتا ہے؟ اور کون اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹ جاتا ہے۔

ایک اہم اور عظیم واقعہ چونکہ کعبہ کی شان اور اس کا معاملہ ایک عظیم واقعہ ہے اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے اپنی قدرت کاملہ سے منسوخ کیا اور فرمایا کہ وہ اس سے بہتر یا اسی جیسا حکم نافذ کرے گا۔ اس کے بعد جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتا، خدا کی طرف سے اسے زجر و توبیخ کی جاتی۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کا اختلاف ذکر کرکے بتایا کہ یہ آپس میں کہا کرتے ہیں کہ تم کسی (نہج) پر نہیں ہو اور بندوں کو ان کی موافقت کرنے اور خواہشات کے اتباع سے منع فرمایا، اس کے بعد ان کا کفر و شرک بیان کیا اور ان کا قول بتایا کہ یہ کہتے ہیں خدا کا بیٹا ہے، حالانکہ وہ اس اتہام سے پاک اور بلند ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ مشرق مغرب اسی کا ہے اور بندے جدھر اپنا رخ کرتے ہیں وہ اس طرف موجود ہوتا ہے اور وہ بہت ہی عطا کرنے والا جاننے والا ہے۔ اسی لیے اس کی عظمت وسعت اور احاطہ کے باعث بندے کا رخ جس طرف بھی ہوگا اللہ تعالیٰ کو (پالے گا) پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے دوزخیوں کے متعلق باز پرس نہیں کرے گا۔ جو اس کی تصدیق و اتباع نہیں کرتے۔ پھر بتایا کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تب تک راضی نہ ہوں گے جب تک کہ وہ ان کی اطاعت نہ کریں۔ اور اگر انھوں نے ایسا کیا تو اللہ کے مقابلہ میں ان کا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار اس کے بعد اہل کتاب پر کیے گئے انعامات اور خوف قیامت کا تذکرہ فرمایا اور خانہ کعبہ کے معمار حضرت ابراہیمؑ کا

تذکرہ کیا اور ان کی مدح و تعریف فرمائی اور بتایا کہ ہم نے انھیں تمام لوگوں کا امام بنا دیا۔ اس کے بعد اپنے گھر بیت الحرام کا تذکرہ فرمایا اور حضرت خلیل علیہ السلام کو جس طرح تمام لوگوں کا امام بنایا تھا، اسی طرح بیت اللہ کو بھی ان سب کا امام (قبلہ و مرکز) قرار دیا۔ پھر بتایا کہ جو اس امام سے سرکشی کرے گا وہ تمام لوگوں سے زیادہ نادان اور بے مغز ہوگا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ان کی اقتدار کریں اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف نازل کیا گیا ہے، اس پر ایمان لائیں۔ پھر جن لوگوں نے حضرت ابراہیم اور ان کے اہل بیت کو یہودی یا نصرانی کہا، ان کے قول کا رد کیا۔ ان تمام مباحث کو تحویل قبلہ کا مقدمہ بنا کر ذکر کیا۔

ان تمام احتیاطوں کے باوجود تحویل قبلہ کا فیصلہ لوگوں کو سخت ناگوار گذرا، سوا ان لوگوں کے جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ سیدھے راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے چنانچہ انھیں قبلہ کی طرف ہدایت فرمائی اور یہی وہ قبلہ ہے جو ان کے قابل ہے اور امت محمد اس کی اہل ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ افضل و اعلیٰ قبلہ ہے اور وہ تمام امم سے متوسط اور افضل ہے۔

افضل قبلہ افضل امت کے لیے

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے افضل قبلہ کو افضل امت کے لیے منتخب فرمایا جیسے ان کے لیے سب سے زیادہ افضل رسول اور سب سے زیادہ افضل کتاب منتخب فرمائی اور انھیں خیر القرون میں بھیجا اور سب سے افضل شریعت عطا فرمائی اور اسے اعلیٰ اخلاق دیا اور افضل مقام مرحمت فرمایا اور جنت میں اس کے لیے سب سے اچھے گھر بنائے اور قیامت کے روز ان کے لیے سب سے اعلیٰ موقف بنایا جو ایک اونچے ٹیلے پر ہوگا باقی لوگ نیچے ہوں گے۔ پس پاک ہے وہ ذات جو جسے چاہتی ہے اپنی رحمت سے مختص فرماتی ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل والا ہے۔

جہاد کی فضیلت

مجاہد کے مراتب، شہید اور غازی

آں حضرتؐ کا معمول اور سنت

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے عوض اس کے بنانے والے کو بشرطیکہ وہ خیر کی خواہش رکھتا ہو نیز کھینچنے والے اور چلانے والے سب کو جنت میں داخل فرمائے گا، لہٰذا تیر اندازی کرو، سواری کرو اور سواری سے تمہارا تیر چلانا میرے لیے زیادہ پسندیدہ ہے اور آدمی ..... کا ہر لہو و لعب باطل ہے۔ سوا کمان کے ساتھ تیر چلانا یا اپنے گھوڑے کو جنگی کاموں کے لیے سدھانا اور اپنی بیوی سے چاؤ پیار کا برتاؤ کرنا، جسے اللہ تعالیٰ نے تیر اندازی سکھائی پھر وہ اسے بے پروائی کے باعث بھول گیا تو اس نے کفرانِ نعمت کا ارتکاب کیا (مسند احمد)

اور اہل سنن و ابن ماجہ کی روایت ہے کہ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا اس نے میری نافرمانی کی۔

امام احمد نے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: مجھے وصیت فرمایئے۔

آپ نے فرمایا میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ ہر (اچھی) چیز کی جڑ یہی ہے اور تجھ پر جہاد کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ اسلام کی رہبانیت ہے اور تجھ پر ذکر الٰہی اور تلاوتِ قرآن لازم ہے۔ کیونکہ یہ آسمان پر تیری حیات ہوں گے اور زمین پر تیرے یار

نیز آپ نے فرمایا جو مر گیا اور اس نے جہاد نہ کیا یا جہاد کی تیاری نہ کی یا مجاہد کے اہل سے کوئی بھلائی نہ کی اسے قیامت سے قبل ضرور دکھ پہنچے گا۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ درہم و دینار (خرچ کرنے سے بخل کریں گے اور سود کا کاروبار کریں گے اور چوپاؤں کے پیچھے چل پڑیں گے اور اللہ کی راہ

میں جہاد کرنا ترک کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر مصائب نازل کرے گا اور اس وقت تک وہ مصائب دور نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے دین کی طرف نہ لوٹ نہ آئیں۔

ابن ماجہ نے حدیث نقل کی ہے کہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کریگا کہ اس کے بدن پر جہاد کا ذرا بھی نشان نہ ہو (اس کے بدن پر) نشان (نافرمانی) ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ: یعنی "اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو" حضرت ابوایوبؓ فرماتے ہیں ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب ترکِ جہاد ہے۔

نیز صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنت زیر سایہ شمشیر ہے۔ نیز آپ سے مروی ہے فرمایا: کہ جو مال دینا راور اسیم وزر کے لیے جہاد کرے وہ اجر سے محروم ہے"!

آپؐ دن کے آغاز میں جہاد پسند فرماتے تھے جس طرح سفر کے لیے، ابتدائے دن کو موزوں سمجھتے تھے اور اگر ابتدائے دن میں جنگ شروع نہ کرتے تو غروبِ آفتاب، ہواؤں کے چلنے اور نزولِ نصرتِ خدا تک مؤخر فرماتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

جو آدمی بھی فوت ہو اور اللہ کے ہاں اس کا اچھا مقام ہو۔ تو وہ دنیا اور جو کچھ دنیا کے اندر ہے سب کے عوض بھی دنیا کی طرف لوٹنا پسند نہیں کرتا۔ سوائے شہید کے کہ جب وہ شہادت کی فضیلت دیکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ اسے دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے اور اسے دوبارہ قتل کیا جائے۔ ایک روایت میں ہے اُسے دس بار قتل کیا جائے۔

جب غزوہ بدر کے موقع پر حارثہ بنت نعمان کا لڑکا شہید ہو گیا تو وہ پوچھنے لگی میرا بچہ کہاں ہے؟

آپؐ نے فرمایا: کہ وہ فردوس اعلیٰ میں ہے۔ نیز آپؐ نے فرمایا: کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹ میں ہوتی ہیں۔ ان کے لیے عرش پر معلق قندیلیں ہیں۔ وہ جنت میں جہاں چاہتی ہیں بسر کرتی رہتی ہیں۔ پھر یہ ان قندیلوں کی طرف چلتے ہیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی طرف جھانکتا ہے اور دریافت فرماتا ہے کہ کیا تمہیں مزید کسی چیز کی تمنا ہے؟ (شہداء) عرض کرتے ہیں ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں بسر کرتے ہیں۔ اب ہم کس بات کی تمنا کریں؟ اللہ تعالیٰ تین بار ان سے (دریافت فرماتا ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ جواب دیے

بغیر چھٹکارا نہ ہوگا۔ تو کہتے ہیں اے پروردگار۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری ارواح کو ہمارے اجسام میں لوٹا دے حتیٰ کہ ہم دوبارہ تیری راہ میں قتل ہوں۔ چنانچہ جب (اللہ) دیکھتا ہے کہ انہیں کوئی حاجت نہیں تو انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

نیز آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے کئی انعامات ہیں یہ کہ خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی بخش دیا جاتا ہے اور جنت میں اس کی جگہ دکھا دی جاتی ہے۔ اسے ایمان کا لباس پہنایا جاتا ہے اور حور العین سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے، اسے عذابِ قبر سے پناہ دی جاتی ہے اور وہ بڑے دن (قیامت) کی گھبراہٹ سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک یاقوت دنیا و مافیہا سے زیادہ بیش قیمت ہوتا ہے اور حسین آنکھوں والی حوروں سے اس کا نکاح کر دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے ستر اقارب کے لیے سفارش کر سکتا ہے (احمدؒ و ترمذی)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد سے کیا فرمایا؟

انہوں نے عرض کیا ارشاد!

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی سے حجاب کے بغیر کلام نہیں فرمایا اور تیرے والد کے ساتھ کھلم کھلا گفتگو کی۔ فرمایا اے میرے بندے میرے حضور سب اپنی تمنائیں کریں اسے پورا کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا، اے پروردگار مجھے دوبارہ زندہ کر دے تاکہ میں تیری راہ میں پھر سے لذتِ قتل حاصل کروں۔ (اللہ) تعالیٰ نے فرمایا: کہ یہ تو طے ہے کہ دوبارہ (دنیا کی طرف) لوٹایا نہ جائے گا۔ انہوں نے عرض کیا اے پروردگار پھر ہمارے پیچھے پیغام پہنچا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

شہداء کا مرتبہ، درجہ اور حیثیت

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

یعنی "ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں وہ اپنے پروردگار کے ہاں سے رزق پاتے ہیں"

اور سنن میں آیا ہے کہ شہید کی اپنے ستر گھر والوں کے بارے میں سفارش قبول ہوتی ہے۔ مسند میں مروی ہے کہ افضل شہداء وہ ہیں کہ جو (لڑائی) کی صف میں اس طرح جائیں کہ

اِدھر اُدھر توجہ نہ کریں، یہاں تک کہ قتل ہو جائیں۔ وہی جنت کے اعلیٰ مقامات کی طرف دوڑ رہے ہیں اور تیرا پروردگار ان کو (دیکھ کر) (مسرت سے) ہنستا ہے۔ اور جب دنیا میں تیرا رب کسی کی طرف دیکھ کر ہنس دے تو پھر کوئی حساب کتاب نہیں۔

اور شہداء کے کئی مراتب ہیں۔

(۱) ایک وہ آدمی جو مومن ہے، اس نے دشمن کا مقابلہ کیا، اللہ کی تصدیق کی یہاں تک کہ قتل ہو گیا۔ یہ وہ شہید ہے جس کی طرف لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گردن اٹھائی۔ یہاں تک کہ آپ کی ٹوپی مائل بہ سقوط ہو گئی۔

(۲) دوسرا آدمی وہ مومن ہے جس نے دشمن کا مقابلہ کیا گویا اس کی جلد پر کانٹا چبھ رہا ہے اسے تیر آن کر لگا اور وہ قتل ہو گیا یہ دوسرے درجہ میں ہے۔

(۳) وہ مومن جس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ نیک عمل کیے اور برائی بھی کی۔ پھر دشمن کا مقابلہ کیا، اللہ کی تصدیق کی اور قتل ہو گیا تو یہ آدمی تیسرے درجے میں ہے۔

(۴) اور ایک آدمی جس نے اپنے رب پر بہت ہی زیادہ ظلم و زیادتی کی۔ پھر دشمن کا مقابلہ کیا، اللہ کی تصدیق کی، یہاں تک کہ قتل ہو گیا تو یہ چوتھے درجہ میں ہے۔

اور مسند و صحیح ابن حبان میں روایت ہے کہ مقتول تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ مومن جو اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرے، دشمن کا مقابلہ کرے اور راہِ خدا میں شہید ہو جائے تو یہ ممتحن شہید ہے جو (اللہ) کے عرش کے نیچے اس کے خیمہ میں ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صرف بہ اعتبار نبوت اس سے افضل ہیں۔ دوسرا وہ مومن جس نے گناہ کیا، برائیاں بھی کیں اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا، یہاں تک کہ دشمن سے مل کر اس سے جنگ کی اور قتل ہو گیا تو ایک ہی آواز نے اس کے گناہ اور برائیاں مٹا دیں اور تلوار نے اس کے گناہ ختم کر دیے اور وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو سکے گا۔ کیونکہ اس کے آٹھ دروازے ہیں اور دوزخ کے سات۔ اور تیسرا وہ منافق جس نے اپنی جان و مال سے جہاد کیا، دشمن کا سامنا کیا اور اللہ کی راہ میں جنگ کی۔ آخر قتل ہو گیا۔ تو وہ آگ میں جائے گا (یہ جہاد) اس کے نفاق کو نہ مٹا سکے گا۔ نیز صحیح روایت میں منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: کافر اور اس کا قاتل دوزخ میں کبھی بھی جمع نہ ہوں گے۔"

| سنن ابن ماجہ میں ہے کہ سب سے

سب سے بڑا جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق

بڑا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔ نیز مروی ہے کہ آپ کی امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر جہاد کرتا رہے گا۔ اور انہیں نیچا دکھانے اور مخالفت کرنے والا ضرر نہ دے سکے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے متعلق اپنے اصحابؓ سے فرار نہ ہونے کی بیعت لیا کرتے تھے۔ لیسا اوقات آپ نے موت پر بھی بیعت لی ہے، جہاد پر بھی بیعت لی ہے جس طرح اسلام پر (قائم رہنے کی) بیعت لی ہے اور فتح سے قبل ہجرت پر بیعت لی ہے، توحید پر، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت لی ہے اور فقرا صحابہؓ سے اس بات پر بیعت لی ہے کہ وہ کسی سے کچھ نہ مانگیں گے اس کے بعد حال یہ تھا کہ کسی کے ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تو وہ اسے پکڑنے کے لیے خود اترتا اور کسی سے نہ کہتا کہ ذرا اسے اٹھا دو۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد دشمن اور منازلِ سفر کے متعلق صحابہؓ سے بہ کثرت مشورہ فرماتے۔

آں حضرت اکثر مشورہ فرمایا کرتے تھے

مستدرک میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا۔ نیز آپ سفر میں پیچھے رہتے کمزور کو ساتھ ملا کر چلاتے اور نہ چل سکنے والے کو ساتھ سوار کر لیتے اور چلنے میں آپ تمام لوگوں سے زیادہ نرم روی سے کام لیتے اور جب آپ کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو جنگی چال سے کام لیتے۔ مثلاً آپ نے جب غزوۂ حنین کا ارادہ فرمایا تو دریافت کیا کہ نجد کا راستہ کونسا ہے اور اس کا پانی کیسا؟ اور وہاں کون کون دشمن ہے وغیرہ؟[1]

آپ فرمایا کرتے کہ لڑائی فراست کا نام ہے۔ نیز آپ جاسوسوں کو بھی ارسال فرماتے وہ دشمن کی خبریں لاتے اور اس کے عساکر کا پتہ چلاتے اور جب آپ دشمن کو دیکھ پاتے تو ٹھہر جاتے دعا کرتے اور اللہ سے مدد چاہتے۔ آپ اور آپ کے صحابہؓ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے اور اپنی آواز نرم رکھتے اور آپ لشکر کو مرتب کرتے۔ ہر سمت میں صفیں قائم کرتے اور سامنے کی

---

[1] یعنی حنین کی بجائے نجد کی معلومات حاصل فرمائیں لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ہم نجد جائیں گے۔ کیونکہ یہ غلط بیانی ہوتی اور ہر نبی معصوم ہوتا ہے (رئیس احمد جعفری)

جانب مبارزت فرماتے۔ آپؐ جنگ کے لیے مخصوص لباس پہنتے۔ بسا اوقات آپ نے دو زرہیں بھی زیب تن کیں۔ نیز آپؐ کے پرچم اور جھنڈے بھی ہوتے۔ جب آپؐ کسی قوم سے مقابلہ کرتے تو تین دن تک وہاں ٹھہرتے پھر واپس آتے۔ جب حملہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو انتظار فرماتے۔ اگر وہاں اذان کی آواز سنتے تو حملہ نہ کرتے۔ ورنہ حملہ کر دیتے۔ کبھی آپ دشمن پر رات کو حملہ کرتے اور کبھی دن کو اچانک حملہ کر دیتے اور آپ جمعرات کو صبح سویرے نکلنا پسند کرتے اور جب لشکر کسی جگہ اترتا تو آپؐ ایک دوسرے کو اس طرح ترتیب دیتے کہ اگر ان پر چادر ڈال دی جاتی تو سب کو کافی ہو جاتی۔ نیز آپؐ صفیں مرتب کرتے اور جنگ کے وقت اپنے ہاتھ سے انہیں ٹھیک فرماتے اور کہتے اے فلاں آگے بڑھو، اے فلاں پیچھے ہٹ جاؤ۔ آپؐ اس آدمی کو پسند فرماتے جو اپنی قوم کے جھنڈے تلے جنگ کرے اور جب دشمن سے ملاقات کرتے تو فرماتے:

اللھم منزل الکتاب ومجری السحاب وھازم الاحزاب اھزمھم وانصرنا علیھم۔ (یعنی اے اللہ کتاب نازل کرنے والے اور بادل چلانے والے اور عساکر کو شکست دینے والے انہیں شکست دے اور ان کے خلاف، ہماری مدد فرما۔

نیز یہ دعا بھی کیا کرتے: اللھم انت عضدی وانت نصیری وبک اقاتل۔ یعنی: اے اللہ تو ہی میرا بازو ہے اور تو ہی میرا مددگار ہے اور تیری مدد ہی سے میں جنگ کرتا ہوں"۔

جب جنگ خوب تیز ہو جاتی اور لڑائی شدت اختیار کر جاتی اور دشمن آپؐ کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرتا تو فرمایا کرتے۔

انا النبی لا کذب
انا ابن عبد المطلب
میں نبی ہوں (یہ) جھوٹ نہیں۔
میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

اور جب لڑائی خوب گرم ہو جاتی تو لوگ آپؐ کے پاس آن کر پناہ چاہتے آپ دشمن کے سب سے زیادہ قریب ہوتے

جنگ کے موقع پر مسلمانوں کے خفیہ شعار | نیز لڑائی میں آپ صحابہؓ کا ایک نشان

مقرر فرما دیتے. جب وہ آپس میں ملیں (تاکہ دشمن دھوکہ دے کر شریک نہ ہو سکے) ایک بار ان کا شعار یہ تھا امت امت ایک بار یا منصور شعار مقرر کیا گیا ایک بار حم لا ینصرون شعار تھا۔ آپؐ زرہ اور خود پہن لیتے اور تلوار کو قلاوے میں رکھتے۔ نیزے اور عربی کمان اٹھاتے ہوئے۔ نیز آپؐ ڈھال سے بھی تحفظ فرماتے اور لڑائی میں آپؐ اکڑ کر چلنے کو پسند کرتے۔ آپ نے منجنیق سے کام لیا اور اسے اہل طائف کے لیے استعمال کیا آپ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرماتے تھے۔ لڑائی کے دوران میں آپؐ جسے بالغ سمجھتے اسے قتل کرتے اور جو بالغ نہ ہوتا اسے قتل کرنے سے حیاء کرتے۔ جب آپؐ کوئی فوج بھیجتے تو اسے اللہ سے ڈرنے کی وصیت فرماتے اور فرماتے! اللہ کے نام سے اور اور اللہ کی راہ میں سفر شروع کرو اور جو اللہ کا انکار کرے اس سے جنگ کرو اور مثلہ (ہاتھ پاؤں کاٹنا) نہ کرو اور نہ دھوکہ دو اور نہ بچے کو قتل کرو۔ نیز آپؐ دشمن کے علاقہ کی طرف قرآن مجید لے کر سفر کرنے کی ممانعت فرماتے اور آپؐ فوج کے امیر کو حکم دیتے کہ دشمن سے جنگ کرنے سے قبل اسے دعوت دو۔ یا اسلام اور ہجرت قبول کرے یا ہجرت کے بغیر محض اسلام قبول کرے (لیکن مؤخر صورت) میں وہ مسلمانوں کی طرح غنیمت کا حقدار نہ ہوگا اور یا پھر جزیہ ادا کرے۔ اگر یہ شرائط قبول ہوں تو ٹھیک ورنہ اللہ سے مدد چاہو۔ اور جنگ کرو اور جب آپ دشمن پر ظفر یاب ہوتے تو منادی کرنے کا حکم فرماتے اور تمام غنائم جمع کی جائیں اور چھنی ہوئی چیزیں مالکوں کو دی جائیں۔ پھر مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ (خمس) نکالتے اور باقی فوج پر تقسیم فرما دیتے۔ سوار کو تین حصے مرحمت فرماتے۔ ایک حصہ آدمی کا اور دو حصے گھوڑے کے اور پیدل کو ایک حصہ عطا فرماتے یہی مسلک آپؐ سے صحیح طور پر ثابت ہے اور غنیمت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حصہ ہوتا تھا۔ اسے صفی کہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہؓ صفی میں سے تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے بنی زہیر بن قیس کی طرف جو مکتوب مبارک ارسال فرمایا اس میں ہے کہ اگر تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور مالِ غنیمت میں سے خمس ادا کرو اور صفی ادا کرو، تو تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی امان ہے اور آپ کی ذوالفقار نام کی تلوار بھی صفی میں سے تھی اور مسلمانوں کی مصلحت کے پیشِ نظر جو غزوہ سے غائب ہوتا تو اس کا آپؐ حصہ مقرر فرماتے

جیسے آپؐ نے حضرت عثمانؓ کا بدر میں حصہ مقرر کیا۔ جب وہ غزوہ بدر میں آپؐ کی صاحبزادی کی تیمارداری کے باعث حاضر نہ ہو سکے۔ آپؐ نے فرمایا کہ عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام میں گیا ہے۔ چنانچہ ان کا حصہ نکالا گیا۔

نیز صحابہؓ جنگ کے موقع پر خرید و فروخت کرتے تھے۔ آپؐ انہیں دیکھتے اور منع نہ فرماتے ایک آدمی نے عرض کیا کہ مجھے آج اس قدر نفع حاصل ہوا ہے کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کس قدر؟ اس نے عرض کیا میں خرید و فروخت کرتا رہا یہاں تک کہ تین سو اوقیہ حاصل کر لیے۔ آپؐ نے فرمایا میں تمہیں زیادہ نفع کی بات بتاؤں؟ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا نماز کے بعد دو رکعتیں (نوافل)

نیز (صحابہؓ) غزوات میں دو طریق پر خدمات مستعار لیتے تھے۔ ایک یہ کہ آدمی جہاد کے لیے جائے اور اثنائے سفر میں خدمت کے لیے آدمی نوکر رکھ لے۔ دوسرے یہ کہ جو جہاد میں جا رہا ہے وہ دوسرے کا مال اجرت پر لے لے اسے جعائل کہا کرتے تھے۔ اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ غازی کے لیے اس کا اپنا اجر ہے اور جاعل کے لیے اجعل یعنی مال دینے) کا اجر اور غازی کے (دونوں) اجر ہیں

اور مال غنیمت میں دو طرح شرکت کیا کرتے تھے۔ ایک شرکت بدنی، دوسرے یہ کہ ایک آدمی اپنا اونٹ یا گھوڑا دوسرے کو اس شرط پر دیتا ہے کہ اس پر چڑھ کر جہاد کرے اور جو مال غنیمت ملے اس کا نصف اسے ادا کرے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک تیر کے دو حصے کیے گئے۔ چنانچہ ایک کو تیر مل گیا اور دوسرے کو اس کا پھلا اور پر ملا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عمارؓ اور سعدؓ نے بدر کے دن مشارکت کی۔ حضرت سعدؓ دو قیدی لے آئے۔ میں اور عمارؓ خالی ہاتھ آئے۔ کبھی آپؐ سوار فوج اور کبھی فوج ارسال فرماتے۔ لیکن فتح ہو جانے کے بعد جو آتا اس کا حصہ مقرر نہ فرماتے

دشمن کا مال بھی ناجائز طور پر نہیں کھایا جا سکتا

غزوات میں آپؐ کے ہمراہ مسلمان شہد، انگور اور کھانا حاصل کرتے تو کھا لیتے اور اسے مغانم میں نہ لے جاتے۔ حضرت ابن عمرؓ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک لشکر نے کھانا نیز شہد مال غنیمت میں حاصل کیا۔ آپؐ نے اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) وصول نہ فرمایا اور حضرت عبداللہ بن مغفل کو خیبر کے دن چربی کا ایک مشکیزہ ملا۔

وہ کہنے لگے آج میں اس میں سے کسی کو کچھ نہ دوں گا۔ (ابو داؤد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا اور مسکرا دیئے اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت ابن ابی اوفیٰؓ سے دریافت کیا گیا۔ کیا آپؐ رسول اللہ صلی اللہ کے عہد میں از قبیل طعام اشیاء، کا خمس دیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: فتح خیبر کے دن ہمیں کھانا ہاتھ لگا۔ جو بھی آتا حسب ضرورت لے کر چلا جاتا۔ بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ ہم غزوات میں اخروٹ کھا لیا کرتے اور تقسیم نہ کرتے تھے۔ یہاں تک ہم اپنے سامان سفر کے پاس آتے اور اُسے بھرا ہوا پاتے۔

دشمن کی لاش کا بھی حلیہ نہیں بگاڑا جا سکتا

آپؐ غزوات میں لوٹ مار کرنے اور مثلاً (ناک وغیرہ مقتول کی کاٹنا) کرنے سے منع فرماتے۔ آپؐ نے فرمایا جس نے ایک بار لوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔ ایک مرتبہ لوٹ کے مال سے چند دیگچیاں چولھے پر رکھی گئیں۔ آپؐ نے انہیں الٹ دینے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ابو داؤدؒ نے ایک انصاریؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے۔ لوگوں کو سخت حاجت لاحق ہوئی اور بڑی مشقت اٹھانی پڑی پھر انہیں مال غنیمت ملا تو (تقسیم کرنے کی بجائے) اسے لوٹ لیا۔ (اس لوٹ کے مال سے) ہماری دیگچیاں ابل رہی تھیں کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمان کے سہارے چلتے ہوئے تشریف لائے اور اسی سے دیگچیاں الٹ دیں۔ پھر فرمایا۔

لوٹ کا مال مردار سے حلال نہیں ہوتا اور مردار لوٹ سے حلال نہیں ہوتا۔

نیز آپؐ نے مالِ غنیمت کے جانور پر سواری کرنے کی ممانعت فرمائی کہ جب کمزور ہو جائے تو لوٹا دے اور اسی طرح مالِ غنیمت میں سے لباس نہیں پہنا کہ جب پرانا ہو جائے تو لوٹا دے (اس کی بھی ممانعت فرمائی)، البتہ حالتِ جنگ میں اس سے استفادہ کرنے کی ممانعت نہیں کی۔

خیانت کسی حالت میں جائز نہیں

اور آپؐ غلول (خیانت کر کے مال چھپا لینا)، کی سخت ترین مخالفت کیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے یہ قیامت کے دن اس کے مرتکب پر عار ہوگی آگ ہوگی اور رسوائی ہوگی۔ جب آپ کے غلام مدعم کو تیر لگا تو صحابہؓ کہنے لگے: اسے جنت مبارک ہوگی

آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے غزوہ خیبر

کے دن مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے جو چادر اس نے لے لی تھی وہ اس پر آگ کی صورت میں جلائی جا رہی ہے۔ یہ سن کر ایک آدمی ایک یا دو تسمے لے آیا، تو آپؐ نے فرمایا ایک یا دو تسمے آگ کے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ غلول اور اس کی شدت و برائی کا ذکر کیا اور فرمایا میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو اس طرح نہ ملوں کہ اس کی گردن پر بکری سوار ہو اور چیخ رہی ہو یا گھوڑا اس کی گردن پر سوار ہنہنا رہا ہو۔ اور وہ کہے اے اللہ کے رسول میری مدد فرمائیے اور میں کہوں گا کہ تیرے لیے میرے بس میں کچھ نہیں۔ میں نے تمہیں (اسلام کا حکم) پہنچا دیا تھا یا کسی کی گردن پر خاموش (سونا چاندی) سوار ہو اور وہ کہے اے اللہ کے رسول میری مدد فرمائیے میں کہوں کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ سے بچانے کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں۔ میں نے تجھے (اسلام کا حکم) پہنچا دیا تھا یا کوئی ایسا ہو کہ جس کی گردن پر گٹھری رکھی ہو جس سے اس کا سانس بند ہو رہا ہو اور وہ کہے۔ اے اللہ کے رسول میری مدد فرمائیے تو میں کہوں گا تیرے متعلق مجھے کچھ اختیار نہیں۔ میں نے تجھے (اسلام کے احکام) پہنچا دیے تھے۔ نیز سامان کے ایک پہریدار کے مرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا یہ آگ میں ہے۔

چنانچہ (صحابہؓ) گئے اور اس کی تلاشی لی تو دیکھا کہ اس نے ایک عباء کی خیانت کی تھی۔

ایک غزوے میں صحابہؓ نے کہا کہ فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے۔ یہاں تک کہ آدمی کے پاس سے گزرے اور کہنے لگے کہ فلاں بھی شہید ہے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اسے دوزخ میں ایک چادر یا عباء کی وجہ سے دیکھا جو اس نے خیانت سے چھپا لی تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب جاؤ اور جا کر لوگوں میں منادی کر دو کہ جنت میں ایمان والوں کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا۔

خیبر کے دن ایک آدمی فوت ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ذکر کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا اپنے ساتھی کا جنازہ (خود) ہی پڑھ لو۔ (مارے غم) کے لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا تمہارے ساتھی نے اللہ کی راہ (کے مال میں) کچھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ سامان کی تلاشی لی تو یہودیوں کا ایک منکہ دستیاب ہوا جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔

جب آپؐ کو مالِ غنیمت حاصل ہوتا تو حضرت بلالؓ کو حکم فرماتے سب لوگ مالِ غنیمت لے کر حاضر ہو جاتے آپؐ اس کا خمس نکال لیتے اور (باقی) تقسیم فرما دیتے۔ ایک آدمی (تقسیم کرنے) کے بعد بالوں کی ایک لگام لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے بلال کی ندا تین بار سنی؟ اس نے عرض کیا ہاں!

آپؐ نے فرمایا کہ پہلے لانے میں کیا رکاوٹ پیش آئی تھی؟ اس نے عذر کیا۔ آپؐ نے فرمایا تو اسے قیامت کے روز لائے گا۔ اب میں تجھ سے ہرگز قبول نہ کروں گا[1]!

---

[1] جنگ آج سے ۱۴ سو برس پہلے بھی ہوتی تھی آج بھی ہوتی ہے، دشمن کے سپاہی آج سے ۱۴ سو برس پہلے بھی لڑتے تھے، آج بھی لڑتے ہیں، آج سے ۱۴ سو برس پہلے کا زمانہ جہالت کا زمانہ تھا، بربریت، سفاکی، وحشت اور جفا کاری کا زمانہ تھا، آج کا زمانہ، انسانیت، تہذیب، شائستگی اور مدنیت کا زمانہ ہے، لیکن کیا آج کے زمانے میں بھی دشمن کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے، وہی رعایتیں کی جاتی ہیں، وہی سہولتیں عطا ہوتی ہیں؟ آج سے چودہ سو برس پہلے عرب کے امیؐ نے عطا فرمائی تھیں؟ ۔ کلّا ثم کلّا!

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں ایک عظیم الشان انقلاب سے دنیا کو روشناس کیا اور یہ ایسا انقلاب تھا جو آج بھی بالکل تازہ اور نیا معلوم ہوتا ہے۔

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کی یاد، اس کے اثرات و نتائج آج بھی بہت سے دماغوں میں تازہ ہوں گے۔ ان دونوں جنگوں میں فاتح نے مفتوح کے ساتھ جو سلوک کیا اور جس طرح اسے تڑپا تڑپا کر ہلاک کیا اور جس طرح مفتوحہ شہروں کو پامال کیا، اس کی مثال کیا پیغمبر صحراؐ کے عہد گرامی میں بھی ملتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی جنگ بھی ایک رحمت ہے، اگرچہ لوگ اپنی نادانی اور جہالت کے باعث اس کا اعتراف نہ کریں!

(رئیس احمد جعفری)

جہاد اور اس کی فضیلت

جہاد کی قسمیں، مجاہد کے درجات، اللہ کی نعمت

احکام جہاد کے تدریجی مرحلے

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اور اپنے مومن بندوں کی نصرت و نوازی [نوازش] عداوت اور باہمی جنگ کے بعد ان کے قلوب میں محبت ڈال دی چنانچہ اللہ تعالیٰ کے انصار اور مومنین نے آپؐ کو ہر سیاہ و سفید (دشمن) سے بچانے کی کوشش کی اور آپؐ کی خاطر ہر قسم کا جہاد کیا اور اپنے والدین، اولاد اور بیویوں پر آپؐ کو ترجیح دی اور آپؐ ان کے نزدیک اپنی زندگی سے کہیں زیادہ قابل (محبت تھے) چنانچہ عرب اور یہود نے مل کر ان کا مقابلہ کیا جنگ اور عداوت پر اتر آئے۔ اور ہر جانب سے ان پہ حملہ کر دیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ انھیں صبر اور معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دے رہا تھا۔ آخر ان کو بھی شوکت و قوت حاصل ہوئی اور ان کے بازوؤں میں بھی توانائی آگئی تو انھیں جہاد کی اجازت دی گئی لیکن یہ فرض نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ، یعنی جن سے مقاتلہ کیا جاتا ہے، انھیں اجازت ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

آیۂ جہاد کے بارے میں انکار

ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور یہ اذن مکہ میں داخل ہے۔ یہ نظریہ کئی دلائل سے غلط ہے، ایک تو یہ کہ اللہ نے مکہ میں قتال کی اجازت نہیں دی تھی اور نہ مسلمانوں کو کوئی خاص شوکت حاصل تھی کہ جس کی بنا پر وہ مکہ میں قتال کر سکتے۔ دوسرے آیت کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ اذن ہجرت اور گھروں سے خارج کرنے کے بعد ملا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ، یعنی "جنھیں اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا مگر وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے"

اور یہ مہاجرین کی جماعت تھی۔ تیسرے کہ مستدرک حاکمؒ میں حضرت اعمشؒ نے انھوں نے مسلم بطینؒ سے انھوں نے حضرت سعیدؓ بن جبیرؒ سے انھوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے۔ تو ابوبکرؓ نے فرمایا، مشرکین نے اپنے نبی کو نکال دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ یقیناً ہلاک ہو جائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا، یہ قتال کے متعلق پہلی آیت ہے

جہاد فرض قرار دیا گیا

اس کے بعد ان کے مقابلہ میں جو مقاتلہ کریں، جہاد کرنا فرض قرار دیا گیا، اور فرمایا، وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ، "یعنی اللہ کے راستہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے برسر پیکار ہیں۔"

اس کے بعد تمام مشرکین کے خلاف جہاد فرض ہو گیا، اب یہ یا تو فرض عین ہے، جیسے دو اقوال میں سے ایک مروی ہے، یا مشہور قول کے مطابق فرض کفایہ ہے۔ بہرحال از روئے تحقیق جہاد کرنا فرض عین ہے، دل سے یا زبان سے یا مال سے یا ہاتھ سے، اس طرح ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ انواعِ جہاد میں سے کسی نہ کسی نوع کا جہاد ضرور کرے۔

رہا جہادِ نفس (جان کے ساتھ جہاد کرنا) یہ فرض کفایہ ہے اور جہاد بالمال کے متعلق دو قول مروی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ واجب ہے کیونکہ قرآن مجید میں جہاد بالنفس اور جہاد بالمال کو ایک ہی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

اس آیت میں آگ سے نجات اور گناہوں کی بخشش اور دخولِ جنت کو اس (جہاد) سے مشروط کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

یعنی "اے ایمان والو، کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی خبر دوں (جو) تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے، تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہو اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرتے ہو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم جانتے ہو۔ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور پاکیزہ مکانات عدن کے باغات میں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

پھر جب کہ مدعیانِ محبت کی کثرت ہوگئی تو ان سے مطالبہ ہوا کہ دعوے کے ثبوت میں دلیل پیش کریں (اور وہ ثبوت یہ تھا)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ "یعنی کہہ دو، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت رکھے گا۔"

اس پر تمام مخلوق پیچھے ہٹ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور آپ کی سنتِ طیبہ واخلاقِ حسنہ میں (حب اللہ) محدود ہوگئی۔ اس طرح ان سے ایک واضح عدالت طلب کی گئی، اور فرمایا گیا کہ تزکیہ کے بغیر عدالت قبول نہیں کرتے (اور تزکیہ بھی ایسا کہ جس کے ساتھ ساتھ) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں اور کسی ملامت سے نہ ڈریں۔ اس مقام پر محبت کے کئی دعوے دار پیچھے ہٹ گئے اور مجاہدین کھڑے رہے۔ پھر کہا گیا کہ محبت کرنے والوں کی جان اور مال ان کا اپنا نہیں۔ اس لیے جس پر عہد قائم ہوا وہ حوالے کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کا جان و مال خرید لیا کہ انھیں جنت ملے گی۔ اور ضروری ہے کہ یہ عہد جانبین کی طرف سے تسلیم کیا جائے اور جب تجار نے خریدی ہوئی چیز کی عظمت اور قیمت کا اندازہ کر لیا جس کے مبارک ہاتھوں پر عہد ہو رہا ہے۔ اس کے جلال اور جس کتاب میں عہد ہو رہا تھا اس کتاب کا مرتبہ و مقام محسوس کر لیا، تو انھیں یقین ہوگیا کہ اس مبیعہ کی وہ شان وعظمت ہے جو کسی دوسرے مبیعہ کی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انھیں معلوم ہوگیا کہ اگر اسے چند کھوٹے درہم (دنیا) کی خاطر بیچ دیا گیا تو یہ سخت نقصان اور واضح بددیانتی ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے بغیر کسی قیل وقال کے اپنی رضامندی اور اختیار و ارادہ کے ساتھ مشتری کے ساتھ بیع کر لی۔ اب جب بیع مکمل ہو چکی اور مبیعہ (چیز) حوالے کر دی گئی، تو انھیں بتا دیا گیا کہ اب تمہارے مال اور تمہاری جان ہماری ملکیت بن چکی ہیں۔ اور ہم انھیں تمہارے پاس جو کچھ تمہارا ہے بہتر اور تمہارے اموال کے ساتھ مزید اموال تمہیں دیں گے۔ اور یہ مت سمجھو کہ جو اللہ کے راستہ میں قتل ہوئے وہ مر چکے ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے انھیں رزق دیا جاتا ہے، اور

ہم تم سے تمہارے مال اور تمہاری جانیں نہیں مانگتے کہ تم پر نفع چاہیں بلکہ اس لیے کہ چیز کی قبولیت کے بعد اس کے جود وسخا کا اظہار ہو۔ اور مزید عطا کرنا بڑی قیمت ہے۔ پھر ہم نے قیمت اور خریدی ہوئی چیز بھی تمہیں عطا کی۔

حضرت جابرؓ کے واقعہ کی طرف اشارہ

دیکھیے حضرت جابرؓ کے واقعہ میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک اونٹ خریدا پھر اس کی قیمت ادا کی اور زیادہ (قیمت) عطا فرمائی (مزید برآں) اونٹ بھی واپس کر دیا۔ اور ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد کے متعلق، اللہ تعالیٰ کا فیاضانہ (سلوک) بتایا، اور خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والدؓ کو زندہ کیا اور ان سے گفتگو فرمائی۔

اور مزید برآں اس عہد پر مدح و تعریف بھی فرمائی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر میری امت پر سختی نہ (نظر) آتی تو میں ہر لشکر کے پیچھے بیٹھتا، اور میں چاہتا ہوں کہ مجھے اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے، پھر زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے پھر مجھے زندہ کیا جائے اور فرمایا، اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس روزے دار کی طرح ہے جو اللہ کے احکام پر عامل و قائم ہو اور روزے اور نماز سے بالکل سست نہ ہو۔ یہاں تک کہ مجاہد اللہ کے راستہ سے واپس آجائے اور مجاہد فی سبیل اللہ کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اس سے وفا کرے گا۔ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا یا اسے اجر اور مالِ غنیمت سمیت واپس کرے گا۔

نیز آپؐ نے فرمایا، اللہ کے راستہ میں جانا یا آنا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ نیز اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ میرے بندوں میں سے جو بندہ بھی میرے راستہ میں میری رضا کی خاطر نکلے گا۔ میں اسے ضمانت دوں گا کہ اسے جو اجر یا غنیمت ملے گی اس کے ساتھ واپس کروں گا، اور اگر میں نے اس کو لے لیا تو اسے بخش دوں گا، اس پر رحم کروں گا اور اسے جنت میں داخل کروں گا۔

اور فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، کیونکہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ غم و اندوہ سے نجات دیتا ہے۔

نیز فرمایا، کہ جنت میں سو درجات ہیں جنھیں، اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھا ہے ہر دو درجوں کے درمیان آسمان و زمین کے برابر فاصلہ ہے اس لیے جب اللہ سے درخواست کرو، تو

فردوس کی درخواست کرو، کیونکہ یہ اوسط اور اعلیٰ جنت ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور یہیں سے جنت کی انہار شروع ہوتی ہیں۔ نیز فرمایا جو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے دربان بلائیں گے جو ہر دروازے پر ہوں گے تو جو اہل نماز سے ہوگا اسے باب الصلوۃ سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل جہاد میں سے ہوگا اسے باب جہاد سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل صدقہ میں سے ہوگا اسے باب الصدقہ میں سے بلایا جائے گا، اور جو اہل صیام (روزہ داروں) میں سے ہوگا اسے باب الریان سے بلایا جائے گا۔

حضرت ابوبکرؓ کا مرتبہ بلند

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جسے ہر دروازے سے بلایا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو گے۔

جہاد کرنے والے کے درجات

سنن ابن ماجہؒ میں مروی ہے کہ جو اللہ کی راہ میں نفقہ بھیجے اور اپنے گھر میں ٹھہرا رہے اسے ہر درہم کے عوض سات سو درہم عطا کرے گا، اور جو اللہ کی راہ میں اپنی جان سے جہاد کرے اور نفقہ بھی اپنے پاس سے کرے تو اسے ایک درہم پر سات لاکھ درہم عطا ہوں گے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ، یعنی اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے دوگنا عطا کرتا ہے۔"

نیز آپؐ نے فرمایا جو اللہ کی راہ میں مجاہد کی مقروض کی ادائے قرض میں یا مکاتب (غلام) کی آزادی حاصل کرنے میں مدد کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے (عرش) کے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے (عرش) کے بغیر کوئی سایہ نہ ہوگا اور فرمایا کہ جس کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے، اللہ نے انہیں آگ پر حرام کر دیا اور فرمایا کہ بخل اور ایمان ایک آدمی کے قلب میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں ایک بندے کے چہرے پر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ایک جگہ "ایک دل میں" کے الفاظ منقول ہیں۔ ایک جگہ "ایک آدمی کے پیٹ میں" مذکور ہے۔ ایک جگہ "ایک مسلمان کے نتھنوں میں" تحریر ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ جس کے قدم اللہ کی راہ میں دن کی ایک ساعت غبار آلود ہو گئے تو وہ آگ پر حرام ہیں۔ نیز ان سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایک آدمی کے پیٹ میں اللہ کے راہ کی غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں کرتا اور اللہ کی راہ میں جس کے قدم غبار آلود ہوئے اللہ نے اس کے تمام جسم پر آگ حرام کر دی اور جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھا اللہ تعالیٰ نے

اس سے تیز چلنے والے سوار کے ایک ہزار سال کے سفر کے برابر آگ دوری کردی۔ اور جسے اللہ کی راہ میں ایک زخم پہنچا، اس پر شہداء کی مہر لگ گئی۔ قیامت کے دن اس کا نور ہوگا، جس کا رنگ زعفران کا سا اور جس کی خوشبو مشک کی سی ہوگی۔ تمام پہلے اور بعد میں آنے والے اسے پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ فلاں پر شہداء کی مہر ہے اور جو اللہ کی راہ میں اونٹنی کے حصہ پر جہاد کرے گا۔ اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ نیز آپؐ نے فرمایا ایک دن رات (اللہ کی راہ) میں پہرہ دینا، ایک ماہ کے روزے اور رات کے قیام سے بہتر ہے اور اگر اسی حالت میں فوت ہوگیا تو اس کا عمل جاری رہے گا۔ اور اس کا رزق برابر آتا رہے گا، اور فتنوں سے محفوظ رہے گا۔"

اور فرمایا، کہ کوئی آدمی بھی جب مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے۔ سوا اس کے جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے فوت ہوجائے اس کا عمل قیامت تک بڑھتا ہی رہتا ہے، اور قبر کے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ نیز فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا پہرہ دینا گھر میں ایک ہزار دن (کی عبادت) سے افضل ہے۔

امام احمدؒ نے آپؐ کی روایت نقل کی کہ جو مسلمانوں کے ساحل کا تین دن پہرہ دے اسے ایک سال کے (رباط) کا ثواب ہوگا۔ نیز آپؐ سے مروی ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک رات پہرہ دینا اس سے افضل ہے کہ ایک ہزار رات کا قیام کرے اور اس کے (ہزار) ایام کا روزہ رکھا جائے۔ نیز آپؐ نے فرمایا، اس آنکھ پر آگ حرام کردی گئی۔ جو اللہ کے ڈر سے آنسو بہائے یا رو دے اور اس آنکھ پر آگ حرام کردی گئی، جو اللہ کی راہ میں بیدار ہو۔

نیز آپؐ نے فرمایا جسے جہاد میں ایک تیر کا حصہ ملا، اسے جنت میں ایک درجہ حاصل ہوا۔ اور فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں ایک تیر چلایا وہ آزاد (آگ سے) ہے، اور جو اللہ کی راہ میں بوڑھا ہوا، قیامت کے دن اس کے لیے ایک نور ہوگا، ترمذیؒ کے نزدیک ایک درجہ سو سال کے برابر ہے، نسائی کے نزدیک پانچ صد سال (کے سفر) کا ایک درجہ ہوتا ہے۔

میدانِ جنگ کی باتیں

اسیرانِ جنگ، فدیہ، جنگی غلام، جاسوسی، مالِ غنیمت

مکہ بزورِ شمشیر فتح ہوا یا از روئے صلح؟

جنگی قیدیوں میں سے بعض کو ازراہِ احسان آپؐ نے رہا کر دیا، بعض سے فدیہ لیا اور چھوڑ دیا۔ بعض پر چاکری عائد کر دی اور بعض کو قتل کیا۔ حسب تقاضائے مصلحت آپؐ نے یہ جملہ صورتیں اختیار فرمائی ہیں

بدر کے قیدیوں کو آپؐ نے فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ اور فرمایا، اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے سفارش کرتا تو میں انھیں ابھی چھوڑ دیتا۔

صلح حدیبیہ میں ستر مسلح آدمیوں نے حملہ کرنا چاہا انھیں پکڑ لیا گیا۔ آپؐ نے ان پر احسان فرمایا اور (چھوڑ دیا) بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کیا گیا، تو آپؐ نے اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر آزاد کر دیا اور وہ اسلام لے آیا۔ بدر کے قیدیوں کے متعلق آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت صدیقؓ نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تاکہ (مسلمانوں) کو دشمن کے مقابلہ میں قوت حاصل ہو جائے اور شاید اللہ تعالےٰ انھیں اسلام کی ہدایت دے دے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ اللہ کی قسم میرا خیال وہ نہیں جو ابوبکرؓ کا ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آج ہم نے انھیں پکڑ لیا ہے تو ہمیں ان کی گردنیں ماردینی چاہئیں کیونکہ یہ لوگ کفر کے امام اور پیشوا ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو تسلیم فرمایا اور حضرت عمرؓ کی رائے کو ترجیح نہ دی۔ جب صبح ہوئی حضرت عمرؓ حاضر ہوئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ دونوں رو رہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپؐ اور آپؐ کے ساتھی (ابوبکرؓ) کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ اگر مجھے رونا آگیا، تو میں

روؤں گا اور اگر رونا نہ آیا تو آپکے گریہ کے باعث تکلف سے روؤں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ گریہ فدیہ کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا كَانَ لِلنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض، یعنی کسی نبی کو جائز نہیں کہ اس کے قیدی ہوں، یہاں تک کہ وہ زمین پر اچھی طرح غالب آجائے۔

ابوبکرؓ و عمرؓ کی تشبیہ ابراہیمؑ و نوحؑ سے

اس مسئلہ میں لوگوں کی دو رائیں ہیں:۔ ایک گروہ نے اس حدیث کے باعث حضرت عمرؓ کے قول کو ترجیح دی۔ دوسرے گروہ نے حضرت ابوبکرؓ کے قول کو اس وجہ سے ترجیح دی کہ حکم اسی طرح قائم رہا۔ کتاب نے اسے حلال کردیا۔ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب آگئی۔ نیز صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوبکرؓ کو ابراہیم اور عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی اور عمرؓ کو حضرت نوح اور موسیٰ علیہما السلام سے مشابہ بتایا اور ان قیدیوں کے اسلام لانے کے باعث خیر عظیم حاصل ہوا اور ان کے اصلوب سے مسلم اولاد ہونے اور فدیہ لینے کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہوئی۔ باقی رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گریہ، تو وہ رحمت کے سبب تھا۔ جب آپؐ نے دنیا چاہنے والوں پر عذاب کا نزول ہوتے دیکھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ نے دنیا کی خواہش کی ہی نہیں تھی (ان کا مطلب تو محض مسلمانوں کی خیر خواہی تھاؐ)

انصارؓ نے اجازت چاہی کہ عم رسولؐ عباس سے فدیہ کی رقم نہ لی جائے۔

آپؐ نے فرمایا، ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔

مسلمہ بن اکوع نے ایک لونڈی کی درخواست کی جو حضرت ابوبکرؓ نے کسی غزوہ میں آپؐ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کی تھی۔ آپؐ نے عطا فرما دی۔ مسلمہ نے اسے مکہ بھیجا۔ اور کچھ مسلمانوں کو اس کے عوض میں رہا کروایا۔ اور عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حرث کو قتل کردیا گیا کیونکہ یہ دونوں اللہ اور

لہ میں ایسی تمام روایات کو محل نظر سمجھتا ہوں، جن سے کسی دوسرے شخص کی رائے، آں حضرتؐ کے مقابلہ میں صائب ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ یہ چیز شانِ محمدی کے بھی خلاف ہے، اور مرتبۂ رسالت کے بھی۔

لہ اسلام کی مساوات کے سامنے عم رسولؐ اور ایک عام شخص میں کوئی فرق نہیں۔

(رئیس احمد جعفری)

اور اس کے رسول سے سخت ترین عداوت رکھتے تھے۔[1]

امام احمدؒ نے حضرت ابن عباس رضؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ کچھ قیدی ایسے تھے جن کے پاس فدیہ دینے کے لیے مال نہ تھا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ یہ مقرر فرمایا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کے علاوہ کسی کام کو بھی فدیہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

آپؐ کی سنتِ طیبہ یہ تھی کہ گرفتار ہونے سے قبل جو اسلام لے آتا، وہ ہرگز غلام نہ بنایا جاتا[3] اور جس طرح اہل کتاب کے گرفتار شدگان غلام بنائے جاتے اس طرح عرب قیدیوں کو بھی غلام بنالیا جاتا۔ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس باندی تھی۔ آپؐ نے فرمایا، اسے آزاد کر دو، کیونکہ یہ بنی اسماعیل سے ہے۔ اور جب آپؐ نے بنی مصطلق کے غلاموں کو تقسیم فرمایا تو حضرت جویریہؓ بنت حرث ثابت بن قیس بن شماس کی چاکری میں آگئیں جن سے انھوں نے مکاتبت کرلی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت کی رقم ادا فرمائی اور نکاح فرمالیا۔ آپؐ کے نکاح کے بعد اس رشتہ کی وجہ سے بنی مصطلق کے ایک سو غلام آزاد کر دیئے گئے[4] اور یہ خالص عرب تھیں۔

ماں اور بچہ میں جدائی نہ کرائی جائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باندی ماں سے اس کے بچے کو علیحدہ کرنے کی ممانعت فرماتے تھے، اور فرمایا کرتے۔

جو ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالے گا، قیامت کے روز اللہ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان جُدائی ڈال دے گا۔[5] آپؐ کے پاس غلام آتے تو آپ مجموعی طور پر بخشتے تاکہ ان میں جُدائی نہ پڑے۔

مسلمانوں کے خلاف جاسوسی

آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے مشرکین میں سے ایک جاسوس کو قتل کیا اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے حاطب کو

---

[1] صرف عداوت ہی نہیں رکھتے تھے، مفسدہ پرداز، فتنہ انگیز اور حد درجہ شریر بھی تھے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو معاف کر دیتے تھے۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم کی آپؐ کی نظر میں کس درجہ اہمیت اور وقعت تھی۔

[3] اس سے بڑی دلیل ان فقہا کے خلاف کوئی نہیں ہوسکتی، جو مسلمان کو غلام تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام غلامی کو ساقط کر دیتا ہے۔ [4] آنحضرتؐ کے زمانہ میں کوئی جنگی قیدی غلام نہیں بنایا گیا، سوا وقتی طور پر کسی مصلحت کے ماتحت، اور پھر کوئی آڑے کوئی پورے کے پورے آزاد کر دیئے گئے۔

[5] صلہ رحم کی اسلام نے زیادہ سے زیادہ تاکید کی ہے اور یہ چیز دشمنوں اور میدان جنگ کے حریفوں کے ساتھ بھی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

قتل نہیں کیا، حالانکہ انھوں نے جاسوسی کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کی اجازت مانگی تو آپؐ نے فرمایا، تمھیں کیا علم اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھ کر فرما دیا تھا، "اب تم جو چاہو کرو۔ میں نے تمھیں بخش دیا"۔ اس سے امام شافعیؒ، احمدؒ اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے کہ مسلمان جاسوس کو قتل نہ کیا جائے[1] اور امام مالکؒ اور اصحابِ احمد رحمہم اللہ قتل کا فتویٰ دیتے ہیں اور یہی رائے زیادہ قوی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

مشرکین کے غلام مسلمان علاقہ میں آزاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ تھی کہ مشرکین کے غلام اگر مسلمانوں کے علاقہ میں آجاتے تو انھیں آزاد سمجھتے اور فرماتے، یہ اللہ عزوجل کے آزاد کردہ ہیں۔ نیز آپ کی سنت طیبہ یہ بھی تھی کہ کوئی مسلمان ہو جاتا تو اس کے پاس جو کچھ ہوتا، اسی کے پاس رہنے دیتے۔ نیز زمانۂ کفر اور جنگ میں کافر مسلمانوں کو خواہ کتنا ہی جانی و مالی نقصان پہنچا چکے ہوں (اسلام لانے کے بعد) ان پر جرمانہ عائد نہ کرتے[2]۔

حضرت صدیقؓ نے مرتدین کے گھروں سے مسلمانوں کی جان و مال کا خونبہا دینا چاہا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ اللہ کے راستہ میں قتل ہوئے ان کا اجر اللہ پر ہے اور شہید کا خونبہا نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے قول پر صحابہؓ کا اتفاق ہو گیا۔

غنیمت کی زمین کے متعلق آنحضرتؐ کی سنتِ طیبہ

آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے بنی قریظہ، بنی نضیر اور خیبر کی زمینیں غانمین کے درمیان تقسیم فرمائیں۔ مدینہ منورہ کو قرآن مجید نے فتح کیا تھا۔ کتاب اللہ ہی کے باعث وہ مسلمان ہو گئے تھے، اور اپنے دین پر سختی سے قائم رہے، مگر مکہ بزورِ قوت فتح ہوا تھا، اس لیے تقسیم نہیں کیا گیا۔ علمائے کرام کے نزدیک اس کی حیثیت متعین کرنا بھی مشکل ہو گئی ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ چونکہ دارالمناسک (مناسکِ حج کی جگہ) ہے اور یہ مسلمانوں پر وقف ہے اور وہ تمام اس میں شریک ہیں اس لیے اس کی تقسیم محال ہے۔ اس وجہ سے بعض علمائے کرام اس کی فروخت یا اجارہ ممنوع بتاتے ہیں۔ اور بعضوں نے اس کی اچھی زمینوں کی فروخت کو جائز کہا ہے، اور

---

[1] مجرم بہرحال مجرم ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اسلام اس طرح کی کوئی تفریق پسند نہیں کرتا (رئیس احمد جعفری)

[2] تبلیغ اسلام کا سب سے بڑا اور کامیاب ذریعہ یہی طرزِ عمل تھا۔ (رئیس احمد جعفری)

اجارت (کرایہ پر دینا) کو ممنوع بتایا امام شافعیؒ نے چونکہ قوت سے (فتح مکہ) اور تقسیم نہ ہونے کو جمع نہیں کیا اس لیے انھوں نے فرمایا ہے کہ (مکہ) صلح سے مفتوح ہوا، اس وجہ سے تقسیم نہ ہوا، اور فرمایا، کہ اگر مکہ قوت کے بل پر فتح ہوتا تو اس کی حیثیت غنیمت کی سی ہوتی۔ پھر اس کی تقسیم بھی واجب ہوجاتی، جیسے کہ حیوان اور منقولہ چیز کی تقسیم واجب ہوتی ہے۔ اور ان کے نزدیک مکہ کی زمینوں کی بیع و اجارت میں کوئی ہرج نہیں اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ مالکوں کی ملکیت ہے۔ ان کی وراثت چل سکتی ہے اور وہ ہبہ کرسکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مالک کی طرف ملکیت منسوب کی ہے۔ نیز حضرت عمرؓ بن خطاب نے صفوان بن امیہ سے ایک مکان خریدا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، مکہ میں آپؐ کا کل کہاں قیام ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا، کیا عقیل نے (مکہ) میں کوئی جگہ ہمارے لیے چھوڑی بھی ہے؟ اور عقیل ابوطالب کے وارث بنے تھے۔ اور جب اصل یہ ہے کہ زمین غنائم میں سے ہے اور غنائم کی تقسیم واجب ہے اور مکہ کی ملکیت ہوسکتی ہے۔ اس کے مکانات اور زمین کی خرید و فروخت ہوسکتی ہے اور تقسیم نہیں ہوسکتیں تو یہ چیز لازم نہیں کہ یہ "شہر صلح سے مفتوح ہوا"۔ جو آدمی احادیث صحیحہ کا مطالعہ کرے وہ دیکھ لے گا کہ تمام روایات جمہور کے قول کی حمایت کرتی ہیں کہ یہ شہر فتح ہوا۔ اس میں اختلاف ہوگیا کہ تقسیم کیوں نہیں ہوا؟ ایک جماعت کے خیال میں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ شہر قربانی اور عبادت کی جگہ ہے، اس لیے تمام مسلمانوں کے لیے وقف ہے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ تقسیم کردے یا وقف رہنے دے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم فرمایا، اور مکہ کو تقسیم نہیں کیا اس سے دونوں امور کا جواز نکلتا ہے ان کا کہنا ہے کہ زمین کو تقسیم کرنے سے یہ غنائم ماموره میں شامل نہیں ہوجاتی، بلکہ غنائم کا اطلاق تو صرف چوپاؤں اور منقولہ جائداد پر ہی ہوسکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے سوا کسی دوسری امت پر غنائم کو حلال قرار نہیں دیا، اور ان کے لیے دارالکفر مباح قرار دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ (الآیۃ) آخر تک

یعنی اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا، اے قوم اپنے آپ پر اللہ کے انعامات کو یاد کرو"

پھر اس آیت کے آخر میں فرعون اور اس کی قوم اور ان کی زمینوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو ان (زمینوں) کا وارث بنا دیا"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین غنائم کے تحت شمار نہیں ہوتی۔ امام کو اختیار حاصل ہے کہ مصلحتِ وقت کے لحاظ سے جو چاہے کرے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم بھی کیا اور ترک بھی کیا۔ حضرت عمرؓ نے تقسیم نہیں کیا بلکہ اسی طرح رہنے دیا

اور اس پر دوامی خراج عائد کردیا تاکہ امورِ جنگ میں اس سے مدد لی جاسکے۔

مکہ بزورِ شمشیر فتح ہونے کے چند دلائل

ایک یہ کہ کسی سے یہ منقول نہیں کہ جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت اہل مکہ سے مصالحت کی ، اور نہ اس علاقہ کے رہنے والوں میں سے کسی ایک کے ساتھ صلح کا کوئی واقعہ منقول ہے بلکہ جب ابوسفیان حاضر ہوا، تو آپ نے اسے ، جو اس کے گھر میں داخل ہوجائے ، یا اپنا دروازہ بند کرلے یا مسجد میں داخل ہوجائے یا ہتھیار ڈال دے امان دے دی ۔ اگر یہ شہر محض صلح سے مفتوح ہوتا تو آپ یہ نہ فرماتے کہ جو اپنے گھر میں داخل ہوجائے، یا دروازہ بند کرلے یا مسجد میں داخل ہوجائے تو اسے امان ہے ۔ کیونکہ صلح تو خود ہی عمومی امن کی ضمانت ہوتی ہے ۔

دوسرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں (فیل) کو مکہ سے روک دیا اور اپنے رسول اور ایمان والوں کو اس پر مسلط فرمایا ۔ اور مجھے دن کی ایک گھڑی (مقاتلہ) کی اجازت مرحمت فرمائی ۔ یہ الفاظ صراحت کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ مکہ قوت سے مفتوح ہوا نیز صحیح روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فتح مکہ کے دن حضرت خالد بن ولیدؓ کو دائیں جانب اور حضرت زبیرؓ کو بائیں جانب مقرر فرمایا ۔ حضرت ابوعبیدہؓ کو میدانی علاقہ میں مقرر فرمایا اور حکم دیا ، اے ابوہریرہؓ ، انصار کو بلالاؤ (انصارؓ) دوڑتے ہوئے حاضر ہوئے آپ نے فرمایا ، اے انصار کی جماعت ! کیا تم قریش کے آوارہ لوگوں کو دیکھ رہے ہو ؟ انھوں نے عرض کیا ، ہاں ! آپ نے فرمایا ، دیکھو ، جب صبح تم ان سے مقابلہ کرو (ملو) تو انھیں پیس کر رکھ دو ۔ اور آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا ، اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیا (بتایا) اور فرمایا کوہِ صفا پر تمہارے ساتھ وعدہ (ملاقات) ہے ۔ انصار حاضر ہوئے تو صفا پر چکر لگائے ، فرمایا کہ آج جو بھی انھیں دکھائی دے اسے سلادو ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھے اور انصار حاضر ہوئے اور ابوسفیان حاضر ہوا اور کہنے لگا ۔

اے اللہ کے رسول قریش کے اشراف ہلاک کردیئے گئے ، آج کے بعد کوئی قریش نہ ہوگا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اسے امان ہے اور جو ہتھیار پھینک دے اسے امان ہے اور جو دروازہ بند کرلے اسے امان ہے ۔

نیز حضرت ام ہانی نے ایک آدمی کو امان دی ، حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام ہانی جسے تو نے امان دی ہم نے اسے امان

دے دی، نیز آپؐ نے مقیس بن صبابہ، ابن خطل وغیرہ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اب اگر مکہ صلح سے فتح ہوتا تو آپ کسی اہل مکہ کے قتل کا حکم نہ دیتے۔ نیز سنن میں صحیح روایت ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا، لوگوں کو امن دے دو۔ سوائے دو عورتوں اور چار مردوں کے۔ ان کو اگر تم کعبہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے بھی دیکھ لو تب بھی قتل کر دو۔[1]

مشرکین کے درمیان اقامت کی ممانعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے درمیان کسی مسلمان کی رہائش کو ممنوع قرار دیا ہے اگر وہ وہاں سے ہجرت کر سکتا ہو۔ اور فرمایا کہ میں ہر اُس مسلمان سے بیزار ہوں جو کہ مشرکین کے درمیان رہائش پذیر ہے۔

عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول، کیوں؟ فرمایا کیا تو انھیں دیکھ نہیں رہا؟ یعنی ان کے دوزخی ہونے کو نیز فرمایا جو مشرک کے ساتھ آئے اور اس کے ہمراہ سکون حاصل کرے کہ وہ اس کا سا ہے۔ اور فرمایا جب تک توبہ منقطع نہیں ہوئی، اس وقت تک ہجرت منقطع نہ ہوگی اور جب تک سورج مغرب سے نہیں نکلتا اس وقت تک توبہ منقطع نہ ہوگی۔[2] اور فرمایا، عنقریب ہجرت کے بعد

---

[1] یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں اسلام کے بدترین دشمن تھے، ساتھ ہی ساتھ حد درجہ مفسد بھی۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] اسلام اپنے اصولوں میں غیر مفاہمت پسند ہے وہ کسی کے ساتھ صلح نہیں کر سکتا اور خاص طور پر مشرکین کے ساتھ تو اس کا برتاؤ اور زیادہ سخت ہے اس لیے کہ اسلام کی بنیاد و اساس توحید پر ہے، یعنی خدائے واحد و یکتا کی ربوبیت پر۔ اب اگر کوئی جماعت اس میں رخنہ ڈالتی ہے، اس اصول کو توڑنے کی کوشش کرتی ہے، اس بنیاد و اساس کو منہدم کرنے کے درپے ہے تو وہ اس کے ساتھ کسی قیمت پر صلح نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اس صلح کے معنی ہیں اپنی بنیاد و اساس سے دستبرداری کے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں جہاں کہیں مشرکین کا ذکر آیا ہے اسی غیر مفاہمانہ انداز میں۔

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مشرکین انسانی حقوق سے محروم ہیں، ایسا نہیں ہے، اسلام انھیں اسلامی حقوق سے محروم نہیں کرتا۔ عقیدے کے معاملہ میں ان پر جبر بھی نہیں کرتا، ان کے ساتھ بھی رواداری کا برتاؤ کرتا ہے۔ اب اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ فتح مکہ کے بعد مشرکین سے مسلمانوں کے وہ مکانات تک نہیں واپس لیے گئے جن پر زبردستی اور دھاندلی سے انھوں نے قبضہ کر لیا تھا، لیکن ان سے پینگ نہیں بڑھائے جا سکتے۔ (رئیس احمد جعفری)

ہجرت ہوگی۔ اس لیے زمین پر سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کے مقام ہجرت سے پیوستہ رہیں۔ اور زمین پر شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔ انھیں وہ پھینک دے گی۔ اور اللہ تعالٰی بندروں اور خنازیر کے ساتھ ان کا حشر کرے گا۔

امان، صلح، جزیہ، اہل کتاب، منافقین اور کفار کے قواعد

کفار کی آمد، ان کا قرآن مجید سننا پھر انہیں واپس اپنی پُر امن جگہوں میں پہنچانا

پاس عہد اور بے وفائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے۔ سب سے چھوٹا بھی اس کے وفا کی کوشش میں رہتا ہے اور جو کسی مسلمان سے غداری کرے تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عذر قبول نہ کرے گا۔

نیز فرمایا: کوئی مومن کافر کے بدلے قتل نہ ہوگا[1]۔ اور نہ معاہد[2] اپنے عہد کے دوران میں قتل کیا جا سکتا ہے۔ جس نے نئی بات (بدعت) ایجاد کی۔ یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی، فرشتوں اور تمام لوگوں کی پھٹکار۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو کفار کے تین گروہ بن گئے۔

(۱) ایک گروہ نے آپؐ سے صلح کر لی اور وعدہ کیا کہ "نہ آپ سے جنگ کریں گے نہ آپؐ پر حملہ کریں گے اور آپؐ کے دشمن سے پیمانِ دوستی استوار کریں گے۔ وہ بدستور کافر رہ سکتے ہیں، ان کی جان بھی محفوظ ہے اور مال بھی۔

(۲) ایک گروہ نے آپؐ سے جنگ کی اور مخالفت پر اتر آیا۔

---

[1] بشرطیکہ وہ کافر ذمی یعنی مسلمانوں کی پناہ میں نہ ہو، ایسی صورت ہو تو کافر کے بدلے میں مسلمان قتل کر دیا جائے گا۔

[2] معاہد سے مراد وہ غیر مسلم ہیں جن سے وقتی یا مستقل طور پر صلح کا معاہدہ کر لیا گیا ہو۔

(رئیس احمد جعفری)

(۳) اور ایک گروہ نے نہ جنگ کی نہ صلح کی، بلکہ آپؐ کے اور آپؐ کے اعداء کے معاملات و نتائج کا انتظار کرنے لگے۔

ان جماعتوں میں سے بعض در پردہ آپؐ کا غلبہ چاہنے اور آپ سے تعاون کو پسند کرتے اور بعض آپؐ کے دشمنوں کے غلبہ و استیلاء کے منتظر تھے، اور بعض ایسے بھی تھے جو ظاہری طور پر آپؐ کے ساتھ مل گئے اور در پردہ دشمنوں سے سانٹھ گانٹھ رکھتے تھے۔ تاکہ دونوں فریقوں کے بھلے رہ سکیں۔ یہ منافقین کا گروہ تھا۔ آپؐ نے ان تمام جماعتوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا۔ جیسا پروردگار عالم نے آپ کو حکم دیا، چنانچہ آپؐ نے مدینہ کے یہود کے ساتھ صلح کر لی ان کے اور مسلمانوں کے درمیان عہد نامہ لکھا گیا۔ مدینہ کے آس پاس (یہودیوں) کے تین گروہ آباد تھے۔ بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ۔

بنو قینقاع کی طرف سے جنگ

غزوہ بدر کے بعد بنو قینقاع نے آپؐ سے جنگ کی بغض عناد اور فساد کی آگ بھڑکا دی۔ چنانچہ ہجرت کے بیسویں ماہ شوال کے نصف کے قریب ہفتے کے دن اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کے جانثاروں کا ایک گروہ ان کی طرف بڑھا یہ قبیلہ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کا حلیف تھا۔ اور اہل مدینہ کے یہودیوں سے سب سے زیادہ شجاع، مسلمانوں کا پرچم حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا اور ابو لبابہ بن عبداللہ کو مدینہ میں چھوڑ دیا گیا۔ ذی قعدہ کی پندرھویں رات تک سخت ترین محاصرہ کیا گیا۔ قوم یہودیوں سے یہ پہلی قوم تھی جس نے (اہل اسلام کے خلاف) جنگ کی۔ مسلمانوں نے انہیں قلعوں میں گھیر لیا اور انتہائی شدت کے ساتھ ان کا محاصرہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جان و مال، عورتوں اور بچوں کے متعلق حکم دیتے ہوئے ان کی گرفتاری کا حکم جاری فرمایا اور عبداللہ بن ابی نے سفارش کی، اور از حد اصرار کیا۔ آپؐ نے اس کے کہنے پر انہیں معاف فرما دیا اور حکم دیا کہ یہ قوم مدینہ سے نکل جائے اور اس کے قریب قیام پذیر نہ ہو۔ چنانچہ یہ شام کی طرف چلے گئے گو بہت کم وہاں ٹھہر سکے اور اکثر ہلاک ہو گئے۔ یہ لوگ صنعت کار اور تجار تھے اور ان میں قریباً چھ سو جنگجو نوجوان بھی تھے۔

بنو نضیر کی عہد شکنی

ان کے بعد بنو نضیر نے بھی عہد شکنی کی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ بدر کے چھ ماہ بعد پیش آیا۔ یہ عروہؓ کی روایت ہے۔ یہ واقعہ اس

طرح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض صحابہؓ کی ہمراہ ان کے پاس تشریف لائے اور کلابیوں کے خون بہا کے متعلق ان سے بات چیت فرمائی جنہیں عمرو بن امیہ ضمری نے قتل کیا تھا۔ یہ کہنے لگے: اے ابو القاسم ہم ضرور (تعاون) کریں گے۔ آپ یہاں بیٹھیں تاکہ آپ کی حاجت پوری کردیں۔ پھر یہ ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں سازش کرنے لگے۔ اور شیطان نے انہیں بدبختی میں دھکیل دیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے قتل کا مشورہ کیا۔ اور کہنے لگے کہ کون ہے جو پتھر لے کر آپ کے سر پر دے مارے؟

سب سے بڑے شقی عمرو بن جحش نے جواب دیا میں تیار ہوں، اس پر سلام بن مشکم بول اٹھا۔ یہ مت کرو خدا کی قسم تمہارے اس ارادہ کی نمد انہیں خبر دے دیگا۔ نیز اس طرح ہمارے اور ان کے درمیان عہد کی خلاف ورزی بھی ہوتی ہے

اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے وحی آئی اور کفار کے ارادوں کی اطلاع دے دی گئی۔ آپ جلدی سے اٹھے اور مدینہ کی طرف تشریف لے گئے۔ دیگر صحابہؓ بھی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: کہ آپ تشریف لے گئے اور ہمیں خبر نہ ہو سکی۔ آپ نے یہود کے ارادوں سے انہیں آگاہ کیا۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی طرف پیغام بھیجا کہ مدینہ سے نکل جاؤ اور میرے قریب رہائش مت رکھو۔ اس کے بعد میں نے جس کو بھی یہاں پایا، اس کی گردن اڑادوں گا۔ وہ چند دن تیاری کرتے ہوئے وہاں ٹھہرے۔

منافق کی کارستانیاں

عبداللہ بن ابی منافق نے (یہود کو) پیغام بھیجا کہ تم اپنے گھروں سے مت نکلو۔ میرے پاس دو ہزار نوجوان ہے جو تمہارے ساتھ قلعوں میں داخل ہوگا اور تمہاری خاطر مرنے کو تیار ہوگا۔ نیز بنو قریظہ اور غطفان کے معاہدین بھی تمہاری مدد کریں گے۔ ان کے سردار حی بن اخطب نے موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہا اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیج دیا کہ ہم اپنے ملک سے نہیں جائیں گے۔ تم جو چاہو کرو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور ان کی طرف چل پڑے۔ حضرت علی بن ابی طالب جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ جب یہاں پہنچے تو قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور تیر اور پتھر مارنے لگے۔ بنو قریظہ ان سے الگ ہو گئے عبداللہ بن ابی اور غطفان کے معاہدین نے ان سے خیانت کی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا واقعہ بیان کرتے ہوئے شیطان سے تشبیہہ دی فرمایا:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكَ - یعنی ان کی مثال شیطان کی طرح ہے جب اس نے انسان سے کہا، کفر کر اور جب اس نے کفر کیا تو کہنے لگا: میں تجھ سے بیزار ہوں۔

یہ آیت سورہ حشر میں بنی نضیر کے حق میں اتری ہے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ کر لیا، کھجور کے درخت کاٹ دیئے اور انہیں جلا دیا۔ اب انہوں نے پھر پیغام بھیجا کہ ہم مدینہ سے نکل جاتے ہیں۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ اپنی اور اولاد کی جانیں لے کر جا سکتے ہو اور ہتھیاروں کے علاوہ دیگر سامان اس قدر لے جا سکتے ہو جو اونٹ اٹھا لے اور باقی مال و اسلحہ پر حضورؐ نے قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ ہجرت کے چوتھے سال ربیع الاول کے آغاز میں در پیش آیا۔

بنو قریظہ کے عبرتناک انجام کے اسباب

بنو قریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے اور بدترین کفر کے مرتکب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں وہ سزائیں دی گئیں جو ان کے دوسرے بھائیوں کو نہیں ملیں۔ ان سے غزوے کا سبب یہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق کے لیے تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ آپ کی صلح تھی۔ چنانچہ حی بن اخطب بنو قریظہ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں تمہارے پاس زمانہ کی عزت لے کر آیا ہوں۔ میں قریش اور ان کے عمائدین اور غطفان اور ان کے قائدین کا تعاون لے کر آیا ہوں۔ تم اہل شوکت اور ہتھیاروں کے مالک ہو۔ اس لیے آؤ محمدؐ کو ختم کر دیں اور اس سے چھٹکارا حاصل کریں (نعوذ باللہ)

بنو قریظہ کے سردار نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ تو زمانہ کی ذلت لے کر آیا ہے۔ تو میرے پاس ایسا بادل لایا ہے جو پانی برسا چکا ہے اور اب اس میں صرف گرج اور چمک ہی باقی رہ گئی ہے۔ یہ دیر تک اس پر مکر و فریب کے جال ڈالتا رہا، اسے امید دلاتا، وعدے کے (سبز باغ) دکھاتا رہا۔ آخر کار وہ اس شرط پر مان گیا کہ تم بھی ہمارے ساتھ ہمارے قلعے میں داخل ہو جاؤ۔ اور جو ان کا حشر ہوگا وہی تمہارا بھی ہوگا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ ان دونوں نے عہد توڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علانیہ واہی تباہی بکنے لگے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی۔ آپؐ نے حالات معلوم کرنے کے لیے آدمی بھیجا تو پتہ چلا کہ انہوں نے عہد توڑ دیا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا اے گروہ مسلمین

خوش ہوجاؤ۔

اور جب مدینہ واپس تشریف لے آتے تو آپ نے ہتھیار رکھ دیئے اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے ہتھیار رکھ دیے ہیں لیکن فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں رکھے۔ اس لیے صحابہ کو لے کر بنو قریظہ کی طرف تشریف لے جائیے۔ کیونکہ میں آپ کے آگے آگے چلوں گا اور ان کے قلعوں میں زلزلہ لے آؤں گا۔ نیز ان کے قلوب میں رعب ڈال دوں گا اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ چل پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی جماعت کے ہمراہ ان کے نشانات پر چل نکلے اور آپ نے صحابہ رضؓ کو حکم دیا کہ تم آج بنو قریظہ کے علاقہ میں جا کر عصر کی نماز پڑھنا۔ چنانچہ اس تعمیلِ ارشاد کی خاطر صحابہ رضؓ اٹھ کر فوراً چل پڑے عصر کی نماز کا وقت راستہ میں آیا۔ بعض کہنے لگے کہ ہم آپ کے حکم کے مطابق بنو قریظہ میں نمازِ عصر ادا کریں گے۔ چنانچہ انھوں نے رات کے وقت دیر سے نمازِ عصر ادا کی۔ بعض نے کہا کہ آپ کا یہ مطلب نہ تھا بلکہ آپ کا مطلب تیزی سے جانے کا تھا۔ اس لیئے انھوں راستہ میں ہی نماز ادا کر لی۔ غرض دونوں جماعتوں میں سے کسی کو بھی عتاب نہ کیا گیا۔

اسلام کا پرچم علیؓ کے ہاتھ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ بن ابی طالب کو جھنڈا دیا اور مدینہ میں حضرت ابن ام مکتوم کو حفاظت کے لیے چھوڑ گئے اور خود بنو قریظہ کے قلعوں پر جا اترے اور پچیس رات تک ان کا محاصرہ جاری رہا جب محاصرے نے شدت اختیار کر لی تو یہود کے سردار کعب بن اسد نے اپنی قوم کے سامنے تین صورتیں پیش کیں یا تو اسلام قبول کر لو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں داخل ہو جاؤ اور یا اپنی اولاد کو قتل کر دو اور تلواریں لے کر ان کے مقابلہ میں نکل چلو اور یا انہیں ختم کر کے رکھ دو اور یا خود ان کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ اور یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضؓ پر ایک دم حملہ کر دو۔ اور یہ دفعتاً حملہ ہفتے کے دن کرو، کیونکہ اسی دن (صحابہ رضؓ) ان کے مقاتلہ سے پُر امن ہوں گے۔ انھوں نے ہر صورت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے آپ کی طرف ابولبابہ بن عبد المنذر کو بھیجنے کی درخواست کی کہ ہم اس سے مشورہ کریں گے۔ جب انھوں نے (ابولبابہ) کو دیکھا تو اس کے سامنے رونے لگے اور کہنے لگے: اے ابولبابہ محمدؐ کے معاملہ میں تو ہمیں کیا مشورہ

دیتا ہے؟

انہوں نے کہا ہاں! اور گردن کی طرف اشارہ کیا (جیسے کہ) کہہ رہا ہو۔ (کہ تمہارے حق) میں ذبح کا حکم ہو گا۔ پھر فوراً محسوس ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی۔ چنانچہ وہ چل پڑے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس حاضر نہ ہوئے بلکہ مسجد نبوی میں گئے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور حلف دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی خود اپنے ہاتھ سے کھولیں گے اور میں بنی قریظہ کی زمین پر کبھی نہ جاؤں گا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا: اسے اس وقت تک رہنے دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور رسول اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے کھولا۔ اس کے بعد یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر اترے۔ چنانچہ اوس والے کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول بنی قینقاع کے معاملہ میں جو آپ نے کہا وہ تو آپ جانتے ہی اور وہ لوگ ہمارے بھائیوں خزرج کے حلیف ہیں اور یہ (بنو قریظہ) ہمارے غلام ہیں اس لیے ان پر احسان فرمائیے گا: آپ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی ہو کر خود انہی کا ایک آدمی ان کے متعلق فیصلہ کر دے؟

انہوں نے فوراً تسلیم کر لیا۔ آپ نے فرمایا: یہ سعد بن معاذ (فیصلہ کریں گے)، کہنے لگے ہم راضی ہیں، آپ نے سعد بن معاذ سے کہلا بھیجا یہ مدینہ میں تھے اور زخمی ہونے کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ آسکے تھے۔ انہیں ایک گدھے پر سوار کرایا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔

اگر وہ ان سے کہنے لگا اے سعد! ہم پر احسان کرنا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ان کے بارے میں حکم (فیصل کنندہ) قرار دیا ہے۔ اپنے غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، یہ خاموش رہے اور انہوں نے کسی بات کا جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے کثرت سے دریافت کیا تو کہنے لگے: اب سعد کے لیے وقت آگیا ہے کہ اسے اللہ کے بارہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے (عار) نہ آئے۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو بعض مدینہ کی طرف لوٹ گئے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے صحابہؓ کو حکم دیا، اپنے سردار کے لیے اٹھو۔

جب صحابہؓ نے انہیں اتارا تو کہا اے سعد! اس قوم نے تیرے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ انہوں نے پوچھا تو کیا فیصلہ ان پر نافذ بھی ہوگا؟ انہوں نے جواب دیا ہاں! وہ کہنے لگے اور مسلمانوں پر بھی؟ انہوں نے جواب دیا ہاں! پھر انہوں نے کہا اور ان پر جو یہاں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم و اعزاز کی وجہ سے آپؐ کی جانب اشارہ کیا آپؐ نے فرمایا ہاں! مجھ پر بھی!

یہ کہنے لگے تو میں فیصلہ کرتا ہوں کہ (بنو قریظہ) کے تمام مرد قتل کر دیے جائیں، ان کی اولاد کو غلام بنا لیا جائے اور مال کو تقسیم کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے یقیناً ساتوں آسمانوں سے اوپر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ اس حکم کے نفاذ سے قبل کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ عمر بن سعد بھاگ گیا اور کہیں روپوش ہو گیا۔ عہد توڑ دینے کے باعث یہ اپنی قوم میں نہ رہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آدمی کو قتل کرنے کا حکم دیا جو بالغ تھا، اور جو نابالغ تھا اسے بچہ قرار دے کر (غلام بنا لیا گیا) چنانچہ مدینہ کے بازار میں ایک خندق کھودی گئی اور ان کی گردنیں مار کر (اس خندق میں ڈال دیا گیا) اُس وقت ان کی تعداد چھ صد سے لے کر سات سو تک تھی اور ایک عورت کے سوا کوئی عورت قتل نہیں ہوئی۔ اسے بھی سعد بن صامت کے قتل کرنے کے باعث قصاص میں قتل کیا گیا۔ انہیں خندقوں کی طرف گروہ در گروہ لے جایا گیا۔

اور جب حیی بن اخطب کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ نگاہ پڑنے پر وہ کہنے لگا اللہ کی قسم میں نے آپ کی عداوت کے باعث اپنے آپ کو کبھی ملامت نہیں کیا۔ لیکن اللہ جسے غالب کر دے وہی غالب ہوتا ہے۔ پھر کہنے لگا اے لوگو! کوئی ہرج نہیں۔ اللہ کی تقدیر بنی اسرائیل پر علانیہ کر دی گئی، پھر اسے قید کر دیا گیا اور اس کی گردن مار دی گئی۔

ثابتؓ بن قیس نے زبیر بن باطا اس کے اہل اور مال کی سفارش کی۔ آپؐ نے اس کو انہیں ہبہ کر دیا۔ ثابتؓ بن قیس نے اس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری جان و مال و اہل مجھے ہبہ فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ سب تیرے ہی ہیں وہ بدبخت بولا۔ اے ثابت بن قیس میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تو مجھے دوستوں سے نہ ملائے گا؟ چنانچہ اس کی گردن بھی مار دی گئی اور اسے بھی اس کے یہودی دوستوں کے ساتھ ملا دیا گیا۔ یہ تمام کاروائی یہودِ مدینہ کے متعلق ہوئی آپکو ہر بڑے غزوہ کے بعد یہود سے جہاد کرنا پڑا۔ غزوہ بدر

کے بعد بنو قینقاع سے غزوہ احد کے بعد بنو نضیر سے اور غزوہ خندق کے بعد بنو قریظہ کے مقابلہ میں جہاد کرنا پڑا اور خیبر کے یہودیوں کے متعلق انشاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب تذکرہ کریں گے۔

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم سے مصالحت کی تو بعض قبائل نے صلح توڑ دی اور بعض نے عہد پورے کیے اور سب نے آپؐ سے جنگ کو پسند کیا۔ آخر آپؐ نے بنو قریظہ بنو نضیر اور بنی قینقاع کی طرح سب کو عہد شکن قرار دیا۔ اسی طرح آپؐ نے اہلِ مکّہ سے برتاؤ کیا پس اس طرح معاہدین کے ساتھ یہ طریقِ کار مسنون ہے اور ذمی لوگوں سے بھی ایسا ہی سلوک کرنا مناسب ہے۔ جیسے اصحاب احمد و فقہائے کرام نے صراحت کی ہے اور اصحاب شافعیؒ نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے۔ عہد توڑنے والوں سے مخصوص ہے اور (جنہوں نے) نے عہد قائم رکھا اور اس سے راضی رہے وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے) اور اصحاب شافعیؒ نے ان میں فرق کیا ہے۔ کیونکہ ذمی سے عہد پورا کرنا ازحد مؤکد ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اپنے اور یہود کے درمیان مصالحت اور عہد کو موقت نہیں کیا بلکہ جب تک وہ اس پر قائم رہے اور جنگ پر آمادہ نہ ہوئے۔ آپؐ نے اس عہد کو مطلقاً پورا فرمایا اور یہ ان کا ذمی ہونے کا حق تھا اور اس وقت جزیے کا حکم نازل نہ ہوا تھا، بلکہ یہ بعد میں فرض کیا گیا اور جب یہ حکم بھی نازل ہو گیا تو آپؐ نے جزیہ بھی عائد فرمایا اور سابقہ عہد میں ایک شق بڑھ گئی، لیکن عہد تبدیل نہ فرمایا۔ اب اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی پابندی کی جائے اور جب ان میں سے بعض نے عہد توڑ دیا اور دوسروں نے باقی رکھا اور مسلمانوں کو دونوں فریقوں کا واضح علم نہ ہو سکا تو پھر معاہدین اور مصالحت کرنے والوں کی عہد شکنی کی طرح ان سے برتاؤ کیا گیا۔

اور جب شام میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے مکانات اور اموال جلا دیے اور جامع اعظم (سب سے بڑی مسجد) کو جلانے کا بھی انہوں نے ارادہ کر لیا بلکہ اس کا منارہ جلا دیا اور اگر حفاظت نہ کی جاتی۔ تو قریب تھا کہ ساری مسجد کو جلا دیتے اور نصاریٰ کو ان حرکات کا علم تھا۔ بلکہ وہ اس کام سے متفق اور خوش تھے تو فقہائے کرام سے حاکم شہر نے فتویٰ دریافت کیا تو انہوں نے اس کو ان کے اس فعل کی بنا پر عہد شکنی قرار دیا اور دوسرے چونکہ اس فعل شنیع پر خوش اور راضی تھے اس لیے انہیں (مجرم) قرار دیا اور اس کی سزا قتل ہے اور قیدی کی طرح اس میں امام کو اختیار نہیں کیونکہ وہ تو بہر حال حد کے باعث قتل کیا جاتا ہے اور اسلام حدود ساقط

نہیں کرتا اور جو آدمی حدود اللہ کے ایفاء کا وعدہ کرکے ذمی بن جائے اس کا قتل ساقط نہیں ہو سکتا۔ بخلاف حربی (جنگ کرنے والے) کے کہ وہ جب اسلام قبول کرلے گا تو اسلام اس کے جان و مال کی حفاظت کرے گا اور اسلام سے قبل جو اس نے افعال کیے ہیں ان پر اسے قتل نہ کیا جائے گا۔ اس کا الگ حکم ہے اور عہد شکن ذمی کا الگ حکم ہے۔ نصوص و اصول امام احمدؒ کا یہی مفہوم ہے جو ہم نے ذکر کر دیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی کئی مواقع پر اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

غیر مسلموں سے معاہدے اور مصالحت

نیز آپ کی سنت طیبہ یہ بھی کہ جب آپؐ کسی قوم سے مصالحت و معاہدہ کرتے تو جو بھی اس قوم کا حلیف بن جاتا اُسے بھی معاہدہ میں شریک کر لیتے اور دوسری قوم اگر آپؐ سے معاہدہ کرتی تو آپؐ اُسے بھی اس عہد میں شریک کرکے معاہدہ قرار دے دیتے اور جو ان میں سے جنگ کرتا۔ پھر دوسری معاہد قوم کو محارب قرار دیتے۔ اس وجہ سے آپؐ نے اہل مکہ پر حملہ کیا۔ کیونکہ جب آپؐ نے (اہل مکہ) کے ساتھ دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کیا تو بنو بکر بن وائل اُٹھے اور انہوں نے قریش سے معاہدہ کرلیا اور اس عہد میں داخل ہو گئے اور بنو خزاعہ نے رسول اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا اور اس عہد میں وہ بھی داخل ہو گئے اس کے بعد بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور ان میں سے کچھ آدمی قتل کر دیئے۔ قریش نے پوشیدہ طور پر ہتھیاروں سے ان کی مدد کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو عہد شکن قرار دے دیا۔ اس واقعہ کی تفصیلات آئندہ انشاء اللہ بیان ہوں گی۔ اسی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی مشرقی نصریٰ سے جنگ کرنے کا فتویٰ دیا ہے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں (نصریٰ) کی مالی اور ہتھیاروں سے مدد کی۔ اگرچہ وہ خود نہیں لڑے اور نہ وہ میدان میں آئے لیکن پھر بھی وہ عہد شکن نہیں جس طرح قریش نے بنو بکر وائل کو جنگ میں مدد دے کر عہد شکنی کی اور جب ذمی لوگ باہر کے مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف مدد دیں تو کس طرح انہیں عہد شکن قرار نہ دیا جائے (یعنی وہ یقیناً اسلامی ریاست کے باغی ہیں) اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

دشمن کے قاصد خدمت نبوی میں

نیز آپؐ کی خدمت میں دشمنوں کی جانب سے قاصد حاضر ہوتے۔ آپؐ انہیں نہ

تکلیف دیتے اور نہ قتل کرتے۔ اور جب آپؐ کے پاس مسیلمہ کذاب کے دو قاصد عبداللہ بن نواحہ اور ابن اثال حاضر ہوئے، تو آپؐ نے دریافت فرمایا:
تمہارا کیا عقیدہ ہے؟
وہ کہنے لگے جیسا مسیلمہ نے کہا ہے ویسا ہی ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر قاصدوں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔ چنانچہ آپؐ کی سنّت طیبہ جاری ہو گئی کہ قاصد کو قتل نہ کیا جائے۔
نیز آپؐ کی عادت طیبہ یہ تھی کہ جب قاصد آپ کا دین قبول کر لیتا تو آپؐ اپنے پاس نہ روکتے اور نہ اپنی قوم کے پاس جانے سے منع کرتے، بلکہ اُسے دوبارہ وہاں ہی لوٹا دیتے جیسا ابو رافعؓ نے بتایا کہ قریش نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہؤا تو میرے دل میں اسلام کی محبت آگئی۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں لوٹ کر ان کے پاس نہ جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا: میں عہد شکنی نہیں کروں گا اور نہ چادر کو روکوں گا۔ ان کی طرف واپس جاؤ اگر وہاں جا کر بھی تمہارے قلب میں وہی (ایمان) باقی رہا جو اب ہے تو لوٹ آنا۔
امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ اس زمانہ میں واقع ہؤا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے صلح حدیبیہ کر رکھی تھی، جس میں شرط یہ تھی کہ جو مکہ سے مدینہ آئے گا اسے لوٹانا ہوگا۔ اگرچہ وہ مسلمان ہو چکا ہو۔ لیکن آج کل یہ صورت نہ ہو گی۔" بلکہ یہ تو مشروط صورت میں تھا جیسا ابوداؤدؒ نے فرمایا ہے اور جو قاصد ہیں ان کا حکم دوسرا ہے۔ آپ دیکھ ہی تو رہے ہیں کہ آپ نے مسیلمہ کذاب کے قاصدوں سے کچھ بھی تعرض نہیں فرمایا۔ حالانکہ انہوں نے آپؐ کے سامنے کہا: کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔"
نیز آپ کی سنّت طیبہ یہ تھی کہ اگر آپ کے دشمن آپ کے کسی صحابیؓ سے معاہدہ کر لیتے تو آپ اس معاہدہ کو (محدود حد تک) جاری رکھتے۔ جیسے کہ حضرت حذیفہؓ اور ان کے والدؓ نے (کفار) سے معاہدہ کر لیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ان کے خلاف جنگ نہ کریں گے۔ تو آپ نے اسے جاری رہنے دیا۔ اور فرمایا کہ تم دونوں واپس جاؤ جو عہد کیا ہے اُسے پورا کرو اور ہم کافروں کے مقابلہ میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں۔
قریش نے آپؐ سے دس سال کے لیے معاہدہ (جنگ بندی) کر لیا، اور یہ بھی شرط رکھ

دی کہ جو بھی مسلمان ہو کر (مدینے) جائے اسے واپس کرنا ہو گا اور جو (مدینے) سے (مکہ) چلا آئے اُسے وہ واپس نہ کریں گے۔ مردوں اور عورتوں کے متعلق یہ الفاظ عام تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے متعلق یہ شق منسوخ فرما دی اور صرف مردوں کے حق میں رہنے دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو حکم دیا کہ اگر ان کے پاس کوئی عورت آجائے تو اس کا امتحان لو۔ اگر اسے مومنہ سمجھو تو اُسے کفار کی طرف واپس نہ کرو۔

اور کفار کے نکاح حسبِ سابق برقرار رہیں گے، انہیں باطل نہ کیا جائے گا اور مہاجر مسلمان عورت کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہ ہو گا اگرچہ (کسی معاہدے) میں یہ شرط بھی لگادی جائے نیز مسلمان عورت کا کافر مرد سے نکاح جائز نہ ہو گا۔

خیبر کے یہود سے معاملہ

کافروں، منافقوں اور دوستوں سے آپؐ کا برتاؤ

اہل خیبر پر غلبہ اور فتح حاصل کرنے کے بعد آپؐ نے ان سے معاہدہ کیا کہ وہ جلا وطن ہو جائیں گے۔ البتہ اپنے اونٹوں پر لاد کر جتنا سامان لے جا سکتے ہوں لے جائیں، باقی زر نقد، اور سلاح جنگ آپؐ کی ملکیت ہوں گے۔

معاہدہ صلح کی ایک شرط یہ تھی کہ کوئی چیز نہ چھپائیں نہ غائب کریں، اگر ایسا کیا تو پھر نہ وہ مسلمانوں کے ذمہ میں رہیں گے نہ معاہدۂ صلح قائم رہے گا، لیکن انہوں نے ایک مشک غائب کر دی جس میں حی بن اخطب کا مال تھا جسے وہ بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت اپنے ساتھ خیبر لے آیا تھا۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حی بن اخطب کے چچا سعید سے فرمایا:

حی جو مشک بنو نضیر سے لایا تھا، اس کا کیا ہوا؟

وہ کہنے لگا: وہ رات کو اخراجات اور جنگوں میں ختم ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا معاہدے کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں اتنا زیادہ کیسے خرچ ہو گیا، حالانکہ حی بنو قریظہ کے ساتھ ہی قتل ہو گیا تھا، آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زبیر کے حوالے کیا تاکہ اسے محبوس رکھیں، انہوں نے اس پر سختی کی تو انہوں نے ایک خرابے کی نشان دہی کی چنانچہ صحابہؓ وہاں گئے، تلاش کیا۔ تو انہیں مشک مل گئی، ان کی عہد شکنی کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی حقیق کے دونوں بیٹوں کو قتل کیا ان میں ایک حی بن اخطب کی لڑکی صفیہ کا شوہر تھا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا اور ان کے اموال کو تقسیم کر دیے اور خیبر سے انہیں

نکالنے کا فیصلہ فرمالیا، اس موقع پر یہود نے کہا۔ آپ ہمیں یہیں رہنے دیجیے۔ ہم اس علاقہ سے خوب واقف ہیں، زمین کی کاشت کریں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا آپؐ کے صحابہؓ کے پاس اس قدر آدمی بھی نہ تھے جو یہ ذمہ داری اٹھا سکتے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علاقہ اس شرط پر ان کے سپرد کر دیا کہ اس زمین میں جو پیداوار ہوگی اس کا نصف مسلمانوں کو اور نصف انہیں ملے گا اور جب تک آپؐ چاہیں گے، یہ لوگ یہاں آباد رہیں گے۔ بنو قریظہ کی طرح ان کا قتل عام نہ کیا، کیونکہ گو عہد شکنی میں سب شریک تھے، لیکن یہ لوگ ایسے نہ تھے جن کو مشک کا علم تھا جنہوں نے اسے پوشیدہ کر دیا تھا، اور جنہوں نے خود شرط لگائی تھی کہ اگر پتہ چل جائے تو معاہدۂ فتح کی رو سے وہی لوگ قتل کیے جائیں چنانچہ تمام اہل خیبر کو یہ سزا نہیں دی گئی، کیونکہ یہ قطعی طور پر معلوم ہو چکا تھا کہ حی کی مشک کا علم سب کو نہ تھا اور یہ ایک خرابے ایل تھی۔

یہ اس ذمی یا معاہد کی مثال ہے جو عہد شکنی کرے اور دوسرے افراد (عہد شکنی) پر مائل نہ ہوں۔ کیونکہ عہد شکنی کا حکم اس سے مختص سمجھا جائے گا۔ اس کے بعد زمین کو نصف کاشت پر دینا مساقات و مزارعت کے جواز کی دلیل ہے اور اگر کھجور کا درخت ہو پھر بھی اس صورت پر کچھ اثر مرتب نہ ہوگا۔ نیز اس واقعہ سے یہ وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ مالک زمین کی جانب سے بیج دینا بھی شرط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک حصہ پر مصالحت کی اور انہیں بیج نہیں دیا اور نہ (بعد میں) آپؐ نے انہیں کبھی بیج بھیجے۔ چنانچہ بعض اہل علم کا قول ہے کہ (مزارعت) میں اگر یہ کہا جائے کہ (بیج) عامل کی طرف سے ہوں گے۔ تو یہ مالک زمین کی جانب سے ہونے کی بجائے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ یہی طریقہ اہل خیبر کے متعلق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور صحیح مسلک یہ ہے کہ بیج عامل اور مالک زمین دونوں کی جانب سے ٹھیک ہے، کسی کو مختص قرار دینا ضروری نہیں اور جن لوگوں نے بیج مالک زمین کی جانب سے لازم قرار دیا۔ ان کے پاس مزارعت کو مضاربت پر قیاس کرنے کے سوا کوئی دلیل نہیں، کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ مضاربت میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اصل زر مالک کی جانب سے ہوگا اور محنت مضاربت کی جانب سے ہوگی۔ اس لیے مزارعت میں یہی صورت ہوگی، اسی طرح مساقات میں بھی یہی صورت رہ وارکھی جائے گی کہ درخت ایک کی جانب سے ہوں گے اور محنت دوسرے کی جانب سے ہوگی۔ حالانکہ یہ قیاس حق میں

ہونے کی بجائے خلاف زیادہ ہے، کیونکہ بیج مضاربت میں اصل زر مالک کے پاس لوٹ جاتا ہے اور منافع تقسیم ہوتا ہے اور اگر مضاربت میں یہ بھی یہی بات مشروط قرار دے دی جائے تو بیع فاسد ہو جائے گی، کیونکہ انہوں نے بیج کو اصل زر کے قائم مقام نہیں بنایا بلکہ اسے تمام سبزیوں کا قائم مقام قرار دیا ہے۔ اس لیے مزارعت کو مضاربت پر قیاس کرنا غلط ہے۔

آخر کار جب آپؐ نے یہود کو خیبر میں قیام کی اجازت مرحمت فرمادی۔ آپؐ ہر سال ایک اندازہ کرنے والا وہاں بھیجتے جو پیداوار کا اندازہ کرتا اور معائنہ کے بعد مسلمانوں کا حصہ الگ کر دیتا، باقی پر تصرف میں وہ آزاد ہوتے، اور ایک ہی اندازہ کرنے والا کافی ہوتا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کھجور کے پھلوں کی طرح دوسرے پھلوں کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

جب حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو ان کے لڑکے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خیبر کا مال لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ یہود نے انہیں ایذا دی اور مکان سے نیچے گرادیا۔ اور مال لینے سے روکا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں شام کی طرف خارج کر دیا اور صلح حدیبیہ میں شریک (صحابہؓ) پر خیبر کا علاقہ تقسیم کر دیا۔

عقدِ ذمہ اور جزیہ وصول کرنے کے متعلق آپؐ کی سنّت طیبہ

ہجرت کے آٹھویں سال سورۂ براۃ نازل ہونے سے قبل تک آپؐ نے کفار سے جزیہ وصول نہیں کیا، جب جزیہ کی آیات نازل ہوئیں تو آپؐ نے مجوسیوں، اہلِ کتاب اور نصاریٰ سے جزیہ وصول فرمایا: اور حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف ارسال فرمایا۔ انہوں نے ایسے یہودیوں پر جزیہ عاید کیا جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور انہیں اپنی حفاظت میں لینے کا معاہدہ کر لیا، البتہ خیبر کے یہود سے کچھ نہیں لیا۔ چنانچہ بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا کہ اہلِ خیبر کے لیے یہ مخصوص حکم کہ ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔ باقی تمام اہلِ کتاب سے لیا جائے، اصل میں یہ سیر و مغازی میں عدمِ فقاہت کی علامت ہے۔

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مقاتلہ فرمایا اور پھر ان سے اس طرح مصالحت کی کہ جب تک آپؐ چاہیں وہ یہاں آباد رہ سکتے ہیں اور ابھی جزیہ کا حکم نازل بھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ نزولِ حکمِ جزیہ سے قبل ہی ان سے وقوفِ خیبر اور صلح کا معاہدہ طے پا چکا تھا۔ چونکہ ان میں معاہدہ چلا آرہا تھا اور یہ لوگ ایک مقررہ حصہ پر (خیبر) کی زمین پر کام کر رہے تھے اس لیے ان سے اس کے سوا اور کچھ مطالبہ نہ ہوا اور دوسرے اہلِ کتاب پر جزیہ ادا کیا گیا۔

جن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہ تھا۔ جیسے نجران کے عیسائی، یمن وغیرہ کے یہود اور جب حضرت عمرؓ نے انہیں شام کی طرف ملک بدر کر دیا تو خیبر کی زمین کی (کاشت وغیرہ) کے متعلق سابق معاہدہ بھی بدل گیا اور یہود خیبر کی حیثیت بھی دوسرے اہل کتاب کی سی ہو گئی۔

جب جزیہ کا حکم نازل ہوا تو آپؐ نے مجوسیوں، یہودیوں اور عیسائیوں یعنی تین گروہوں سے جزیہ وصول فرمایا اور بت پرستوں سے جزیہ وصول نہیں کیا۔ اس لیے بعض کے خیال میں مذکورہ لوگوں کے علاوہ باقی کفار سے جزیہ وصول نہیں کیا جا سکتا۔ بعض کا خیال ہے کہ اہل کتاب اور دیگر کفار سے بھی جزیہ وصول کیا جائے گا اور عرب کے بت پرستوں کے سوا عجم کے بت پرستوں سے بھی (جزیہ وصول کیا جا سکتا ہے) پہلا قول امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا ہے اور دوسرا قول ابو حنیفہ کا ہے اور دوسری روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اسی کے موید ہیں۔ دوسرے قول کے حامی کہتے ہیں کہ آپؐ نے عرب کے بت پرستوں سے جزیہ وصول نہیں کیا۔ کیونکہ یہ حکم نازل ہونے سے قبل عرب کے تمام بت پرست اسلام لا چکے تھے اور وہاں کوئی بھی بت نہ رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد آپؐ نے تبوک میں عیسائیوں کے ساتھ جہاد کیا۔ اگر سرزمین عرب میں مشرکین ہوتے تو اتنی دور جانے کے بجائے مشرکین عرب سے جہاد کرنا زیادہ اولیٰ تھا۔ جو شخص تاریخ غزوات اسلام کا رمز آشنا ہے وہ یہ آسانی سمجھ لے گا کہ معاملہ یوں ہی تھا۔ پس ان سے جزیہ اس لیے نہیں لیا گیا کہ جن سے (جزیہ) لینا تھا، ان کا وجود ہی مفقود ہو چکا تھا۔

البتہ آپؐ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ ان کے پاس کوئی (آسمانی) کتاب بھی ہے۔ یہ مرفوع روایت ہے، ایسی روایت صحیح نہیں قرار نہیں جا سکتی، نہ اس کی سند صحیح ہے، آتش پرستوں اور بت پرستوں میں کچھ فرق نہیں، بلکہ بت پرست آتش پرستوں کی نسبت قدرے بہتر ہیں وہ اس سلسلہ دین ابراہیم سے تمسک ظاہر کرتے تھے اور آتش پرست ابراہیم خلیل اللہ کے علانیہ دشمن تھے۔ جب ان سے جزیہ لیا گیا تو بت پرستوں سے جزیہ لینا زیادہ اولیٰ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے جیسا صحیح مسلم میں منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ جب مشرکین میں سے کسی دشمن سے دوچار ہو تو اسے تین میں سے کسی کی دعوت دو۔ اگر وہ ان میں سے کسی کا انتخاب کرے تو اسے قبول کر لو اور جنگ نہ کرو پھر آپؐ نے

(ان تینوں باتوں) کی وضاحت فرمائی کہ:۔

(۱) اسلام کی دعوت دو،
(۲) یا جزیہ (ادا کرنے کا حکم دو)
(۳) یا پھر جنگ کرو،

علاوہ ازیں حضرت مغیرہؓ نے کسریٰ کے عامل سے بھی فرمایا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تم سے جنگ کریں۔ یہاں تک کہ تم اللہ کی عبادت کرو یا جزیہ ادا کرو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش سے فرمایا تھا کہ کیا تم عرب ایک کلمہ کا اقرار کر لو گے؟ کہ جس کی وجہ سے عجم والے تمہیں جزیہ دیا کریں گے؟ وہ کہنے لگے وہ (کلمہ) کیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ: یعنی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

جب آپؐ تبوک سے واپس ہوئے تو اہلِ دومہ سے مقابلہ ہوا اور جزیہ پر ان سب سے مصالحت کر لی گئی۔ نیز اہل نجران کے نصاریٰ سے دو ہزار پارچہ جات پر مصالحت فرمائی کہ نصف صفر میں اور باقی رجب میں مسلمانوں کو ادا کریں گے اور مسلمانوں کو عاریۃً تیس زرہیں تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور ہر قسم کے تیس ہتھیار دیں گے، جن سے مسلمان جہاد کریں گے۔ اور مسلمان ان چیزوں کے ضامن بھی ہوں گے، یہاں تک کہ وہ انہیں لوٹا دیں، نیز یہ کہ ان کی عبادت گاہیں نہیں گرائی جائیں گی نہ ان کے پادریوں کو باہر نکالا جائے گا، نہ انہیں اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ کوئی شرارت نہ کریں یا سود نہ کھائیں۔ اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرارت یا سود خوری سے ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اگر یہ عہد مشروط ہو۔

اور جب حضرت معاذؓ کو آپؐ نے یمن کی طرف بھیجا تو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کی قیمت کے معافری لے لو (معافری یمن کے کپڑوں کی ایک قسم ہے۔ یہ اس پر شاہد ہے کہ جزیہ کی جنس اور مقدار مقرر نہیں۔ کپڑے، سونا، زیورات، ہر چیز جائز ہے، اور مسلمانوں کی ضروریات کے مطابق اس کی مقدار میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور امارت و افلاس کا لحاظ بھی تفاوت ہو سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے عرب و عجم کے جزیہ میں تفریق نہیں فرمائی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے نصاریٰ سے بھی

جزیہ لیا۔ اور ہجر کے ان مجوسیوں سے بھی وصول فرمایا جو عرب تھے۔ کیونکہ عرب ایک ایسی قوم ہے کہ جس کے پاس (الٰہی) کتاب نہ تھی اور ہر گروہ اپنی پڑوسی قوموں کے دین پر چل رہا تھا چنانچہ بحرین کے عرب مجوسی تھے کیونکہ ان کے پڑوس میں فارس کا علاقہ تھا اور تنوخ بہرا اور بنو تغلب روم کے پڑوسی ہونے کے باعث عیسائی تھے اور یمن کے قبائل یہودیوں کی مجاورت کے باعث یہودی تھے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جزیہ کے احکام نافذ فرما دیے اور ان کے اباء و اجداد کا اعتبار نہیں کیا نہ اس بات کا خیال فرمایا کہ یہ لوگ دین اہل کتاب میں کب داخل ہوئے؟ آیا نسخ اور تبدیلی سے قبل داخل ہوتے یا بعد میں اور حضرت معاذ کا قول کہ ہر بالغ سے ایک دینار لینا" اس بات کی دلیل ہے کہ بچے اور عورت سے جزیہ لیا جائے گا۔

کفار اور منافقین کے ساتھ آپ کی سنت بعثت سے وفات تک

ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی:۔

اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا: یہاں نبوت کا آغاز تھا۔ اس لیے دل میں پڑھنے کا حکم دیا، دوسروں کو تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا: پھر آیت نازل فرمائی:۔

یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ یعنی: اے کملی والے اٹھ اور ڈرا۔

شروع میں اِقْرَاْ: پڑھ کے فرمان سے متنبہ کیا اور پھر یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کا حکم نازل کر کے فرمایا اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ اس کے بعد اپنی قوم کو ڈراؤ، پھر ان کے چاروں طرف کے عربوں کو ڈراؤ، پھر عرب قاطبہ کو ڈراؤ، پھر تمام جہان والوں کو ڈراؤ۔ چنانچہ آپ بعثت کے بعد دس سے کچھ زیادہ برس بغیر جنگ یا جزیہ کے تبلیغ فرماتے رہے اور آپ کو خاموشی، صبر اور درگزر کرنے کا حکم دیا جاتا رہا۔ اس کے بعد آپ کو ہجرت کی اجازت ملی اور قتال کی بھی اجازت مل گئی۔ پھر فرمایا، جو آپ سے لڑے اس سے آپ مقاتلہ کریں اور جو الگ ہو جائے اس سے رک جائیں، اس کے بعد مشرکین کے قتال کا حکم فرمایا تاآنکہ دین صرف اللہ کا ہی رہ جائے۔ اب جہاد کی اجازت کے بعد کفار کی تین قسمیں ہو گئیں۔

(۱) مصالحین و معاہدین۔

(۲) دوسرے اہل حرب۔

(۳) تیسرے اہل ذمہ۔

اس لیے آپ کو حکم ملا کہ مصالحین و معاہدین سے عہد پورا کیا جائے اور جو عہد توڑ دے اس سے مقاتلہ کیا جائے اور جب سورۂ برات نازل ہوئی تو ان تینوں اقسام کے متعلق احکامات واضح کر دیے گئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اہل کتاب میں سے دشمنوں کے ساتھ مقاتلہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں یا اسلام قبول کر لیں۔ کفار، منافقین کے خلاف مقاتلہ اور سختی کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے کفار کے ساتھ تلوار اور نیزے سے مقاتلہ کیا اور منافقین کے ساتھ دلیل اور زبان سے جہاد کیا اور کفار کے معاہدوں سے اعلانِ بیزاری کا حکم دیا اور معاہدین کو تین حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک قسم کے ساتھ قتال کا حکم دیا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے عہد شکنی کی، اپنے وعدے پر قائم نہ رہے، ان سے آپ نے جنگ کی اور ان پر غالب آ کر رہے۔ معاہدین کی دوسری قسم وہ تھی جنہوں نے عہد شکنی نہ کی۔ اور نہ ان کے معاہدے دقتی تھے اور نہ انہوں نے عہد شکنی کی اور نہ آپ نے انکے خلاف جہاد کیا۔ ان کے متعلق معاہدوں کی میعاد پوری کرنے کا حکم دیا گیا۔ تیسری قسم وہ بھی جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا اور نہ انہوں نے آپ سے جنگ کی! یا ان کے معاہدے مطلق تھے۔ آپ نے انہیں چار ماہ کی مہلت دی۔ جب یہ مدت پوری ہو گئی تو آپ نے ان سے مقاتلہ کیا۔ منافقین کے متعلق آپ کا طریق کار یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر اعمال کو قبول کرنے اور باطن کے حالات اللہ کے سپرد کرنے کا حکم دیا۔ (اور اس بات کا حکم دیا) کہ ان سے علم اور دلیل سے مجادلہ کیا جائے اور ان سے اعراض کرنے اور سختی کرنے کا حکم فرمایا اور اچھے انداز سے انہیں سمجھانے کا حکم دیا اور ان کا جنازہ پڑھنے اور ان کی قبور پر کھڑے ہونے سے منع فرما دیا اور فرمایا کہ اگر اُن کے لیے بخشش طلب کرو۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ کفار اور منافقین کے متعلق آپ کی سیرت طیبہ یہ تھی:۔

صحابہ اور اپنی جماعت کے متعلق آپ کی سنتِ طیبہ

(اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ہمراہ رکھو جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں۔ اس کی رضا چاہتے ہیں اور انہیں معاف کرنے مختلف امور میں اُن سے مشورہ لینے اور ان کے حق میں دعا کرنے کا حکم دیا۔ اور نافرمانوں سے علیحدہ ہونے کا حکم فرمایا، یہاں تک وہ توبہ کر لیں اور آپ کی اطاعت کریں جیسے کہ آپ نے تین پیچھے رہنے والوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ نیز حکم دیا کہ جو آپ سے

سے برائی کرے اس کے احسان سے اور جہالت کے حلم سے اور ظلم کا عفو سے اور قطع رحمی کا صلہ رحمی سے بدلہ دیں۔ نیز بتا دیا کہ اگر آپ نے یہ کام کیے تو آپ کے دشمن بھی گہرے دوست بن جائیں گے اور جناب میں سے دشمنوں کے دفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں اور یہ تمام اخلاقِ حسنہ سورہ اعراف، مومنین اور حٰم السجدہ کی آیات جمع کر دیتے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں فرمایا:

خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاهلين واما ينزغنك من الشيطان نزغ فاستعذ بالله انه سميع عليم۔

اس سورت کے اندر اللہ تعالیٰ نے جہلاء کے شر سے بچنے کے لیے ان سے اعراض کرنے اور اور شیطان کے شر سے بچنے کے لیے پناہ مانگنے پر حکم دیا اور اس آیت میں اخلاق حسنہ کی تمام باتیں جمع فرما دیں، اور سورہ مومنین میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ رَبِّ اِمَّا تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُونَ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ط نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔

یعنی: تو کہہ اے رب، کبھی تو دکھا دے مجھ کو، جو ان کو وعدہ ملتا ہے، تو اے رب مجھ کو نہ کریو، ان گناہ گار لوگوں میں اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھا دیں جو ان کو وعدہ دیتے ہیں، بری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے، ہم خوب جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں، اور کہہ اے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کی چھیڑ سے اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں"۔

اور سورہ حٰم السجدہ میں فرمایا:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

یعنی اور برابر نہیں نیکی نہ بدی۔ جواب میں تو کہہ اس سے بہتر، پھر جو تو دیکھے تو جس

ہیں تجھ میں دشمنی تھی، جیسے دوست دار ہے ناتے والا۔ اور یہ بات ملتی ہے
انہیں کو جو سہار رکھتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اس کو جس کی بڑی قسمت ہے۔
اور کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوکنے سے تو پناہ پکڑ اللہ کی بے شک وہی
ہے سنتا جانتا۔

اس طرح مذکورہ انداز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانوں، جنوں، مسلمانوں اور کافروں
کے برتاؤ کے معاملہ میں سیرت طیبہ بیان ہوگئی۔

آنحضرتؐ کے غزوات اور سرایا

بدر کا عظیم اور تاریخی معرکہ

اسلام کا پہلا لشکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا لشکر ہجرت کے ساتویں ماہ رمضان کے مہینہ میں ارسال فرمایا جس کا پرچم حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کے لیے تھا۔ یہ جھنڈا سفید رنگ کا تھا اور ابو مرثد کناز بن حصین غنوی نے اٹھا رکھا تھا۔ آپؐ نے مہاجرین میں سے تیس صحابہ کو شام سے آنے والے قریش کے قافلہ کے مقابلہ میں ارسال فرمایا، جس میں ابوجہل تین سو آدمیوں کے ہمراہ آرہا تھا، چنانچہ یہ لوگ سمندر کے کنارے درختوں کی جانب سے پہنچے اور لڑائی کے لیے تیار ہوگئے۔ لیکن مجدی بن عمرو جہنی اس طرف اور اس طرف دونوں گروہوں کا حلیف تھا۔ اس نے کوشش کر کے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ اور جنگ نہ ہوئی۔

وادی رابغ میں مقابلہ پھر ہجرت کے آٹھویں ماہ شوال کے آخر میں عبیدہ بن حرث بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں ایک چھوٹا سا لشکر وادی رابغ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس کے لیے بھی سفید جھنڈا تیار کیا گیا۔ اس لشکر میں کوئی انصاری نہ تھا، بلکہ ساٹھ کی تعداد میں صرف مہاجرین ہی تھے ور ابوسفیان بن حرب سے حجفہ کے مقام سے دس میل دور وادی رابغ میں مقابلہ ہوا جس کے ہمراہ دو سو آدمی تھے۔ اس جنگ میں تیر اندازی ہوئی، تلوار نہ چلی، نہ باقاعدہ جنگ ہوئی۔ اسے صرف مڈبھیڑ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص وہاں موجود تھے۔ اللہ کے راستہ میں انھوں نے سب سے پہلے تیر مارا۔ پھر دونوں فریق واپس چلے گئے۔

وادی نخلہ میں پھر ہجرت کے سترھویں مہینے رجب میں آپؐ نے عبداللہ بن جحش اسدی کو وادی نخلہ کی طرف بارہ آدمیوں کے ہمراہ ارسال فرمایا۔ دو دو آدمی ایک ایک اونٹ پر سوار تھے۔ چنانچہ قریش کے ایک قافلہ سے جنگ کے لیے یہ لوگ وادی نخلہ میں پہنچ گئے۔ اس سریہ میں عبداللہ بن جحش کو

امیرالمومنین کا نام دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک مکتوب لکھ کر دیا، اور فرمایا، دو دن سے پہلے اسے نہ کھولنا۔ اس کے بعد (اسے کھول کر) پڑھنا جب مکتوب مبارک کھولا تو اس میں تحریر تھا کہ جب تم میرے مکتوب کو پڑھنا تو چلتے جانا اور مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں ٹھہرنا اور قریش کے قافلے پر گھات لگا کر بیٹھنا اور ان کے حالات سے اطلاع دینا (عبداللہ بن جحش) نے کہا بسروچشم، پھر اپنے ساتھیوں کو مکتوب مبارک کے مضمون سے آگاہ کیا اور بتایا وہ انھیں مجبور نہیں کرتے، جو شہادت کا طلبگار ہو، وہ چل پڑے اور جو موت سے ڈرتا ہو، وہ لوٹ جائے، اور میں تو آگے قدم بڑھا رہا ہوں، چنانچہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ راستہ میں سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کی سواری کا اونٹ گم ہو گیا۔ وہ اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے اور عبداللہ بن جحش دور نکل گئے۔ آخر وادی نخلہ میں اترے اور قریش کا قافلہ کشمش اور کھالیں اور تجارتی سامان لے کر گزرا۔ عمرو بن حضرمی، عبداللہ بن مغیرہ کے دونوں لڑکے عثمان اور نوفل بنو مغیرہ کا غلام حکم بن کیسان بھی اسی قافلے میں تھے۔ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے یہ رجب یعنی ماہِ حرام کا آخری حصہ ہے، اگر ہم نے مقابلہ کیا تو شہر حرام کی توہین کی۔ اور اگر آج رات انھیں چھوڑ دیا تو یہ لوگ حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ آخر مقابلے پر اتفاق رائے ہو گیا۔ کسی نے عمرو بن حضرمی کو تیر مارا اور وہ قتل ہو گیا۔ عثمان اور حکم کو گرفتار کر لیا گیا اور نوفل بھاگ گیا۔ یہ لوگ قافلے کا سامان اور دو قیدی لے کر حاضر خدمت ہوئے اور خمس نکال کر الگ کر لیا۔ اسلام میں یہ پہلا خمس اور پہلا قتل اور پہلے دونوں قیدی تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل سے بیزاری کا اعلان کیا۔ قریش اس واقعہ سے بھڑک اٹھے انھیں موقع ہاتھ لگ گیا۔ چنانچہ وہ کہنے لگے محمد نے شہر حرام میں (قتل)، کو جائز قرار دیا۔ اور مسلمانوں پر بھی اس واقعہ کا سخت اثر ہوا آخر تبارک وتعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ٥

یعنی، "تجھ سے شہر حرام کے متعلق اس میں قتال کرنے کے بارہ میں پوچھتے ہیں، کہہ دو اس میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام (کا انکار کرنا) اور (حرم) کے لوگوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک زیادہ گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ وہ بات ہے جس کو تم نے مگر سمجھا۔ یہ اگرچہ برائی ہے لیکن

تم نے اللہ کا کفر کیا۔ اس کی راہ سے اور اس کے گھر سے روکا اور اس کے اہل مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا، نیز جس شرک پر تم قائم ہو، اور جو جو تمہاری جانب سے فتنے بپا کیے گئے، یہ ساری باتیں شہر حرام میں قتال سے بھی زیادہ بری ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور دشمنوں میں عدل و انصاف سے فیصلہ فرمایا، اور اپنے دوستوں کو بھی ارتکاب خطا سے بری قرار نہیں دیا، بلکہ بتایا کہ شہر حرام میں قتال کرنا بہرحال بڑا گناہ ہے لیکن جس پر مشرکین قائم ہیں وہ شہر حرام میں قتال کرنے سے بھی بڑا اور عظیم گناہ ہے۔ لہٰذا وہ مذمت اور سزا کے مستحق ہیں۔ اور اللہ کے دوستوں نے قتال میں (نافرمانی) سے نہیں بلکہ تاویل سے کام لیا تھا یہ ایسا گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ انھیں توحید، اطاعت اور معیت رسول ؐ میں ہجرت کے ایثار اور قربانی کے باعث معاف فرما دے گا۔

واذا الحبیب اتی بذنب واحد   جاءت محاسنہ بالف شفیع

"اور جب دوست سے ایک گناہ سرزد ہو جاتا ہے، تو اس کے محاسن ہزار سفارشیں لے کر آجاتے ہیں۔"

اس لیے انھیں ایسے مبغوض دشمن پر کس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے جو برائی لے کر سامنے آئے اور نیکی کی ایک سفارش بھی نہ رکھتا ہو۔

اور اسی سال شعبان کے مہینہ میں تحویل قبلہ ہوا جس کا مفصل ذکر گزر چکا ہے۔

ابوسفیان کی سرکردگی میں قافلۂ قریش

اس سال جب رمضان کا مہینہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ شام سے قریش کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں آ رہا ہے۔ اسی قافلے کی تلاش میں آپؐ نکلے جب یہ لوگ مکہ سے نکلے تو ان میں چالیس آدمی تھے۔ آپؐ نے حکم دیا تھا جس کے پاس سواری ہو وہ ساتھ چلے، لیکن یہ قافلہ پکڑا نہ جا سکا کیونکہ جلدی سے نکل گیا۔ اور آپؐ کے پاس تین سو اور دس سے کچھ زیادہ تعداد میں آدمی تھے، جن کے پاس صرف دو گھوڑے تھے جو زبیر بن عوام کے تھے اور مقداد بن فرس کنوی کا ایک گھوڑا تھا اور ستر اونٹ تھے، ایک ایک اونٹ پر دو یا تین آدمی سوار ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، علیؓ اور مرثد بن ابی مرثد غنوی ایک اونٹ پر حضرت زیدؓ ان کے لڑکے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کنیزہؓ ایک اونٹ پر سوار تھے، حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک اونٹ پر سوار تھے۔

اس موقعہ پر آپؐ نے نماز کی امامت اور اہلبیت کی حفاظت کے لیے حضرت ابن ام مکتومؓ کو خلیفہ مقرر کیا۔ جب آپؐ روحا کے مقام پر پہنچے تو ابولبابہ بن عبدالمنذر کو واپس کیا اور انھیں مدینہ پر عامل مقرر فرمایا۔

مصعب بن عمیرؓ کو جھنڈا مرحمت فرمایا۔ نیز علی بن ابی طالب کو ایک جھنڈا اور دوسرا ایک انصاریؓ سعد بن معاذ کو عطا کیا اور انھیں ایک اونٹنی پر قیس بن ابی صعصعہ کے ہمراہ سوار کردیا۔ جب بدر کے قریب پہنچے تو آپؐ نے بسیس بن عمرو جہنی اور عدی بن رعبار کو قافلے کی خبر لینے کے لیے روانہ فرمایا۔ اُدھر ابوسفیان کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت پر مکہ کی طرف بھیجا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ پر حملہ سے اہل مکہ بچاؤ کے لیے پہنچ جائیں۔ جب اہل مکہ کو اطلاع ملی، تو وہ جلدی سے نکل پڑے اور ابولھب کے سوا کوئی بڑا آدمی مکہ میں نہ ٹھہرا۔ کیونکہ اس پر کسی آدمی کا قرض تھا۔ نیز دیگر قبائلِ عرب کو بھی اطلاع کردی گئی بنو عدی کے سوا قریش کا کوئی قبیلہ پیچھے نہ رہا۔ یہ لوگ قریش کے ہمراہ نہیں نکلے۔

انصار کی طرف آں حضرت کی نگاہ امید

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا مہاجرین سے اس معاملہ میں بات چیت کی تو انھوں نے بہتر جواب دیا۔ پھر دوبارہ بات چیت ہوئی پھر بھی انھوں نے اچھا جواب دیا۔ پھر تیسری مرتبہ بات چیت فرمائی۔ پھر بھی انھوں نے اچھا جواب دیا۔ اس پر انصار سمجھ گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد (انصار کا عندیہ معلوم کرنا ہے) سے چنانچہ حضرت سعد بن معاذ جلدی سے بڑھے اور عرض کیا:

انصار کا ایمان افروز اور رُوح پرور جواب

اے اللہ کے رسول، گویا آپؐ ہم سے مخاطب ہیں اور آپؐ کا مطلب بھی یہی لوگ تھے کیونکہ انھوں نے بیعت کی تھی کہ وہ آپؐ کو اپنے ملک میں ہر دشمن سے بچائیں گے۔ اس لیے جب آپؐ نے نکلنے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے ان کی باطنی حالت سے آگاہی حاصل کرنا چاہی۔

پھر حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ انصار پر جو حق ہے۔ شاید آپؐ کو اندیشہ ہے کہ وہ اپنے ملک میں آپ کی مدد نہ کریں گے۔ میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں اور جواب دیتا ہوں جہاں آپؐ چاہیں نیزہ ماریں، جو رسی چاہیں کاٹ دیں اور جو آپؐ چاہیں جوڑ دیں۔ ہمارے اموال سے آپؐ جس قدر چاہیں لے لیں اور جو کچھ آپؐ چاہیں ہمیں دیں اور جس قدر آپؐ ہم سے مال لیں گے وہ ہمارے پاس چھوڑے ہوئے مال سے بہتر ہوگا۔ اور جو چاہیں آپؐ ہمیں حکم فرمائیں۔ ہماری ہر حرکت آپؐ کے حکم کے تابع ہوگی۔ اللہ کی قسم اگر آپؐ غمدان کے نالاب تک جانا چاہیں تو بھی ہم آپؐ کے ہمراہ ہوں گے۔ اور خدا کی قسم اگر آپؐ ہمیں اس سمندر میں لے چلیں تو بھی ہم آپؐ کے ہمراہ اس میں گھوڑے

لگا دیں گے ۔۔ حضرت مقدادؓ نے عرض کیا ۔ ہم آپؐ کو قوم موسیٰؑ کی طرح جواب نہ دیں گے کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ، یعنی تو اور تیرا پروردگار جائے اور لڑو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں ۔

بلکہ ہم تو آپؐ کے دائیں ۔ بائیں آپؐ کے آگے اور پیچھے ہر طرف سے جنگ کریں گے ۔" (یہ باتیں سن کر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا اور صحابہؓ کی بھی باتیں سن کر آپؐ ازحد خوش ہوئے ۔ آپؐ نے فرمایا، چلو اور خوش ہو جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ دو گروہوں میں سے کسی ایک کے متعلق وعدہ کیا ہے اور میں نے قوم کا میدان جنگ دیکھا ہے ۔ آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف چل پڑے ۔ ابوسفیان ڈھلوان کی طرف چلا گیا اور ساحل سمندر کے قریب جا پہنچا ۔ جب اس نے محسوس کیا کہ وہ بچ گیا ہے اور قافلہ محفوظ رہا ہے تو اس نے قریش کو لکھ بھیجا کہ لوٹ جاؤ کیونکہ تم اپنے قافلے کو بچانے کے لیے نکلے تھے ۔ اب تمہیں سلامتی کی خبر مل گئی ۔ یہ لوگ جحفہ کے مقام پر تھے چنانچہ انھوں نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا ، لیکن ابوجہل کہنے لگا کہ اللہ کی قسم ہم واپس نہ جائیں گے بلکہ بدر پر پہنچ کر وہاں ٹھہریں گے ۔ اور اپنے ہمراہ جو عرب ہیں انھیں بلائیں گے ۔ اس کے بعد تمام عرب ہم سے ڈریں گے ۔ آخر وہ چل پڑے ۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی چل پڑے آخر کار شام کے قریب بدر کے چشموں کے قریب آن پہنچے ۔

آپؐ نے فرمایا کہ منزل کہاں ہونی چاہیے ؟ حضرت حباب بن منذر نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ، میں اس جگہ اور اس کے قلیب سے واقف ہوں ۔ اگر آپؐ مناسب خیال فرمائیں تو ہم اس قلیب میں چلے جائیں ۔ وہاں میٹھا پانی کثرت سے ہے اور وہاں ہم اتر پڑیں گے اور کفار سے قبل اس پر قبضہ کر کے ان کو پانی سے محروم کر دیں گے ۔ دوسری طرف مشرکین نے تیزی سے پانی کی طرف پیش قدمی کی ۔ آپؐ نے سعدؓ، علیؓ اور زبیرؓ کو بدر کی طرف معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا ، انھوں نے قریش کے دو غلام گرفتار کیے اور لے آئے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے ۔

چنانچہ صحابہؓ نے ان سے پوچھا کہ تم کس کے آدمی ہو؟ کہنے لگے ۔ ہم قریش کو پانی پلانے والے ہیں ۔ صحابہؓ نے اسے ناپسند کیا اور تمنا کی ، کہ کاش یہ ابوسفیان کے قافلے میں سے ہوتے ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو آپؐ نے ان سے پوچھا مجھے بتاؤ قریش کہاں ہیں ؟

وہ کہنے لگے کہ اس ٹیلے کے پیچھے۔ آپؐ نے پوچھا کتنی تعداد میں ہیں؟ کہنے لگے ہمیں معلوم نہیں۔
آپؐ نے پوچھا کتنے (اونٹ) روزانہ ذبح کرتے ہیں۔ کہنے لگے کسی دن نو اور کسی دن دس۔
اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قریش نو صد سے ایک ہزار تک ہیں۔ اسی شب
کو اللہ تعالیٰ نے بارش فرمادی، مشرکین کے لیے بارش مصیبت بن گئی اور انھیں آگے بڑھنے سے
روک دیا۔ اور مسلمان چونکہ ریت کے ٹیلے پر تھے، انھیں پاک بنا دیا۔ زمین کو ہموار اور ریت کو سخت
بنا دیا جس پر پاؤں جم سکتے تھے اور صحابہؓ کے قلوب کو ڈھارس دی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اور صحابہؓ پانی کی طرف بڑھے اور رات کے ایک حصہ میں اس پر اترے اور حوض بنالیے۔

صنادید کفار کی قتل گاہ کی نشان دہی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک ٹیلے پر خیمہ لگا دیا
گیا جہاں سے میدان جنگ خوب نظر آتا تھا اور
پھر آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کرکے بتا دیا:
یہ فلاں کی قتل گاہ ہے، اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہے اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہے ان شاء اللہ۔
چنانچہ آپؐ کی بتائی ہوئی جگہوں سے ذرا بھی وہ ادھر ادھر نہ ہوا۔
جب قریش آگے بڑھے اور دونوں لشکر نظر آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی:
اے اللہ یہ قریش گھوڑوں اور غرور و نخوت سمیت تجھ سے لڑنے اور تیرے رسولؐ کی تکذیب
کرنے آئے ہیں۔
پھر آپؐ کھڑے ہوگئے اور ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا شروع کردی۔
"اے اللہ جو وعدہ تو نے مجھ سے کیا ہے، اسے پورا کر۔ میں تیرے وعدہ اور عہد کو دہراتا ہوں۔
حضرت صدیقؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، خوش ہوجائیے جس کے قبضہ میں میری جان
ہے۔ اس کی قسم اللہ تعالیٰ آپؐ سے کیے ہوئے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا۔
اور مسلمانوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کی اور انتہائی خشوع وخضوع سے مدد چاہی۔
پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو وحی فرمائی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس لیے ایمان والوں کو ثابت قدم
رکھو، میں جلد ہی کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف
بھی وحی فرمائی کہ میں آپؐ کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد بھیج رہا ہوں

آنحضرتؐ کا اپنے رب سے راز و نیاز

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں ایک درخت کی جڑ کے
قریب نماز پڑھتے ہوئے شب گزار دی۔ ہجرت کے

دوسرے سال رمضان کی سترھویں تاریخ جمعہ کی رات کا یہ واقعہ ہے، جب صبح ہوئی تو قریش اپنے دستوں کے ہمراہ سامنے آئے اور دونوں جماعتوں نے صف بندی کی حکیم بن حزام اور عتبہ بن ربیعہ نے دونوں جماعتوں میں مصالحت کی کوشش کی اور قریش سے کہا کہ واپس چلے جاؤ اور جنگ نہ کرو۔ ابوجہل نے انکار کیا۔

آخر ابوجہل نے عمرو بن حضرمی کے بھائی کو عمرو کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اکسایا، وہ چلایا ہائے عمرو..... قوم (قریش) کو جوش آگیا، اور لڑائی چھڑ گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صفیں درست فرمائیں اس کے بعد آپؐ اور ابوبکرؓ خیمے کی جانب تشریف لے آئے اور انصار کی جماعت کے ہمراہ حضرت سعدؓ بن معاذ خیمے کے دروازے پر پہرہ دینے لگے۔ اتنے میں عتبہ، اس کا بھائی شیبہ اور ولید بن عتبہ نکلے اور مقابلے کے لیے آواز دی۔ ان کے مقابلے کے لیے انصار میں سے تین صحابہؓ حضرت عبداللہ بن رواحہ اور عفراء کے دونوں لڑکے معاذؓ اور عوفؓ سامنے آئے۔

قریش نے پوچھا تم کون ہو؟ کہنے لگے انصار ہیں۔ وہ کہنے لگے، تم شریف لوگ ہو لیکن ہم تو اپنے بنی عم کو مقابلے میں بلاتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت علیؓ، عبیدہؓ بن حرث اور حمزہؓ میدان میں آگئے۔ حضرت علیؓ نے اپنے مقابل ولید کو اور حضرت حمزہؓ نے اپنے مقابل عتبہ کو قتل کردیا (ایک روایت میں شیبہ ان کا مقابل تھا) حضرت عبیدہؓ بن حرث زخمی ہوئے۔ حضرت علیؓ اور حمزہؓ نے ان کے مقابل پر حملہ کرکے اسے قتل کردیا۔ اور حضرت عبیدہؓ کو اٹھا لائے، ان کا پاؤں کٹ گیا تھا۔ ان پر بیہوشی سی طاری ہوگئی اسی حالت میں وفات پاگئے۔

پھر مار دھاڑ شروع ہوئی اور جنگ کی چکی تیز ہوگئی۔ میدان کارزار گرم ہوگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا و عجز میں اور اپنے پروردگار کے ذکر میں مشغول ہوگئے، یہاں تک کہ آپؐ کے شانوں سے چادر گر گئی۔ حضرت صدیق نے اسے دوبارہ ڈال دیا اور عرض کیا آپؐ کی دعا ہم سن رہے ہیں خدا یقیناً آپؐ سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار غنودگی سی آگئی۔ حالت حرب میں قوم کو بھی غنودگی سی آگئی۔ آپؐ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا اے ابوبکرؓ خوش ہو جاؤ، یہ جبریل ہیں۔ اللہ کی نصرت آگئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر کو نازل فرما دیا، اپنے رسول اور مومنوں کی مدد فرمائی اور مشرکین کے گرفتار کرنے اور قتل کرنے پر انھیں قدرت دی، چنانچہ (صحابہؓ) نے ستر کو

قتل کیا اور ستر کو گرفتار کر لیا۔

جب (قریش) نکلے تھے تو انھیں اپنے اور بنی کنانہ کے درمیان دشمنی کا خیال ہوا، چنانچہ ابلیس سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں ان کے پاس آیا (سراقہ) بنی کنانہ کا ایک بڑا سردار تھا، کہنے لگا، آج تم پر کوئی آدمی بھی غالب نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارے ہمراہ رہوں گا تاکہ بنی کنانہ تمہیں کچھ بھی ایذا نہ دے سکیں وہ اس وعدہ پر نکل پڑے اور شیطان (بصورتِ سراقہ) ان کے ہمراہ رہا اور جدا نہ ہوا۔ جب لڑائی شروع ہوئی اور اس اللہ کے دشمن (ابلیس) نے اللہ کا لشکر (فرشتے) دیکھا جو آسمان سے نازل ہوا تھا تو ایڑیوں کے بل وہاں سے فرار ہو گیا۔

(قریش) کہنے لگے ارے سراقہ! کہاں چلے؟ کیا تم نے یہ نہ کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور مفارقت اختیار نہ کروں گا (ابلیس) نے جواب دیا، میں وہ (مخلوق) دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالےٰ کا عذاب سخت ہے۔ ابلیس نے جب یہ کہا کہ "میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے تو صحیح کہا، لیکن جب یہ کہا" میں اللہ سے ڈرتا ہوں تو جھوٹ بولا ایک قول کے مطابق اُسے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ بھی ان کے ہمراہ ہلاک نہ کر دیا جائے۔ اور ظاہر معنی یہی معلوم ہوتا ہے — جب دشمن قریب ہو گیا اور جماعت (صحابہؓ) کی طرف بڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور وعظ فرمایا! اور انھیں صبر و استقامت کی تلقین فرمائی کہ اس طرح فتح و نصرت اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر ملے گا اور بتایا کہ جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گا اللہ تعالےٰ نے اس کے لیے جنت واجب کر دی۔

چنانچہ عمیر بن حمام کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

اے اللہ کے رسول وہ جنت جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہو گی۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں! انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول بس بس (کافی ہے)

آپؐ نے فرمایا، بس بس تو نے کیوں کہا؟ عرض کیا، اے اللہ کے رسول (میرا مطلب غلط) نہ تھا بلکہ مجھے امید ہے کہ شاید میں بھی اسی کے رہنے والوں میں سے ہو جاؤں۔

آپؐ نے فرمایا، ہاں بے شک تو ان کے رہنے والوں میں سے ہے۔ انھوں نے چند کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے۔ پھر کہا، اگر میں ان کے کھانے تک زندہ رہا تو پھر یہ (دنیا کی) زندگی بہت طویل ہو گی چنانچہ انھوں نے باقی کھجوریں پھینک دیں اور جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو گئے۔ یہ پہلے شہید تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگ ریزوں سے مٹھی بھری اور انھیں دشمن کے چہروں کی طرف پھینکا

ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑی ہو۔ وہ اپنی آنکھوں سے مٹی نکالنے میں مصروف ہوگئے اور مسلمان انھیں قتل کرنے میں مصروف ہوگئے۔

نیز اس دن فرشتے کفار کو قتل کرنے میں مسلمانوں سے بھی سبقت لے جاتے تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان اس دن ایک مشرک کے پیچھے تیزی سے جا رہا تھا کہ اچانک اس نے اپنے سامنے کوڑے کی آواز سُنی اور ایک سوار کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا، اے حیزدم آگے بڑھ، پھر دیکھا تو مشرک مرا پڑا تھا۔ غور سے جو دیکھا تو کوڑے کی ضرب سے اس کی ناک ٹوٹ چکی تھی اور چہرے کا ایک حصہ پھٹ گیا تھا۔ یہ واقعہ سب کے سامنے لایا گیا تو ایک انصاریؓ نے آگے بڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ماجرا سنایا۔ آپؐ نے فرمایا، تو نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔

ابو داؤدؓ حازنی فرماتے ہیں کہ میں ایک مشرک کے پیچھے بڑھ رہا تھا تاکہ اس کا سر قلم کر دوں، اچانک اس کا سر میری تلوار پہنچنے سے قبل ہی جدا ہو کر گر گیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ اسے میرے سوا کسی دوسرے نے قتل کیا ہے۔

عباس بن عبد المطلب کی گرفتاری

ایک انصاری عباس بن عبد المطلب کو گرفتار کر کے لائے عباس نے کہا کہ اللہ کی قسم اس نے مجھے گرفتار نہیں کیا بلکہ مجھے تو ایک انتہائی خوبصورت آدمی نے گرفتار کیا جو ابلق گھوڑے پر سوار تھا اور اب وہ نظر نہیں آتا۔ انصاریؓ فرمانے لگے کہ اے اللہ کے رسولؐ میں نے انھیں گرفتار کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا خاموش رہو اللہ تعالیٰ نے اچھے فرشتے کے ذریعہ تمہاری مدد کی ہے۔ بنی عبد المطلب سے تین آدمی عباس، نوفل اور عقیل گرفتار ہوئے۔

جب لڑائی ختم ہوگئی اور قریش شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون دیکھے گا کہ ابوجہل کا کیا بنا؟ حضرت ابن مسعودؓ گئے اور گرا ہوا دیکھا۔ عفراء کے دونوں لڑکوں (معوذؓ و معاذؓ) نے اسے مارا تھا۔ آخر مر گیا۔ (ابن مسعودؓ) نے اس کی داڑھی پکڑی اور پوچھا تو ابوجہل ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آج کس کی فتح ہوئی۔ انھوں نے فرمایا، اللہ اور اس کے رسول کو فتح حاصل ہوئی اور اے اللہ کے دشمن اللہ نے تجھے ذلیل کیا۔ وہ بولا اور کیا ایسے آدمی پر کہ جس کی قوم نے اسے قتل کیا؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اسے قتل کر دیا اور (اس کا سر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا۔ میں نے اسے قتل کیا ہے۔ آپؐ نے

فرمایا، اللہ تعالیٰ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں" آپؐ نے تین بار یہ کلام دہرایا - پھر فرمایا اللہ اکبر سب تعریفیں اللہ کی ہیں، جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا - اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور تنہا (دشمن) کی جماعتوں کو شکست دی " پھر فرمایا، چلو مجھے دکھاؤ، میں نے آپؐ کو (اس کی لاش مع سر) دکھایا - آپؐ نے فرمایا، یہ اس امت کا فرعون ہے -

اسی روز حضرت عکاشہ رضہ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی - نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک خشک ٹہنی عطا فرمائی اور فرمایا، اس سے (کام) لو - جب حضرت عکاشہؓ نے اسے پکڑ کر ہلایا تو (یہ ٹہنی) ایک طویل انتہائی سفید تلوار بن گئی - یہ صحابی ہمیشہ اس سے جہاد کرتے رہے - آخر کار ابوبکر رضہ کی خلافت میں فتنہ ارتداد کے موقع پہ شہید ہوگئے -

حضرت زبیر رضہ نے عبیدہ بن سعید بن عاص کو دیکھا، وہ ہتھیاروں میں غرق تھا اور اس کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں - حضرت زبیر رضہ نے اپنا حربہ اس کی آنکھ میں گھونپ دیا اور وہ مر گیا پھر انھوں نے اپنا پاؤں حربہ پر رکھا اور اسے کھینچا اسے کھینچتے ہوئے انھیں کافی زور لگانا پڑا اور اس کی ایک طرف دہری ہو گئی - نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حربہ طلب فرمایا انھوں نے پیش کر دیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو انھوں نے پھر اسے واپس لے لیا - پھر ابوبکر رضہ نے ان سے مانگ لیا - جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت عمر رضہ نے لے لیا - جب حضرت عمر رضہ کا انتقال ہوا تو پھر (زبیر رضہ) نے واپس لے لیا، اس کے بعد حضرت عثمان رضہ نے لے لیا - جب حضرت عثمان رضہ کا انتقال ہوا تو یہ حربہ آل علی رضہ کے پاس آگیا، چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضہ نے ان سے لے لیا اور شہادت تک ان کے پاس ہی رہا -

حضرت رفاعہ رضہ بن رافع فرماتے ہیں کہ بدر کے دن میں نے تیر مارا تو میری آنکھ پھوٹ گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک لگایا پھر مجھے کچھ بھی تکلیف نہ رہی - جب جنگ ختم ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقتولوں کے پاس کھڑے ہوگئے اور فرمایا، تم بدترین خاندان ہو - تم تھے جن کی طرف میں نبی بن کر مبعوث ہوا - اور تم نے میری تکذیب کی اور دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی - تم نے مجھے رسوا کرنے کی کوشش کی، دوسرے لوگوں نے میری مدد کی - تم نے مجھے نکال دیا، اور دوسرے لوگوں نے مجھے جگہ دی -

پھر آپؐ نے بدر کے کنوؤں میں سے ایک ویران کنویں کی طرف انھیں گھسیٹا اور اس میں انھیں پھینک دیا گیا - اس کے بعد آپؐ کھڑے ہو کر نام لے لے کر فرمانے لگے -

اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ۔ اے فلاں اے فلاں کیا تم نے پا لیا، جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا؟ البتہ میں نے حق پا لیا، جو مجھ سے میرے پروردگار نے وعدہ کیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول آپؐ ایک مردہ قوم سے مخاطب ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں جو ان سے کہہ رہا ہوں، وہ کلام تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب دینے کی سکت نہیں رکھتے۔

آپؐ اس علاقے میں تین دن ٹھہرے رہے اور آپؐ جب بھی کسی قوم پر حملہ کرتے تو آپؐ وہاں تین دن ٹھہرا کرتے۔ اس کے بعد آپؐ فاتح اور اللہ کی مدد سے خوش و خرم واپس تشریف لاتے۔ آپؐ کے ہمراہ قیدی اور مال غنیمت تھا۔

جب آپؐ صفراء پر پہنچے تو غنائم کو تقسیم فرمایا، اور نضر بن حرث بن کلاہ کی گردن ماردی۔ پھر آپؐ عرق الظبیہ اترے اور عقبہ بن ابی معیط کی گردن ماری اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فاتح اور منصور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اب تو مدینہ اور اس کے ارد گرد کا ہر دشمن آپؐ سے ڈرنے لگا۔ نیز مدینہ کے متعدد لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی بھی اس وقت ظاہری طور پر مسلمان ہوئے۔

غزوہ بدر میں تین سو دس سے کچھ زیادہ صحابہؓ شریک ہوئے۔ ترانسی مہاجرین۔ اکسٹھ اوس قبیلہ کے۔ ایک سو ستر بنو خزرج کے تھے۔ اوس کی تعداد خزرج سے کم تھی۔ اگرچہ یہ قبیلہ زیادہ قوی، اور صاحب شوکت تھا، اور لڑائی میں مستقل مزاج تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے گھر مدینہ سے باہر تھے اور جنگ کا بلاوا اچانک آگیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شوال کے مہینہ میں غزوۂ بدر اور اس کے گرفتار شدگان سے فارغ ہوئے۔

غزوۂ سویق

دشمن اسلام یہودی سردار کعب بن اشرف کا قتل

غزوۂ سویق جب مشرکین کا گروہ ذلیل، رسوا اور غمزدہ حالت میں واپس گیا تو ابوسفیان نے نذر مانی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کیے بغیر سر پر پانی نہ ڈالوں گا، چنانچہ دو سو سواروں کے ہمراہ نکلا اور مدینہ کے ایک جانب میدان میں آیا، وہاں ایک یہودی سلام بن مشکم کے پاس رات گزاری۔ اس نے اسے شراب پلائی اور لوگوں سے اسے پوشیدہ رکھا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے کھجور کے چند درخت کاٹ ڈالے۔ ایک انصاری اور ایک ان کے حلیف کو قتل کردیا۔ پھر واپس بھاگ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی نذر مانی۔ اس کی تلاش میں تشریف لے گئے، اور قرقرۃ الکدر تک پہنچے، لیکن ابوسفیان بھاگ چکا تھا۔ زاد راہ کی کثرت کے باعث کفار نے کافی مقدار میں ستو پھینک دیئے۔ مسلمانوں نے وہ ستو اٹھا لیے۔ اس طرح اس کا نام ہی غزوۂ سویق پڑ گیا۔ یہ واقعہ غزوۂ بدر کے دو ماہ بعد پیش آیا۔

کعب بن اشرف کے واقعہ کی تفصیل اب کعب بن اشرف کا واقعہ بیان ہوتا ہے، اس یہودی کی ماں بنونضیر سے تعلق رکھتی تھی اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف و اذیت کا موجب تھا۔ اپنے اشعار میں صحابہؓ کی ازواج سے تشبیب کیا کرتا تھا۔ جب غزوہ بدر ہوا تو یہ مکہ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے خلاف (اہل مکہ) کو بھڑکانے لگا، پھر مدینہ لوٹ آیا اور ایسی ہی حرکتیں کرنے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کعب بن اشرف کا خاتمہ کون کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے۔

محمد بن مسلمہ، عباد بن بشر۔ ابونائلہ جس کا نام سلکان بن سلامہ تھا، اور یہ کعب کے رضاعی بھائی تھے۔ حرث بن اوس اور ابوعبس بن جبر تیار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی کہ

اُسے گھات سے قتل کر دیں۔

یہ لوگ رات کو جب چاندنی کھلی ہوئی تھی گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع غرقد تک ساتھ تشریف لے جا کر انھیں رخصت کیا۔ جب وہاں پہنچے تو سلکان بن سلامہ کو اس کے پاس بھیجا وہ بظاہر رسول اللہ سے منحرف ہو کر، اور اس کے دم ساز بن کر پہنچے۔ اور آپ کے بارے میں شکایتی الفاظ کہے۔ نیز کہا کہ یہ اسلحہ رہن رکھ لو اور میرے رفقاء کے کھانے کا بندوبست کرو، اس نے قبول کر لیا۔

سلکان رضؓ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آئے، انھیں ساتھ لے آئے۔ وہ اپنے قلعے سے باہر نکلا یہ فوراً اس پر پل پڑے اور تلوار کی نوک پر رکھ لیا۔ محمدؓ بن سلمہ نے اسے قتل کر دیا، زخمی ہو کر یہ دشمن خدا زور سے چیخا، جس سے ہر چہار طرف ایک دہشت سی پھیل گئی۔ ان لوگوں نے آگ جلائی اور دفعہ آ گیا۔ آخر یہ (صحابہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شب کے آخری حصہ میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ حرثؓ بن اوس اپنے کسی ساتھی کی تلوار سے زخمی ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک زخم پر لگا دیا، وہ فوراً ہی صحت یاب ہو گئے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی عہد شکنی اور خدا اور رسولؐ سے جنگ آزمائی کے باعث ان کے قتل کی اجازت دے دی۔

غزوۂ احد

تاریخ اسلام کی اہم ترین اور فیصلہ کن جنگ

ابوسفیان کی اسلام دشمنی

جب اللہ تعالیٰ نے اشرافِ قریش کو بدر کے موقع پر قتل کردیا، اور انھیں سابق مواقع کی نسبت بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا تو ان کا رئیس ابوسفیان بن حرب تھا، یہی تھا جس نے انھیں بھیجا تھا، اور غزوہ سویق میں بھی یہ خود آیا تھا، اور خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کرسکنے پر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو اکسایا کرتا تھا، آخر کار اس نے تین ہزار کی تعداد میں فوج مرتب کرلی جس میں قریش اس کے حلیف اور دیگر گروہ بھی شامل تھے۔ یہ لوگ اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لے آئے تاکہ عار کے خوف سے فرار نہ ہوسکیں، اس کے بعد یہ لشکر مدینہ کی طرف چل پڑا۔ عینین کے مقام پر احد پہاڑ کے قریب اترا۔ یہ واقعہ ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینہ میں پیش آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ آیا مقابلہ میں مدینہ سے باہر نکلیں یا مدینہ میں ٹھہریں؟ آپؐ کی یہ رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نہ جائیں اور یہیں قلعہ بند ہوں۔ اگر وہ شہر میں داخل ہوجائیں تو مسلمان ان سے گلیوں میں مقاتلہ کریں اور عورتیں چھتوں پر سے۔ عبداللہ بن ابی نے اس رائے کی تائید کی۔ کبار صحابہؓ کی ایک جماعت جو بدر میں شریک نہ ہوسکی تھی، انھوں نے باہر نکلنے کا مشورہ دیا اور اس پر اصرار کیا۔ عبداللہ بن ابی نے مدینہ میں ہی ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ آپؐ کی رائے بھی مدینہ کے متعلق تھی، اس لیے بعض صحابہؓ نے آپؐ کی تائید کی، بحث تمام ہونے کے بعد آپؐ اٹھ کر گھر میں تشریف لے گئے اور سلاح جنگ زیب تن فرماکر باہر تشریف لائے۔

اب صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر آپؐ مدینہ میں ٹھہرنا پسند فرمائیں تو ایسا ہی کرلیں۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نبی کو مناسب نہیں کہ جب وہ لباسِ (جہاد) پہن لے تو پھر (ہتھیار)

اتار دے جب تک کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہؓ کے ہمراہ باہر تشریف لائے۔ اور جو لوگ مدینہ میں رہ گئے ان کی امامت کے لیے آپؐ نے ابن ام مکتوم کو مقرر فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن باہر نکلے۔ جب آپؐ مدینہ اور احد کے درمیان پہنچے تو عبداللہ بن ابی (منافق) لشکر کا تیسرا حصہ لے کر الگ ہو گیا، اور کہنے لگا، تم میری مخالفت کرتے ہو اور میرے سوا دوسروں کی بات سنتے ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبری جاری رکھی اور وادی کے ایک کنارے احد کے ایک حصہ میں اترے آپؐ نے احد کی طرف پشت کی اور بلا اجازت لوگوں کو جنگ شروع کرنے سے منع فرمایا۔

مسلمانوں کی صف بندی اور جنگی تیاری

جب ہفتے کے دن کی صبح ہوئی تو لڑائی کی تیاری کی، آپؐ کے ہمراہ سات سو آدمی تھے جن میں پچاس سوار تھے۔ آپؐ نے پچاس تیراندازوں پر عبداللہؓ بن جبیر کو امیر بنایا۔ انھیں اور ان کے رفقاء کو حکم دیا کہ مرکز سے چمٹے رہیں۔ اور اس سے ہرگز جدا نہ ہوں۔ اگرچہ پرندوں کو دیکھیں کہ وہ لشکر کو کھائے جا رہے ہیں۔ جو لوگ فوج کے پیچھے کی جانب متعین تھے۔ آپؐ نے انھیں حکم دیا کہ مشرکین کو تیروں سے روکے رکھیں تاکہ پیچھے کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ نہ ہو سکے۔ اس روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو زرہیں پہنے تھے۔ آپؐ نے مصعبؓ بن عمیر کو جھنڈا عطا فرمایا۔ نیز آپؐ نے زبیرؓ بن عوام کو ایک جانب اور منذر بن عمرو کو دوسری جانب امیر بنایا۔ اسی روز ایسے نوجوان بھی حاضر ہوئے۔ آپؐ نے جنھیں کم عمر خیال فرمایا اس لیے لوٹا دیا۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ اسامہ بن زید۔ اسید بن ظہیر، براء بن عازب، زید بن ارقم۔ زید بن ثابت۔ عرابہ بن اوس اور عمرو بن حزام رضی اللہ عنہم انہی میں سے تھے اور جنھیں قدرے توانا سمجھا انھیں اجازت دے دی۔ سمرۃ بن جندب۔ رافع بن خدیج انھیں میں سے تھے۔ ان دونوں کی عمریں پندرہ پندرہ سال کی تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ جس کی عمر پندرہ سال کی تھی اسے آپؐ نے اجازت دے دی، اور جس کی عمر اس سے کم نکلی اسے واپس کر دیا اور اس روز مسلمانوں کا شعار "امت امت" تھا چنانچہ ابتدائے دن میں مسلمانوں کو کفار پر فتح حاصل ہوئی اور کفار فرار ہو گئے، یہاں تک کہ اپنی عورتوں کے پاس جا پہنچے۔ جب تیراندازوں نے (کفار) کی شکست دیکھی تو اس جگہ چھوڑ دی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں متعین فرمایا تھا اور کہنے لگے (چلو) غنیمت! غنیمت، ان کے امیر نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد یاد دلایا لیکن انھوں نے نہ سنا اور سمجھے کہ مشرکین بھاگ چکے چنانچہ سرحد خالی چھوڑ کر مالِ غنیمت

کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

مشرکین کے سواروں نے دیکھا کہ سرحد خالی ہے، وہ تیزی سے آگے بڑھے اور مسلمانوں کا احاطہ کر لیا اس کے بعد ستر صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ نے شہادت سے نوازا۔ صحابہؓ کے ہٹ جانے کے باعث مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے۔ اور آپؐ کا چہرہ انور زخمی کر دیا، اور آپؐ کا ایک دندان مبارک شہید کر دیا اور آپؐ پر پتھر برسائے۔ یہاں تک کہ آپ ابو عامر کے ایک گڑھے میں گر گئے جو اس نے مسلمانوں کے لیے کھود رکھے تھے۔ حضرت علیؓ نے آپؐ کو اپنے ہاتھ سے تھام لیا اور طلحہ بن عبید اللہ نے آپؐ کو اپنے جسم کی اوٹ میں کر لیا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر آپؐ کے سامنے شہید ہو گئے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو جھنڈا دے دیا۔ آہنی خود کے دو حلقے آپؐ کے رخسار میں چبھ گئے۔ ابو عبیدؓ بن جراح نے انھیں نکالا۔ انہی زخموں کے باعث آپؐ کے دو دانت شہید ہو گئے۔ ابو سعید خدری کے والد مالک بن سنان نے آپؐ کے رخسار سے بہتے ہوئے خون کو چوس لیا۔

مشرکین نے خیال کیا کہ اب ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اللہ تعالےٰ حائل نہیں۔ چنانچہ دس کے قریب مسلمان بیچ میں آگئے۔ آخر وہ شہید ہو گئے .... پھر حضرت طلحہؓ نے ان سے مقابلہ کیا اور مشرکوں کو آپؐ سے دور ہٹا دیا۔ حضرت ابو دجانہؓ اپنی پشت کفار کی طرف کر کے آپؐ کے لیے ڈھال بن گئے۔ ان پر تیر برس رہے تھے اور وہ وہاں سے ہلتے نہ تھے۔ حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ میں چوٹ لگ گئی انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اپنی جگہ پر لوٹا دیا اب وہ دونوں میں سے زیادہ صحت مند آنکھ بن گئی۔

جنگ کی گہما گہمی میں شیطان چیخا کہ محمدؐ قتل ہو گیا۔ مسلمانوں پر سخت سراسیمگی طاری ہو گئی، بڑی تعداد میں وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ انس بن نضر ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو ہاتھ توڑے بیٹھے تھے۔ انھوں نے پوچھا کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟

کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو چکے۔

انھوں نے کہا تو پھر آپؐ کے بعد تم زندگی سے کیا لوگے، آؤ اٹھو جس پر آپؐ نے وفات پائی تم بھی موت کو (اس پر) خوش آمدید کہو۔ اس کے بعد لوگوں کے سامنے آئے اور حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی۔ ان سے کہنے لگے، اے سعد میں احد سے ورے ہی سے جنت کی خوشبو پاتا ہوں۔

چنانچہ انھوں نے مقاتلہ کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (شہادت کے بعد دیکھا گیا) تو ان کے بدن پر زخم کے ستر نشانات تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے قریباً بیس زخم کھائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی طرف تشریف لائے تو سب سے پہلے کعب رضؓ بن مالک نے خود کے نیچے سے آپؐ کو پہچانا، اور زور سے آواز دی۔ اے مسلمانو، خوش ہو جاؤ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپؐ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ "خاموش رہو" مسلمان آپؐ کے پاس جمع ہو گئے اور جس شعب (گھاٹی) میں آپؐ اترے تھے وہیں عام مسلمان بھی آ گئے۔ وہاں ابوبکرؓ اور عمرؓ علیؓ اور حرث بن صحمہ انصاری وغیرہ بھی موجود تھے۔

ایک دشمن رسولؐ کی درگت

جب پہاڑ کی طرف بڑھے تو رسول اللہ نے ابی بن خلف کو دیکھا۔ اس اللہ کے دشمن کو شک ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے قتل کر دیں گے۔ جب آپؐ اس کے قریب آئے تو حرث بن صحمہ سے حربہ لیا اور اسے مارا۔ اس کی گردن میں زخم ہوا اور اللہ کا دشمن شکست کھا کر بھاگا۔ مشرکین نے اس سے کہا، خدا کی قسم تجھے کچھ نہیں ہوا۔

اس نے جواب دیا کہ جس قدر مجھے تکلیف ہے اگر ذی مجاز والوں کو اتنی تکلیف ہوتی تو تمام مر جاتے۔ (واقعہ یوں ہے) کہ یہ مکہ میں گھوڑا چرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میں اس پر سوار ہو کر محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی، تو آپؐ نے فرمایا، بلکہ انشاء اللہ میں اسے قتل کروں گا۔ آپؐ نے جب اسے مارا تو اللہ کے دشمن کو وہی بات یاد آ گئی کہ میں اسے قتل کروں گا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس زخم سے ضرور مر جائے گا، چنانچہ وہ مکہ کی طرف واپس ہوتے ہوئے سرف کے مقام پر مر گیا۔

حضرت حنظلہ رضؓ اس معرکہ میں شہید ہو گئے۔ بہ حالتِ جنابت میں تھے کیونکہ جب انھوں نے آواز سنی تو اس وقت اپنی بیوی سے مشغول تھے، اسی وقت اٹھے اور جہاد میں آ کر شہید ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو خبر دی کہ انھیں فرشتے غسل دے رہے ہیں۔

پھر آپؐ نے فرمایا کہ معلوم کرو کہ ان کا کیا معاملہ ہے؟ ان کی بیوی سے صحابہؓ نے دریافت کیا تو انھوں نے اصل واقعہ بتا دیا۔ چنانچہ فقہاء نے اسے اس بات کی دلیل قرار دیا ہے کہ اگر حالتِ

جنابت میں کوئی شہید ہو جائے تو فرشتوں کی اقتداء کے باعث اسے غسل دیا جائے۔

جب لڑائی ختم ہو گئی تو ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی، کیا تم میں محمدؐ ہے؟ انھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر کہنے لگا کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکرؓ) ہے؟ اس پر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر پوچھا کیا تم میں عمرؓ بن خطاب ہے؟ پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا، چونکہ اسے اور اس کی قوم کو معلوم تھا کہ اسلام انہی حضرات کے باعث طاقتور رہے اس لیے انہی کے متعلق دریافت کیا پھر (ابوسفیان) کہنے لگا، ان سب کا تو کام تمام ہو گیا۔

ابوسفیان کے نعروں کا جواب

حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا، فرمایا، او دشمن خدا! جن کا تو نے ذکر کیا ہے وہ سب زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تجھے ایذا دینے کے لیے انھیں باقی رکھا ہے۔

اس کے بعد (ابوسفیان) چلایا "اے ہبل اونچا رہ (اعلیٰ ہبل)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم اس کا جواب نہ دوگے؟ عرض کیا گیا، کیا کہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ کہو اللہ سب سے اونچا اور بڑا ہے (اللہ اعلیٰ واجل) پھر وہ (ابوسفیان) کہنے لگا، ہمارے پاس عزیٰ (ایک بت کا نام جس کو یاد کرکے وہ بزعم خویش عزت حاصل کرتے) ہے اور تمہارے پاس عزیٰ نہیں (لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم) آپؐ نے فرمایا کیا تم اس کا جواب نہ دوگے؟ عرض کیا گیا، ہم کیا کہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہو کہ ہمارا آقا اللہ ہے اور تمہارا کوئی آقا (مولا) نہیں (اللہ مولانا ولا مولا لکم)

اس کے بعد ابوسفیان کہنے لگا، بدر کے دن کا یہ بدلا ہے اور جنگ کے مقابلہ میں (ہار جیت) ہوتی ہی رہتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا، نہیں یہ بات نہیں بلکہ ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں۔

غزوہ احد میں بھی ملائکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیا۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے روایت کیا، فرمایا کہ میں نے احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپؐ کے ہمراہ دو آدمی قتال میں شریک تھے جن پر ازحد سفید کپڑے تھے۔ اس سے پہلے اور بعد میں میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا اور صحیحین میں ابی حازمؓ سے مروی ہے کہ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کے متعلق پوچھا گیا۔ انھوں نے کہا، اللہ کی قسم میں خوب جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا زخم کون دھو رہا تھا؟ کون پانی بہا رہا تھا اور دوا کیا کی گئی۔

حضرت فاطمہ رضؓ زخم کو دھو رہی تھیں اور حضرت علی بن ابی طالب پانی ڈال رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہ رضؓ نے دیکھا خون زیادہ نکل رہا ہے تو انھوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم میں رکھا جس سے خون رک گیا۔

حضرت انس رضؓ نے کہا اے سعد رضؓ جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ میں احد سے ورے ہی محسوس کر رہا ہوں اس کے بعد وہ میدان جنگ میں چلے گئے اور جہاد شروع کیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ان کی لاش پہچانی نہ جاسکی۔ ان کی ہمشیرہ نے انگلی کے پوروں سے پہچانا، اور ان پر نیزے تلواروں اور تیروں کے اسّی سے زیادہ نشان تھے۔

مشرکین ابتدائے دن میں ہی شکست کھا گئے۔ ابلیس چیخا، اے اللہ کے بندو، اللہ تمھیں رسوا کرے۔ شکست سے واپس آؤ اور جنگ کرو۔

حضرت حذیفہ رضؓ نے دیکھا کہ مسلمان ان کے والد کو مشرکین کا آدمی سمجھ کر قتل کرنے لگے ہیں انھوں نے آواز دی، اللہ کے بندو، یہ میرے والد ہیں وہ ان کا کلام نہ سمجھے اور انھیں شہید کر دیا (حضرت حذیفہ رضؓ) نے فرمایا، اللہ تمھیں بخشے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیت دینا چاہی انھوں نے جواب دیا کہ میں نے ان کی دیت مسلمانوں کو معاف کر دی، اس واقعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت حذیفہ رضؓ کا مرتبہ اور بڑھ گیا۔

حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز مجھے سعد بن ربیع رضؓ کی تلاش میں بھیجا، فرمایا کہ اگر تو انھیں دیکھے تو میری طرف سے سلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ دریافت فرما رہے تھے کہ تمھارا کیا حال ہے؟

راوی کہتے ہیں کہ میں مقتولوں میں پھرنے لگا۔ آخر میں (سعد رضؓ) کے پاس آیا ان کا دم لبوں پر تھا، نیزوں، تلواروں اور تیروں کے بدن پر ستر نشانات تھے۔

میں نے کہا اے سعد رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں سلام کہا ہے اور دریافت فرمایا ہے کہ تمھارا حال کیا ہے؟

انھوں نے جواب دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو، ان سے عرض کرنا "اے اللہ کے رسول میں جنت کی خوشبو پا رہا ہوں، اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچی اور تم میں ایک جھپکنے والی آنکھ بھی باقی ہوئی تو یاد رکھو اللہ کے

ہاں تمہارا کوئی عذر سُنا نہ جائے گا۔ اس کے فوراً بعد ان کی رُوح پرواز کرگئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام فرماتے ہیں، میں نے احد سے قبل میشر بن عبدالمنذر کو خواب میں دیکھا، کہنے لگے چند ہی روز میں تم ہمارے پاس آرہے ہو۔

میں نے پوچھا اور تم کہاں ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم جنت میں ہیں۔ ہمارا جہاں دل چاہتا ہے سیر کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا آپ بدر کے غزوہ میں شہید نہ ہوئے تھے؟ انھوں نے فرمایا ہاں! پھر مجھے دوبارہ زندہ کیا گیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ کیا، آپؐ نے فرمایا اے ابوجابرؓ یہ گواہی ہے۔

اللہ کا دشمن ابی بن خلف لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اگر محمدؐ بچ رہا تو میں نہ بچ سکوں گا کیونکہ اس نے مکہ میں حلف اٹھایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کردے گا۔ مصعبؓ بن عمیر سامنے آئے اور مصعب شہید ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ اور بیضہ کے درمیان گردن پر جگہ دیکھی۔ آپؐ نے اس جگہ حربہ مارا اور وہ گھوڑے پر سے گر پڑا۔ اس کے دوستوں نے اسے اٹھالیا، اور بیل کی طرح خرخرا رہا تھا (اس کے ساتھی) کہنے لگے، یہ ذرا سا زخم ہے، پھر بھی تو اتنی بے صبری دکھا رہا ہے؟ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد آگیا کہ میں انشاء اللہ اسے قتل کروں گا۔ چنانچہ رابغ میں جاکر مرگیا۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رات کے ایک حصہ میں میں وادی رابغ میں جارہا تھا کہ مجھے ایک آگ نظر آئی۔ میں ادھر گیا، دیکھا تو ایک آدمی ایک زنجیر گھسیٹتا ہوا اس میں سے نکل رہا ہے اور پیاس پیاس چیخ رہا ہے اور ایک اور آدمی بھی نظر آیا جو کہہ رہا تھا کہ اسے پانی نہ پلانا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا ہے۔ یہ ابی بن خلف ہے۔

یوم احد ابتلا اور امتحان کا دن تھا

زہریؒ۔ عاصم بن عمرؓ اور محمد بن یحییٰ بن حبانؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یوم احد ابتلاء و امتحان کا دن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن مومنین کو آزمایا اور منافقین کو عریاں کردیا، جو محض زبان سے اظہار اسلام کیا کرتے تھے، اور دل میں کفر چھپا رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں میں سے جسے چاہا شہادت کے اکرام سے نوازا۔ نیز احد کے ذیل قرآن کی سورہ آل عمران کی ساٹھ آیات نازل ہوئیں جن کی ابتداء اس آیت سے ہوتی ہے۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ آخر تک۔

احد کا غزوہ کئی احکام و قواعدِ فقہیہ پر مشتمل ہے

ایک یہ کہ جب جہاد کا آغاز ہو جائے اور اسلحہ پہن لیا جائے اور مقابلے کا عزم کر لیا جائے تو دشمن سے جنگ کیے بغیر واپس نہ ہونا چاہیے۔

(۲) دوسرے لشکر لے کر ان زمینوں سے گزرنا جو کہ راہ میں پڑیں اگرچہ مالک راضی نہ ہو (بشرطیکہ اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو)

(۳) تیسرے جو بچے بالغ نہ ہوں اور جنگ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں انھیں واپس کر دینا۔

(۴) نیز اگر امام کو زخم آجائے تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے اور اس کے پیچھے سب بیٹھ کر نماز پڑھیں جیسا اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور وفات تک آپؐ کی یہ سنت جاری رہی۔

(۵) نیز اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو قتل کر دے تو وہ اہل نار میں سے ہوگا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قزمان کے متعلق فرمایا، جب کہ احد کے دن اسے سخت ترین ابتلاء میں ڈالا گیا۔ جب اسے شدت سے تکلیف محسوس ہوئی تو اس نے اپنے آپ کو ذبح کر ڈالا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اہلِ نار میں سے ہے۔

(۶) نیز شہید کے متعلق سنت یہ ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے۔ نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور جو کپڑے پہنے ہو اس کے علاوہ دوسرے کپڑوں کا اسے کفن بھی نہ پہنایا جائے بلکہ انہی (کپڑوں) میں اس کے زخم اور خون کے ہمراہ اسے دفن کیا جائے۔ ہاں اگر اس کا لباس (دشمنوں) نے چھین لیا ہو تو دوسرا کفن دیا جا سکتا ہے۔

(۷) نیز اگر حالتِ جنابت میں شہادت ہو جائے تو غسل دیا جائے، جیسا ملائکہ نے حنظلہؓ بن ابی عامر کو غسل دیا۔

(۸) اور شہدا کے معاملہ میں منقول یہ ہے کہ انھیں میدان جنگ ہی میں دفن کیا جائے اور دوسرے مقام پر منتقل نہ کیا جائے کیونکہ صحابہؓ کی ایک جماعت نے اپنے مقتولوں کو مدینہ میں منتقل کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کرنے والے نے منادی کی کہ انھیں میدان جنگ میں واپس لوٹا دیا جائے۔

(۹) نیز ایک قبر میں دو یا تین شہداء کو بھی دفن کرنا جائز ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر میں دو یا تین کو بھی دفن کر دیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن جموح کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ دنیا میں ان کی آپس میں بہت محبت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا میں دونوں محبت کرنے والوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دو۔ پھر ایک طویل زمانے کے بعد ان کی قبر

کھودی گئی تو عبداللہ بن عمرو بن حرام کا ہاتھ اسی طرح اپنے زخم پر تھا جیسے انھوں نے زندگی میں اس پر رکھا تھا۔ ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا تو فوراً خون ابلنے لگا۔ اس پر ان کا ہاتھ پھر اسی جگہ لوٹا دیا گیا اور خون رک گیا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو قبر میں دیکھا تو گویا کہ وہ سو رہے تھے اور ذرا بھی ان کی حالت میں تغیر نہ آیا تھا۔ پوچھا گیا۔ آپ نے ان کا کفن بھی دیکھا؟ کہنے لگے انھیں ایک صرف کی چادر میں دفن کیا گیا تھا جو چہرے پر آسکی اور پاؤں پر حرمل (کے پودے) ڈال دیئے گئے۔ ہم نے چادر کو اسی طرح دیکھا اور حرمل بھی ان کے پاؤں پر حسب سابق موجود تھی اور ان کے دفن) ہونے سے اب تک چھیالیس برس گزر چکے تھے۔

(۱۰) نیز اگر مسلمان کسی اپنے آدمی کو (غلطی) سے قتل کر دیں تو امام پر بیت المال سے دیت دینا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ کے والد کی دیت دینی چاہی گو حضرت حذیفہؓ نے دیت لینے سے احتراز کیا اور مسلمانوں کو معاف کر دیا۔

(۱۱) موت کی تمنا جائز نہیں گو میدان جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے حصول شہادت کی تمنا جائز ہے۔

غزوہ احد میں حکم و غایاتِ محمودہ

اللہ سبحانہ، وتعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں ان پر روشنی ڈالی ہے، وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ الخ ان ساٹھ آیات میں قصہ بیان فرمایا اور انھیں معصیت تفرقہ و اختلاف کے انجام بد سے آگاہ کیا اور بتایا کہ جو گزند انھیں پہنچا وہ اسی وجہ سے تھا۔ پھر بتایا کہ تمھیں ان سے پھیر دیا، تاکہ تمھیں آزمائے اور اب تمھیں معاف بھی کر دیا ہے چونکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت اور اختلاف و افتراق کا نتیجہ دیکھ لیا تھا اس لیے اب اسباب خذلان سے خوب واقف اور متنبہ ہو کر اس سے احتراز و اجتناب کرنے لگے۔

نیز یہ فائدہ ہوا کہ مومن صادق اور منافق کاذب میں امتیاز ہو گیا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو کفار پر غلبہ عطا فرمایا اور ان کی آواز بلند ہو گئی تو ظاہری طور پر اسلام میں ایسے لوگ بھی داخل ہو گئے جو باطن میں (مسلمان) نہ تھے۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اپنے بندوں پر ایک مصیبت اور محنت ڈال دے تاکہ مومن اور منافق میں فرق ہو جائے۔ چنانچہ اس غزوہ (احد) میں منافقین نے سر اٹھایا جو کچھ چھپا رہے تھے منہ پر لے آئے اور نفاق کھل کر ظاہر ہو گیا اور لوگ علانیہ کافر مومن اور منافق تین گروہوں میں بٹ گئے اور مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ خود ان کے گھروں میں بھی ان کے دشمن موجود ہیں، جو ان کے ہمراہ رہتے ہیں اور ان سے جدا نہیں ہوتے۔ چنانچہ ان کے

مقابلے کے لیے مستعد ہو گئے اور ان سے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے لگے۔

نیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہادت اولیاء اللہ کے اعلیٰ مراتب کی علامت ہے۔ شہداء اس کے خواص و مقربین میں شامل ہوتے ہیں۔ درجۂ صدیقیت کے بعد شہادت کا ہی درجہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں میں سے شہداء کا انتخاب فرمائے۔ جو اس کی محبت و رضا کی خاطر خون بہائیں اور اس کی محبت و رضا کو اپنی جان پر بھی فوقیت دیں۔ اور اس سعادت عظیمہ کا حصول کا طریق صرف یہی ہے کہ انھیں دشمن کے تسلط میں دیا جائے تاکہ اسباب مقدرہ کے باعث وہ (درجہ شہادت) حاصل کریں۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے کا قصد فرمایا تو ان کے لیے ایسے اسباب مہیا کر دیے جو ان کی ہلاکت و بربادی پر منتج ہوں۔ اور سب سے بڑا (جرم یا سبب) ان کا کفر و بغاوت و طغیان اور اللہ کے اولیا کو از حد ایذا دینا اور ان سے مقاتلہ الیٰ ربہ ہے۔ ان کے گناہ و عیوب کے باعث اپنے اولیاء کو ان پر ظاہر فرما دیا اور اس سے اللہ کے دشمنوں کے اسباب ہلاکت میں اضافہ ہوا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے متعلق ذکر فرمایا:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔

یعنی "کمزور نہ ہو اور نہ غم کرو۔ اور اگر تم مومن ہو۔ تو تم سربلند ہو اگر تم کو تکلیف پہنچی تو اس طرح (دوسری) قوم کو بھی تکلیف پہنچی اور ہم لوگوں میں دنوں کو بدلتے رہتے ہیں تاکہ ان لوگوں کو جان لیں جو ایمان لائے اور لیں وہ تم ہی سے گواہ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کی حوصلہ افزائی اور تقویت اور ان کے عزائم و مصمم کو زندگی بخشنے کا کلام جمع فرما دیا۔ اور کفار کی زیادتیوں کے منطقی نتائج کی بنا پر پیدا شدہ حکمتوں کا تذکرہ کیا اور اچھے انداز سے تسلی دی۔ اس کے بعد ان کے عزائم و ہمتوں پر توبیخ فرمائی کہ (اس سے قبل) تم جہاد کی تمنا کرتے تھے اور جنگ میں جانا چاہتے تھے۔

فرمایا، وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ

تَنْظُرُوْنَ، یعنی اور تم اس سے قبل موت کی تمنا کرتے تھے، کہ اس سے ملیں۔

صحابہ میں شہادت کی تمنا اور شوق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حبیب اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بدر کے شہداء کے فضائل کی خبر دی، تو (صحابہ رضؓ) کو شہادت کی خواہش ہوئی۔ ان کی تمنا یہ ہوئی کہ جنگ ہو تاکہ اس میں شہید ہو کر اپنے بھائیوں سے جا ملیں۔ احد کے روز اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنائیں انھیں دکھا دیں، تو سوائے چند کے جنھیں اللہ نے چاہا تھا شکست کھا گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

نیز غزوہ احد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ وفات کی (اطلاع دہی) کے لیے مقدمہ تھا۔ اس لیے انھیں متنبہ فرمایا اور فرار پر توبیخ کی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں یا قتل ہو جائیں تو (انھیں فرار نہیں ہونا چاہیے) بلکہ ان پر واجب یہ ہے کہ اس کے دین اور توحید پر قائم رہیں اور اسی پر مریں۔ ہر جان دار کو بہر حال موت آنی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ رہنے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا۔ نہ وہ (صحابہ رضؓ) اس کے لیے دنیا میں بھیجے گئے، بلکہ (ان کا مقصد) تو اسلام و توحید کی خاطر مرنا ہے، کیونکہ موت تو بہر حال آکر رہے گی۔ چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں یا زندہ رہیں اس وجہ سے جو دین سے پھر گئے ان پر اللہ تعالیٰ کی زجر نازل ہوئی۔ جب شیطان چلایا کہ محمدؐ قتل ہو گئے تو اللہ تعالےٰ نے آیت نازل فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ

یعنی، اور نہیں ہیں محمدؐ مگر رسول تحقیق گذر چکے ان سے پہلے (کئی) رسول کیا پس اگر فوت ہو جائے یا قتل ہو جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاؤ گے؟ اور جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جائے تو وہ ہرگز اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں دے سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ عنقریب شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالےٰ نے اس چیز کی خبر دی جس سے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں نے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیشہ مدد چاہی۔ اور وہ توبہ، استغفار اور اپنے پروردگار سے دعا ہے تاکہ ان کے قدم مضبوط رہیں اور ان کے اعداء کے خلاف اللہ ان کی مدد کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔

یعنی "اور ان کا قول یہی تھا کہ انھوں نے کہا "اے ہمارے پروردگار، ہمارے گناہ بخش دے اور امور میں ہماری زیادتی کو بخش دے۔ اور ہمیں ثابت قدم کر دے اور کافروں کی قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا کا اجر اور آخرت کا بہتر اجر عطا فرمایا اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا

پھر انھیں یہ بھی بتایا کہ اللہ نے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کر کے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور وہ سچے وعدے والا ہے۔ اس لیے اگر تم لوگ اطاعت پر جمے رہے اور رسول کی اطاعت کو لازم کر لیا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن اگر اطاعت کا جوا اتار دیا اور مرکز (وحی) سے ہٹ گئے تو اللہ کی مدد بھی الگ ہو جائے گی۔ اور سزا و ابتلاء کی خاطر دشمنوں کا تسلط کر دیا جائے گا تاکہ معلوم ہو جائے معصیت اور اطاعت کے عواقب کیا ہوتے ہیں؟

نیز اس کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ یہ ساری لغزشیں خدا نے معاف فرما دیں، اور اللہ تعالےٰ مومنین پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ اس طرح اس واقعہ میں کئی حکمتیں اور مومنین پر اللہ کی بے شمار نعمتیں ملتی ہیں۔

پھر اس میں تحذیر و تخویف: ارشاد و تنبیہ۔ اسباب خیر و شر کی وضاحت ان کا مآل و انجام پھر اپنے نبی اور مومنین کی تسلی و تشفی، جو ان میں سے مقتول ہوئے ان کے متعلق انتہائی لطف و کرم اور رضا الٰہی کی ضمانت جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرما دی (غرض اسی طرح کے بے شمار انعامات ملتے ہیں) اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا، وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

یعنی "اور ان کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے، انھیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے ہاں، انھیں رزق ملتا ہے، خوشی ہیں جو اللہ نے انھیں دیا ہے اپنے فضل سے اور ان کے بعد جو ان سے ابھی نہیں ملے انھیں خوشخبری دیتے ہیں کہ ان پر نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

اِسلام کے دو جاں باز

خبیب بن عدی اور زید بن الدثنہ کا بے دردانہ قتل

ہجرت کے تیسرے سال شوال کی ساتویں تاریخ ہفتے کے دن غزوہ احد واقع ہوا، جیسا مذکور ہو چکا ہے اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف واپس تشریف لے آئے اور شوال ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے مہینے وہیں ٹھہرے۔ جب محرم کا چاند طلوع ہوا۔ آپؐ کو معلوم ہوا کہ خویلد کے دونوں لڑکے اپنی قوم کے ہمراہ بنی اسد بن خزیمہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر ابھار رہے ہیں۔ آپؐ نے ابوسلمہ کو بھیجا اور انھیں جھنڈا دیا اور آپؐ کے ہمراہ انصار و مہاجرین کے ڈیڑھ صد افراد بھیجے، انھیں ایک اونٹ اور بکری ملی۔ اور ابوسلمہؓ یہ تمام (مالِ غنیمت) لے کر مدینہ واپس تشریف لائے۔

خالد بن سفیان ہذلی کا قتل محرم کی پانچویں تاریخ آپؐ کو معلوم ہوا کہ خالد بن سفیان ہذلی نے ایک گروہ جمع کیا ہے۔ آپؐ نے عبداللہ بن انس کو اس کی طرف بھیجا، انھوں نے اسے قتل کیا اور اس کا سر لے آئے اور آپؐ کے سامنے رکھ دیا آپؐ نے انھیں ایک عصا عنایت فرمایا یہ کہنے لگے کہ یہ میرے اور آپؐ کے درمیان قیامت کے دن علامت ہو گی۔ جب ان کی وفات قریب ہوئی تو انھوں نے وصیت کی کہ اسے بھی ان کے کفن میں رکھ دیا جائے۔ یہ اٹھارہ راتیں سفر میں رہے اور ہفتہ کے روز جب محرم میں سات دن باقی تھے واپس آئے۔ جب صفر آیا تو عضل اور قارہ سے ایک قوم خدمت میں حاضر ہوئی۔ انھوں نے اسلام ظاہر کیا اور درخواست کی کہ ان کے ہمراہ ان صحابہؓ کو بھیجا جائے کہ جو دین کے عالم ہوں اور انھیں قرآن پڑھائیں۔ ابن اسحٰق کے قول کے مطابق آپؐ نے چھ آدمی بھیجے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ دس آدمی تھے اور مرثد بن ابی مرثد غنوی کو ان کا امیر بنایا۔ ان میں خبیب

بن عدی بھی تھے۔ یہ ان کے ہمراہ چلے گئے۔ جب یہ لوگ رجیع میں پہنچے۔ یہ حجاز کے ایک طرف کا چشمہ ہے (کفار) نے یہاں دھوکہ دیا اور ان پر حملہ کر دیا اور احاطہ کر لیا اور قتل عام کر دیا۔ خبیبؓ بن عدی اور زید بن دثنہ گرفتار ہو گئے۔ ان دونوں کو لے گئے اور انھیں مکہ میں بھیج دیا۔ ان دونوں نے غزوہ بدر میں کفار کے سرداروں کو واصل جہنم کیا تھا۔ حضرت خبیبؓ تو ان کے ہاں قید ہو گئے اور سارے مل کر ان کو قتل کرنے کے لیے حرم سے نکال کر تنعیم میں لے آئے۔ جب انھیں سولی پر چڑھانے لگے تو انھوں نے کہا مجھے دو رکعتیں پڑھ لینے دو۔ انھوں نے چھوڑ دیا۔ انھوں نے دو رکعتیں پڑھیں۔ جب سلام پھیرا۔ تو فرمایا، اللہ کی قسم اگر تم یہ نہ کہو کہ یہ بزدل ہے تو میں زیادہ پڑھتا۔ اس کے بعد (کفار) کے لیے بددعا کی، اے اللہ انھیں تباہ کر دے انھیں قتل کر دینا اور ان میں سے ایک بھی زندہ نہ چھوڑنا۔

ابوسفیان کہنے لگا، کیا تم نہیں پسند کرتے کہ اس وقت تم اپنے بال بچوں میں زندہ ہوتے۔ اور محمد ہمارے پاس ہوتے اور ہم ان کی گردن مارتے (نعوذ باللہ)

انھوں نے فرمایا، اللہ کی قسم مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میں اپنے اہل وعیال میں ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ پر جہاں کہ وہ ہیں ایک کانٹا ہی چبھ جائے۔

واقعۂ بیر معونہ

اسی یعنی ہجرت کے چوتھے سال صفر کے مہینے میں بیر معونہ کا واقعہ درپیش آیا۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ ابو براء عامر بن مالک مدینے آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اس نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول اگر آپؐ اہل نجد کی طرف صحابہؓ کو اپنے دین کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجیں تو مجھے امید ہے وہ قبول کریں گے آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد سے خطرہ ہے۔

ابو براء کہنے لگا کہ میں ساتھ ہوں۔ آپؐ نے اسی کے ہمراہ ابن اسحاق کے قول کے مطابق چالیس آدمی روانہ فرمائے۔ لیکن صحیح حدیث میں ہے کہ وہ ستر تھے اور منذر بن عمرو کو ان کا امیر بنایا۔ یہ (صحابہؓ) اہل اسلام میں سے بڑے بڑے مراتب والے بزرگ تھے اور قراء اور علماء پر مشتمل تھے۔ یہ چل پڑے اور بیر معونہ پر اترے۔

یہ علاقہ بنو عامر اور حرق بن سلیم کا تھا۔ انھوں نے ام سلیم کے بھائی حرام بن سلمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب دے کر اللہ کے دشمن عامر بن طفیل کی طرف بھیجا۔ اس نے نظر بھی نہ ڈالی اور ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے پیچھے سے نیزہ مار دیا، وہ بدن کے پار ہو گیا اور جب اپنا خون بہتے دیکھا تو فرمایا' رب کعبہ میں تو کامیاب رہا۔

پھر اللہ کا یہ دشمن جلدی سے بنی عامر کی طرف گیا تاکہ باقی سے قتال کیا جائے لیکن انھوں نے ابو براء کی ہمراہی کے باعث ۔۔۔۔ انکار کر دیا۔ پھر یہ بنو سلیم کی طرف گیا چنانچہ عصیہ۔ رعل اور ذکوان تیار ہو گئے۔ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اور ان سے مقاتلہ کیا یہاں تک کہ کعب بن زید بن نجار کے سوا تمام کو شہید کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ مقتولوں میں پڑے رہے اور بعد میں زندہ رہے آخر غزوہ خندق میں شہید ہوئے۔

عمرو بن منذر ضمری اور منذر بن عقبہ بن عامر نے دیکھا کہ جنگ کی جگہ پرندے اڑ رہے ہیں چنانچہ منذر بن محمد اترے اور مشرکین سے مقاتلہ کیا آخر یہ بھی شہید ہو گئےؓ اور عمرو بن امیہ ضمری

گرفتار ہو گئے۔ جب انھوں نے کہا کہ مضر قبیلہ میں سے ہوں، تو انھیں رہا کر دیا گیا۔ اب عمرو بن امیہ واپس تشریف لائے۔ اور ایک نہر کے کنارے قرقرہ میں ٹھہرے اور ایک درخت کے سایہ کے نیچے اترے۔ اس کے بعد بنو کلاب کے دو آدمی بھی وہاں آ گئے اور وہ بھی ان کے ساتھ وہیں اتر پڑے۔ جب وہ سو گئے تو عمروؓ نے انھیں قتل کر دیا۔ اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ واقعہ عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا، تم نے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ میں ان کی دیت دوں گا۔

قنوت نازلہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک قنوتِ نازلہ پڑھی اور جن لوگوں نے مبلغین اسلام کو بیر معونہ میں قتل کر دیا تھا۔ ان کے خلاف بددعا کی۔ آپؐ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی۔ جب وہ لوگ تائب و مسلمان ہو کر حاضر ہوئے، تو آپؐ نے قنوت پڑھنا ترک کر دیا۔

غزوہ ذات الرقاع

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات الرقاع کے غزوہ میں خود حصہ لیا۔ یہ نجد کا غزوہ ہے۔ ہجرت کے چوتھے سال جمادی الاوّل کے مہینے میں آپؐ تشریف لے گئے۔ ایک قول کے مطابق محرم میں آپ محارب اور بنی ثعلبہ بن سعد بن غطفان کی طرف گئے۔ مدینہ پر حضرت ابوذر رضؓ غفاری کو عامل بنایا۔ ایک قول کے مطابق حضرت عثمان رضؓ بن عفان کو عامل بنایا۔ آپؐ چار سو صحابہؓ کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ ایک روایت سات سو کی بھی ملتی ہے۔ آخر آپ غطفان کی فوج کے سامنے پہنچے۔ آمنے سامنے دونوں فوجیں کھڑی ہوگئیں لیکن قتال نہ ہوا۔ ہاں صرف یہ ہوا کہ آپؐ نے اس دن صلوٰۃ خوف ادا فرمائی۔ اس غزوے کے متعلق ابن اسحاق اور اہل سیر و مغازی کا یہی قول ہے یہ مسئلہ بہت مشکل سا ہے کیونکہ یہ صحیح طور پر مروی ہے کہ خندق کے غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ عصر پڑھنے سے روکا گیا۔ سنن، مسند احمد اور شافعی رحمہما اللہ میں ہے کہ انھوں نے نماز ظہر و عصر، مغرب اور عشاء سے روکے رکھا۔ پھر آپؐ نے تمام نمازیں اکھٹی ادا کیں لیکن یہ صلوٰۃ خوف کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے اور خندق کا غزوہ ذات الرقاع کے بعد ۵ھ کا ہے اور ظاہری طور پر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عسفان میں پہلی صلوٰۃ خوف ادا کی۔

بدر موعود یا بدر ثانیہ

یہ واقعہ تو گذر چکا ہے کہ ابوسفیان نے واپسی پر کہا تھا کہ اب ہمارا اور تمہارا وعدہ اگلے سال بدر پر ملاقات (جنگ) کا ہے۔ چنانچہ جب شعبان کا مہینہ آیا۔ ایک قول کے مطابق اگلے سال کا ذی قعدہ کا مہینہ آیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ کے مطابق ایک ہزار پانچ سو کا لشکر لے کر نکلے۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو جھنڈا دیا گیا۔ اور مدینہ میں عبداللہؓ بن رواحہ کو عامل بنایا۔ آخر آپؐ بدر کے مقام پر پہنچے اور وہاں آٹھ دن تک اقامت پذیر رہے اور مشرکین کا انتظار کرتے رہے۔ ابوسفیان مکہ سے دو ہزار کا لشکر لے کر نکلا اور ان کے پاس پچاس سوار تھے۔

جب یہ مرالظہران پہنچے جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ ابوسفیان کہنے لگا، یہ خشک سالی کا سال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم واپس لوٹ جائیں۔

چنانچہ واپس چلے گئے اور وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے۔ اس لیے اسے غزوۂ بدر موعود، یا غزوہ بدر ثانی کا نام دیا جاتا ہے۔

غزوۂ مریسیع اور واقعۂ افک

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ پر منافقوں کی تہمت اور اس کے اثرات

واقعات کی ضروری تفصیل شعبان ۵ھ میں یہ غزوہ ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حرث بن ابی حزار جو بنو مصطلق کا سردار ہے اپنی قوم اور دیگر عربوں کو لے کر جنگ کرنا چاہتا ہے۔ آپؐ نے بریدہ بن حصیب اسلمی کو خبر لانے کا حکم دیا۔ یہ گئے اور حرث بن ابی ضرار سے ملے اور اس سے گفتگو کی۔ اس کے بعد حاضر خدمت ہو کر تمام ماجرا بیان کیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے نکلے آپؐ کے ہمراہ منافقین کا ایک گروہ بھی نکل آیا۔ جو اس سے قبل کسی غزوے میں شریک نہ ہوا تھا۔ زید بن حارثہ کو آپؐ نے مدینہ پر عامل مقرر فرمایا۔ ایک قول ابوذر رضؓ کے متعلق بھی ہے ایک قول نمیلہ بن عبد اللہ لیثی کے متعلق ہے۔ آپؐ پیر کو نکلے حرث بن ضرار اور اس کے ساتھیوں کو آپؐ کی اور صحابہ رضؓ کی آمد کی اطلاع ملی تو خوف کے مارے عرب کے قبائل اس سے الگ ہو گئے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریسیع پہنچے، یہ پانی کی جگہ تھی۔ یہاں آپؐ کا خیمہ گاڑا گیا۔ آپؐ کے ہمراہ عائشہ رضؓ اور ام سلمہ رضؓ تھیں چنانچہ قتال کی تیاری کی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضؓ کی صف بندی کی۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت ابوبکر رضؓ کے پاس اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد رضؓ بن عبادہ کے پاس تھا۔ ایک ساعت تیر اندازی ہوئی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفعتہً حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اسی وقت اللہ کی مدد پہنچی، اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کفار شکست کھا گئے۔ کچھ ان میں سے قتل ہوئے۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کیا گیا۔ جانور اور بکریاں مال غنیمت کے طور پر ہاتھ لگیں۔ صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔ عبدالمومن بن خلف نے سیرت میں یہی لکھا ہے حالانکہ یہ ان کا وہم ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قتال نہیں ہوا بلکہ آپؐ نے

اچانک حملہ کیا تھا، چنانچہ ان کی اولاد گرفتار ہوئی اور مال ہاتھ لگا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا آپ کے عقد میں گرفتار شدگان میں حضرت جویریہ بنت حرث بھی آئیں - یہ حارث اپنی قوم کا سردار تھا۔ یہ ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ انھوں نے ان سے کتابت کرلی - نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کتابت کی رقم ادا فرمائی پھر ان سے نکاح کرلیا۔ اس پر مسلمانوں نے بنو مصطلق کے تقریباً سو غلام آزاد کیے جو مسلمان ہو چکے تھے اور کہا:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال ہیں۔ ابن سعد فرماتے ہیں کہ اس غزوہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہار گر گیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی تلاش کی وجہ سے رک گئے چنانچہ تیمم کی آیت نازل ہوئی۔

یہ واقعہ اس طرح تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آئیں کیونکہ ان ہی کے نام قرعہ سفر میں جانے کا نکلا تھا۔ آپ کا اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ یہی طریقہ تھا۔ جب غزوہ سے واپس ہوئے۔ اور ایک جگہ ٹھہرے۔ حضرت عائشہ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئیں اور جو ہار انھوں نے اپنی ہمشیرہ سے مستعار لیا تھا وہ کھو دیا۔ چنانچہ دوبارہ وہیں اس کی تلاش میں گئیں اتفاق سے اسی وقت جو لوگ ان کا ہودج اٹھا کر لے جاتے تھے، حاضر ہوئے انھوں نے سمجھا ام المومنین اس کے اندر ہیں۔ انھوں نے اسے اٹھا لیا اور اس کے ہلکے پن کا احساس نہ کیا کیونکہ ان دنوں ام المومنین رضی اللہ عنہا چھوٹی عمر کی تھیں نیز اٹھانے والے زیادہ تھے، اس لیے بھی انھیں احساس نہ ہوا - اور اگر ایک یا دو آدمی اٹھاتے تو یہ معاملہ ان سے مخفی نہ رہتا۔

ہار کی تلاش کرنے کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ واپس تشریف لائیں تو دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے اور وہاں کوئی آدمی بھی نہیں رہا۔ چنانچہ وہیں بیٹھ گئیں اور یہ خیال کیا کہ جب وہ انھیں ہودج میں نہ پائیں گے تو تلاش کرتے ہوئے واپس یہیں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے۔ اپنے عرش پر سے جیسے چاہتا ہے امور کی تدبیر کرتا ہے پھر ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور سو گئیں اور صفوان بن معطل (جو قافلے کے پیچھے پیچھے آرہے تھے) کی آواز سے جاگیں۔ انھوں نے دیکھ کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ صفوان قافلے سے پیچھے رہتے تھے کیونکہ یہ سوتے زیادہ تھے۔ جیسا کہ صحیح ابن حاتم میں مروی ہے اور سنن میں ہے کہ جب انھوں نے ام المومنین کو دیکھا تو پہچان لیا اور پردے کے حکم سے قبل انھوں نے انھیں دیکھا تھا۔ چنانچہ انھوں نے استرجاع کیا (انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا) اور اپنی

اونٹنی کو بٹھا کر ان کے قریب کر دیا۔ وہ سوار ہو گئیں اور اس کے علاوہ کوئی بات نہ کی۔ ام المومنینؓ نے اس کے علاوہ ان سے اور کوئی کلام نہیں سنا۔ اس کے بعد وہ آگے آگے چل پڑے یہاں تک کہ قافلے سے آن ملے۔ جس جگہ لشکر دوپہر کے وقت اترا ہوا تھا۔

چہ میگوئیاں اور طرح طرح کی باتیں

جب لوگوں نے یہ معاملہ دیکھا تو ہر آدمی نے اس معاملہ پر گفتگو کی۔ عبداللہ بن ابی جیسے منافق نے بغض و نفاق کا مظاہرہ کیا۔ اور اس واقعہ کو رنگ دے کر خوب پھیلانے اور ہوا دینے لگا۔ صحابہؓ بھی اس کے قریب ہو جایا کرتے۔ جب مدینہ پہنچے تو پھر منافقین کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الگ ہونے کا مشورہ دیا اور صراحتاً نہیں بلکہ تلویحاً عرض کیا۔ آپؐ دوسری شادی کر لیں۔ حضرت ابوایوبؓ انصاری اور دوسرے کبار صحابہؓ نے جب یہ معاملہ دیکھا تو فوراً بول اٹھے۔ اللہ پاک ہے۔ یہ بہت بڑی تہمت ہے کیونکہ انھیں یقین ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حبیبہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اس سے بالاتر ہیں کہ اللہ انھیں کسی معصیت میں مبتلا کرے۔

آخر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت نازل فرمائی تو کہنے لگیں کہ میں خود آپؐ کی طرف نہ جاؤں گی اور میں صرف اللہ ہی کی حمد بیان کرتی ہوں۔ اسی نے میری برأت نازل فرمائی۔

نیز ایک ماہ تک وحی رک جانا بھی حکمت کے مطابق تھا کہ یہ معاملہ خوب پختہ ہو جائے، اور مسلمانوں کے قلوب اللہ کی وحی کی جانب مائل ہو کر اس کی عظمت میں ڈوب جائیں۔ اور وحی کی طرف شدتِ تمنا سے جھک پڑیں۔ آخر جس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اہل بیتؓ و صحابہؓ وحی کے محتاج تھے۔ وہ اس طرح آئی کہ جیسے سخت پیاسی زمین پر بارش آتی ہے چنانچہ وحی ایک مناسب اور بہتر موقع پر آئی۔ اور اہل اسلام کو اس سے مکمل اور بدرجہ اتم نشاط و مسرت حاصل ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اہل بیت کی کرامت و شرف ظاہر کی آپؐ کو اس مشکل سے نجات عطا فرمائی۔

منافق کو کوڑے کیوں نہیں لگائے گئے

جب ام المومنین کی برأت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگانے والوں پر حد قذف لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ انھیں اسی اسی درے مارے گئے، البتہ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کو حد نہیں لگائی گئی، حالانکہ وہ اس افتراء بازی کا سرغنہ تھا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدود اس لیے ہوتی ہیں تاکہ گناہ گار کو ان سے پاک کیا جائے اور یہ بدبخت اس سعادت کا اہل نہ تھا اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آخرت میں سخت ترین عذاب کا وعدہ کر رکھا تھا، اس لیے اسے وہی (عذاب آخرت) ہی کافی تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اقرار یا بیّنہ کے بعد حد جاری کی جاتی ہے لیکن اس بدبخت نے علانیہ طور پر اقرار نہیں کیا اور نہ بیّنہ قائم ہوا کیونکہ وہ یہ تمام باتیں اپنے منافق ساتھیوں میں ہی کیا کرتا تھا اور وہ اس کے خلاف گواہی نہ دیتے۔ اور مومنین کے درمیان اس نے ایسی بات کا تذکرہ (خطرے کی وجہ سے) نہیں کیا۔

حضرت عائشہ رضؓ کے طرز عمل کی توجیہہ

جب برأت نازل ہوئی تو حضرت صدیقہ رضؓ کا طرزِ عمل بھی قابلِ غور ہے۔ جب ان کے والدین نے فرمایا اٹھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاؤ، تو کہنے لگیں، اللہ کی قسم میں ان کی طرف خود نہ جاؤں گی اور میں صرف اللہ ہی کی حمد کروں گی، اس سے ان کے علم و معرفت اور قوتِ ایمان کا پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اس نعمت کو محض اللہ کے ساتھ مخصوص رکھا اور تجدید توحید کی۔ انھوں نے یہ جملہ صلح نہ کرنے کی وجہ سے نہیں کہا، بلکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثقہ، محبت اور ایک حبیب اپنے حبیب کے سامنے ناز دکھانے کے لیے جیسے کرتا ہے، اسی طریق پر یہ کلام کیا، اور یہ مقام بھی ناز کے تمام مقامات سے زیادہ ناز کا تھا۔

منافق کے قتل سے آپؐ کا انکار

اس غزوہ سے واپسی پر عبداللہ بن ابی نے جو منافقین کا سردار تھا، کہا کہ اگر ہم مدینہ واپس گئے تو عزت والے ذلت والوں کو وہاں سے باہر نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچا دی۔ عبداللہ بن ابی عذر کرتا ہوا آیا اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ منافقین میں حضرت زیدؓ کی تصدیق نازل فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ سے فرمایا۔ خوش ہو جا۔ اللہ نے تیری تصدیق کر دی۔ حضرت عمر رضؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، عباد بن بشیر کو حکم دیں کہ اس بدبخت کی گردن مار دیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں لوگ کہیں گے محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

غزوۂ خندق

دشمن اسلام یہودی سردار ابورافع کا قتل

دو اقوال میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق یہ غزوہ ۵ھ کو شوال میں ہوا، کیونکہ غزوہ احد بلا اختلاف ۳ھ میں ہوا۔ اور مشرکین نے آئندہ سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرنے کا عہد کیا۔ یہ ۴ھ میں ہوئی لیکن اس سال قحط کی وجہ سے انھوں نے عہد شکنی کی اور واپس لوٹ گئے۔ جب ۵ھ ہوئی تو جنگ کے لیے آئے۔ اہل سیر و مغازی کا یہی قول ہے۔ اس کے برعکس موسیٰ بن عقبہ نے کہ یہ ۴ھ میں ہوا، ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

یہود اور قریش کا اتحاد اسلام کے خلاف

غزوۂ خندق کا سبب یہ تھا کہ جب یہود نے احد کے دن مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی نصرت دیکھی اور انھیں مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے ابوسفیان کا وعدہ معلوم ہوا کہ وہ اس سال نکلے اور آئندہ سال آنے کے لیے واپس چلے گئے تو (یہود کے) بڑے بڑے سردار سلام بن ابی حقیق سلام بن مشکم اور کنانہ بن ربیع وغیرہ مکہ میں قریش کے پاس گئے۔ انھیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکسایا۔ ان سے اظہار دوستی کیا اور ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ قریش نے قبول کرلیا۔ پھر یہ لوگ غطفان کے پاس گئے۔ انھیں بھی اس کام کی دعوت دی وہ بھی مان گئے۔ اس کے بعد عرب کے دیگر قبائل کو اس پر آمادہ کرلیا۔

بالآخر قریش ابوسفیان کی قیادت میں چار ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ مرالظہران میں بنو سلیم بھی ان سے مل گئے۔ نیز بنو اسد، فزارہ، اشجع اور بنو مرہ بھی آن ملے۔ غطفان اور ان کا سردار عیینہ بن حصن بھی آگیا۔ اس طرح غزوہ خندق میں (کفار کی تعداد) دس ہزار ہوگئی جنھوں نے اس میں حصہ لیا تھا۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آمد کا حال سنا تو صحابہ رضؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا جو مدینہ اور دشمن کے درمیان حائل ہو جائے۔ آپؐ نے خندق کھودنے کا حکم دے دیا۔ مسلمان تیزی سے اس کام میں مصروف ہو گئے۔ آپؐ خود بھی اس کام میں عملاً شریک ہوئے۔ کفار بھی بڑی تیزی سے آئے۔ اس خندق کے واقعہ میں بھی آپؐ کی نبوت و رسالت کی علامات واضح تھیں جو کثرت و تواتر سے منقول ہیں۔

سلع کے سامنے خندق کھودی گئی۔ یہ پہاڑ تھا جو مسلمانوں کی پشت پر تھا اور سامنے مسلمانوں اور کفار کے درمیان خندق حائل تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار صحابہؓ کو لے کر میدان میں تشریف لائے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپؐ سات سو صحابہؓ کو لے کر تشریف لائے، لیکن یہ غلط ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے متعلق حکم دیا، چنانچہ انھیں مدینہ کے قلعوں میں بٹھا دیا گیا اور ابن ام مکتومؓ کو ان کا پہریدار مقرر کیا گیا (ادھر)، حیّ بن اخطب بنو قریظہ کے پاس آیا۔ ان کے قلعے کے قریب پہنچا، لیکن کعب بن اسد نے قلعہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ وہ اس سے بات چیت کرتا رہا۔ آخر کار اس نے قلعہ کھول دیا۔ جب وہ اس کے پاس گیا تو کہنے لگا۔

میں تیرے پاس زمانے کی عزت لایا ہوں۔ قریش، غطفان اور بنو اسد کو مع ان کے سرداروں کے لایا ہوں (جو) محمدؐ سے جنگ کریں گے۔

کعب نے جواب دیا اللہ کی قسم تو میرے پاس زمانہ کی ذلت اور ایسا بادل لایا ہے جو اپنا پانی بہا چکا ہے، وہ گرجتا اور چمکتا ہے (لیکن برستا نہیں) لیکن طویل مباحثہ کے بعد آخر کار یہ لوگ بھی عہد شکنی پر تیار ہو گئے اور مشرکین کے ساتھ مل کر جنگ میں شریک ہو گئے۔ اس سے مشرکین بہت مسرور ہوئے۔ نیز کعب نے حیّ بن اخطب سے یہ شرط کی کہ اگر وہ محمدؐ کے خلاف کامیاب نہ ہو سکیں تو حیی بن اخطب بھی یہود کے ہمراہ ان کے قلعے میں داخل ہو جائے گا تاکہ جو سزا انھیں ملے اسے بھی مل کر رہے۔ اس نے قبول کر لیا۔

بنو قریظہ کی عہد شکنی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو قریظہ اور ان کی عہد شکنی کی اطلاع ملی، تو آپؐ نے سعد رضؓ، خوات بن جبیر اور عبداللہ رضؓ بن رواحہ کو صورت حال معلوم کرنے کے لیے ارسال فرمایا۔ جب یہ قریب پہنچے تو انھیں بدترین حالت پر دیکھا اور یہ دیکھ کر کہ یہود دشنام طرازی اور عداوت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس چلے گئے اور آپ کو مطلع کیا کہ یہ لوگ غدر اور نقض عہد پر مائل ہیں، مسلمانوں کو اس بات کا بڑا صدمہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ، ابتلاء و شدید تر صورت اختیار کر گیا ۔ اور نفاق ظاہر ہو گیا ۔ بنی حارثہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے واپس جانے کی اجازت طلب کی اور کہنے لگے کہ ہمارے گھر خالی ہیں، حالانکہ وہ خالی نہیں تھے بلکہ فرار ہونا چاہتے تھے ۔ یہ لوگ بنو سلمہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ پھر آپ نے دونوں گروہوں کو مضبوط کیا اور مشرکین نے ایک ماہ تک محاصرہ کیے رکھا ۔ لیکن خندق کے حائل ہونے کے باعث مسلمانوں اور مشرکین میں قتال نہ ہو سکا ۔ صرف قریش کے چند سوار خندق کی طرف بڑھے جن میں عمرو بن عبدود بھی تھا ۔ جب یہ اس کے قریب آئے تو کہنے لگے یہ ایک مکر ہے ۔ اور عرب لوگ اس سے واقف نہ تھے ۔ پھر خندق میں ایک تنگ جگہ کا ارادہ کیا اور خندق اور پہاڑ کے درمیان انھوں نے کودنے کی کوشش کی ۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے عمرو بن عبدود سے مقابلہ کیا ۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے اللہ تعالےٰ نے اسے قتل کیا ۔ یہ مشرکین کے بہادروں اور جنگجو لوگوں میں سے تھا ۔ باقی مشرکین واپس بھاگ گئے اور مسلمانوں کا شعار "حٰم لاینصرون" تھا ۔ جب مسلمانوں پر یہ صورتِ حال طویل ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن اور حرث بن عوف جو غطفان کے دونوں سردار تھے مدینہ کے پھلوں کے ثلث پر مصالحت کا ارادہ فرمایا ۔ سعدین سے آپؐ نے اس مسئلہ میں مشورہ کیا ۔ انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر اللہ تعالیٰ نے اس کام کا حکم دیا ہے تو پھر بسر و چشم اور اگر آپ خود کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں ۔ ہم اور ہماری قوم مشرک تھی ۔ بتوں کی پوجا کرتی تھی ۔ اس وقت یہ لوگ صرف مہمانی یا خرید کی صورت میں کھا سکتے تھے اب جب کہ اللہ نے ہم کو اسلام سے عزت بخشی اور ہمیں ہدایت دی اور آپؐ کی سرپرستی سے ہمیں عزت عطا فرمائی ہے تو آج ہم انھیں مال دیں؟ اللہ کی قسم ہم انھیں لڑے بغیر ہرگز مال نہ دیں گے ۔ آپؐ نے ان کی رائے کی تصویب فرمائی ۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے یہ محض خود کیا تھا کیونکہ میں نے دیکھا کہ عربوں نے ایک ہو کر تم پر حملہ کیا ہے ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس کی حمد ہے اپنے پاس سے قضا بھیجی اور دشمن کو رسوا کیا ان کے لشکر کو شکست دی ۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر ہوا چلائی جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے ۔ ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں اور تمام خیمے اڑ گئے ۔ اور ان کا ٹھہرنا دشوار ہو گیا اور اللہ کے ملائکہ کا لشکر ان کو ہلانے لگا اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان کو (کفار) کی خبر لینے کے لیے بھیجا انھوں نے دیکھا وہ کوچ کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں ۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس حاضر ہوئے اور آپؐ کو ان کے کوچ کرنے کی اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو دور کیا ۔ انھیں کچھ بھی

خبر حاصل نہ ہوئی اور جنگ میں بس خدا ہی مسلمانوں کی طرف سے کافی رہا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے لشکر کو عزت بخشی۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا کفار کو شکست دی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے اور ہتھیار اتار دیئے۔ اس کے بعد آپؐ حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں غسل فرما رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپؐ نے ہتھیار رکھ دیئے لیکن فرشتوں نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے۔ اٹھیے اور ان (بنو قریظہ) سے جنگ کرنے کے لیے نکلئے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کروا دی کہ جو سننے اور اطاعت کرنے والا ہے اسے چاہیئے کہ بنو قریظہ میں جا کر نمازِ عصر پڑھے۔ مسلمان بڑی تیزی سے نکلے۔ آپؐ اور بنو قریظہ میں جو واقعات ہوئے وہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ غزوہ خندق اور بنو قریظہ کی جنگ میں دس مسلمان شہید ہوئے۔ ایک آدمی نے حی بن اخطب کو قتل کیا تھا۔ اس زمانہ میں عبداللہ بن عتیکؓ نے یہودی سردار ابو رافع کو قتل کر دیا۔ یہ اوس و خزرج کی چشمک کا نتیجہ تھا۔

سریۂ نجد

ایک بدترین دشمن اسلام کس طرح حلقہ بگوش اسلام ہوا؟

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف لشکر روانہ فرمایا، چنانچہ وہاں سے بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنیفی کو گرفتار کر کے لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا، پھر آپؐ اس کے پاس سے گزرے اور فرمایا، اے ثمامہ تمہارا کیا خیال ہے؟

وہ کہنے لگا، اے محمدؐ اگر آپؐ مجھے قتل کریں تو ایک قاتل کو قتل کریں گے اور اگر معاف کریں تو ایک شکر گزار کو معاف کریں گے۔ اور اگر آپؐ مال چاہتے ہوں تو فرمایئے جتنا درکار ہو میں دونگا۔

آپؐ (آگے بڑھ) گئے پھر دوبارہ پاس سے گزرے اور وہی سوال کیا۔ اس نے وہی جواب دیا۔

پھر تیسری بار گزرے تو فرمایا، ثمامہ کو چھوڑ دو (صحابہؓ) نے انھیں چھوڑ دیا یہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے پاس گئے۔ غسل کیا، پھر واپس آکر اسلام قبول کر لیا اور کہا:

اللہ کی قسم میرے نزدیک زمین پر آپؐ کے چہرے سے زیادہ کوئی مبغوض چہرہ نہ تھا لیکن اب یہ چہرہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب بن چکا ہے۔ خدا کی قسم آپؐ کے دین سے زیادہ مجھے زمین پر کوئی دین مبغوض نہ تھا لیکن اب آپؐ کا دین تمام ادیان سے زیادہ محبوب بن چکا ہے۔ اب میں عمرہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بشارت دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ قریش کے پاس آیا تو کہنے لگے:

اے ثمامہؓ کیا تو اپنے پرانے دین سے پھر گیا؟

انھوں نے جواب دیا، نہیں اللہ کی قسم بلکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ اور اللہ کی قسم یمامہ سے تمہیں گندم کا ایک دانہ بھی آپؐ کی اجازت کے بغیر نہ ملے گا۔

یمامہ مکہ کا پیداواری علاقہ تھا۔ چنانچہ یہ اپنے علاقے میں واپس چلے گئے اور مکہ کی طرف غلہ بھیجنا بند کردیا۔ قریش سخت تنگ آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کا واسطہ دے کر سوال کیا کہ وہ ثمامہؓ کو لکھیں کہ غلہ ان کی طرف بھیجا جائے۔ آپؐ نے ازراہِ رحم گندم بھیجنے کی ہدایت فرمادی۔

صلح حدیبیہ

ظاہری شکست کے پردے میں، حقیقی فتح و عظمت کا پہلو

مسلمانوں کے ایمان کا امتحان

نافعؒ فرماتے ہیں کہ یہ ۶ھ ذی قعدہ میں ہوئی اور یہی درست بھی ہے۔ زہریؒ، قتادہؒ، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاقؒ نے بھی یہی فرمایا ہے اور صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے۔ یہ تمام عمرے ذی قعدہ میں کیے۔ ان میں سے ایک عمرہ حدیبیہ کا ذکر کیا۔ آپؐ کے ہمراہ پندرہ سو صحابہؓ تھے۔ قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن مسیب سے دریافت کیا جو لوگ بیعت رضوان میں شریک ہوئے ان کی تعداد کیا تھی؟

انہوں نے جواب دیا۔ "پندرہ سو"، میں نے کہا حضرت جابرؓ سے دونوں قول صحت سے مروی ہیں اور ان سے ثابت ہے کہ انہوں نے حدیبیہ کے سال ستر اونٹ ذبح کیے اور ایک اونٹ سات کی جانب سے تھا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپؐ کی تعداد کیا تھی؟ انہوں نے فرمایا، ہمارے پیدل اور سوار ملا کر چودہ سو تھی۔

مسلمانوں کی طرف سے عمرے کی تیاری

جب یہ لوگ ذی الحلیفہ میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانوروں کو قلادے ڈال دیے اور شعار لگا دیے اور عمرے کا احرام باندھ لیا، اور بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قریش کی خبر لانے کے لیے بھیجا، جب آپؐ عسفان کے قریب پہنچے تو مخبر حاضر ہوا اور عرض کیا۔ میں نے کعب بن موسیٰ کو دیکھا کہ اس نے کافی فوج جمع کی ہے اور ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے۔ اور وہ آپؐ سے جنگ کرنا اور آپؐ کو کعبہ کی زیارت سے روکنا چاہتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا فرمایا: کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ کہ ہم ان کی اولاد کی طرف جھکیں۔

جنہوں نے ان کی مدد کی ہے، انہیں قابو میں کر لیں۔ اگر وہ بیٹھ رہے تو محزون و غمگین بیٹھیں گے اور اگر نجات پا گئے تو ایسی گردنیں ہوں گی جنہیں اللہ نے قطع کیا ہے یا تمہاری رائے ہے کہ بیت اللہ کا قصد کریں اور جو ہمیں اس کی (زیارت) سے روکے اس سے ہم مقاتلہ کریں۔

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا! اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، ہم عمرہ کے لیے آئے ہیں اور قتال کے لیے نہیں آئے وہاں البتہ اگر کوئی ہمارے اور اللہ کے درمیان حائل ہو تو ہم اس سے بے شک مقاتلہ کریں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر چلو! چنانچہ سب چل پڑے۔ جب یہ راستے میں تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالدؓ بن ولید قریش کی ایک جماعت کے ساتھ غمیم میں تھے۔ اس لیے دائیں کا خیال کرو مگر بخدا خالد کو ان کا پتہ تک نہ چلا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے تا آخر آپؐ دیر سے راستہ میں پہنچے جہاں آپ کو اترنا تھا۔ آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا اترو! اترو! (اونٹنی) بیٹھی رہی۔ لوگ کہنے لگے قصواء (حضور کی اونٹنی کا نام ہے) رک گئی قصواء رک گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قصواء نہیں رکی۔ نہ یہ اس کا طریقہ ہے۔ بلکہ انہیں ہاتھیوں کو روکنے والی ذات (خدا) نے روکا ہے۔ پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم جو خطہ بھی مجھ سے طلب کرو، جس میں اللہ کی حرکات کی تعظیم کی جائے میں تمہیں وہ خطہ عطا کروں گا۔ پھر آپؐ نے اسے زجر کی۔ وہ اٹھ گئی اور آپؐ اس پر درست ہو کر بیٹھ گئے اس کے بعد آپ حدیبیہ کے آخر میں ایک ایسے تالاب پر اترے جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ جسے لوگ نکالتے رہے۔ یہاں تک کہ ختم ہو گیا۔

آں حضرتؐ کا معجزہ

پھر (صحابہؓ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی۔ آپؐ نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور فرمایا کہ اسے اس میں ڈال دو۔ راوی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اس میں اس قدر جوش آیا کہ تمام صحابہ سیراب ہو گئے، پھر بھی پانی باقی بچ گیا۔

ادھر قریش کو نبی صلی اللہ وسلم کی تشریف آوری سے خطرہ محسوس ہوا۔ آپؐ نے ان کی طرف ایک صحابی کو روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا! چنانچہ عمرؓ بن خطاب کو بھیجنے کے لیے بلایا۔ انہوں نے عرض کیا! اے اللہ کے رسولؐ بنی کعب میں سے مکہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں کہ اگر مجھے اذیت دی جائے تو اسے میری وجہ سے غصہ آئے، اس لیے عثمان بن عفان کو روانہ فرمائیے، کیونکہ ان کا

خاندان وہیں ہے اور جو آپ چاہتے ہیں وہ پیغام بھی پہنچا دیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن عفان کو بلایا، اور قریش کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ انہیں خبر دے دو کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے، بلکہ ہم تو عمرہ کے لیے آئے ہیں اور انہیں اسلام کی طرف دعوت بھی دو۔ اور حکم دیا کہ جب مکہ کے مومن مرد اور مومن عورتیں آئیں، تو اُن کے پاس جاؤ انہیں فتح کی خوشخبری دے دو اور انہیں خبر دو کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو مکہ میں بھی غالب کرنے والا ہے۔ یہاں تک کہ یہاں وہ مخفی نہ رہے جو ایمان دار ہے

حضرت عثمان چل پڑے اور بلاح کے قریب قریش کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ تمہیں اللہ اور اسلام کی دعوت دوں اور تمہیں خبر دے دوں کہ ہم جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے بلکہ ہم تو صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں۔

وہ کہنے لگے جو تم نے کہا ہے ہم نے سن لیا ہے اس لیے اپنی حاجت پوری کرو۔ ابان بن سعید بن عاص اٹھا اس نے انہیں مرحبا کہا اور اپنے گھوڑے پر کاٹھی ڈال کر حضرت عثمانؓ کو گھوڑے پر ڈال لیا۔ آخر یہ لوگ مکہ پہنچ گئے۔ دوسری طرف حضرت عثمانؓ کی واپسی سے قبل مسلمانوں کو خیال ہوا کہ عثمانؓ ہم سے پہلے ہی کعبہ کا طواف کر لیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ عثمان نے طواف کیا ہو جبکہ ہم محصور ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! انہیں کس بات کی رکاوٹ ہے، جبکہ انہیں موقع مل چکا۔ آپ نے فرمایا: میرا اس کے متعلق یہی گمان ہے کہ وہ تب تک طواف نہیں کریں گے جب تک ہم اُن کے ہمراہ نہ ہوں۔

عثمانؓ کی طرف سے آپ کی بیعت

نیز مسلمان اور مشرکین صلح کے معاملہ میں مختلط ہو گئے۔ چنانچہ فریقین میں سے ایک آدمی نے دوسرے فریق کے ایک آدمی کو تیر مارا۔ اب جنگ شروع ہو گئی، تیروں اور پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ دونوں جماعتوں نے آواز بلند کی اور ہر ایک فریق نے دوسرے فریق کے آدمیوں کو پکڑ لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے بیعت کرنے کا حکم دیا۔ آپ درخت کے نیچے تھے۔ تمام مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات پر بیعت کی کہ وہ فرار نہ ہوں گے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ یہ عثمانؓ کی جانب سے بیعت ہے۔ جب بیعت ختم ہو گئی اور حضرت عثمان بھی واپس آ گئے۔

مسلمان نے کہا: اے ابو عبداللہ بیت اللہ کے طواف سے (روح) کو تازہ کر لیا؟

انہوں نے جواب دیا جو تم نے میرے متعلق ظن کیا بہت غلط تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر میں ایک سال بھی وہاں رہتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں مقیم ہوتے تو میں آپ کے طواف کرنے سے پہلے ہرگز طواف نہ کرتا۔ قریش نے مجھے طواف کرنے کی دعوت بھی دی میں نے انکار کر دیا۔

مسلمانوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتے اور ہم سے زیادہ حسنِ ظن رکھتے ہیں۔

مسلمان ابھی اس مصروف تھے کہ بدیل بن ورقاء خزاعی بنو خزاعہ کی جماعت میں سے حاضر ہوئے یہ مخبر تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے عامر بن لوی اور کعب بن لوی کو حدیبیہ کے چشموں کے قریب اترے دیکھا ہے۔ ان کے ہمراہ بہت بڑا لشکر ہے اور آپ سے جنگ کرنا اور آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے۔ ہم تو صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں اور قریش کو لڑائیوں نے مغلوب کر رکھا ہے اور نقصان دیا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو میں انہیں مدد دوں گا اور وہ میرے لوگوں کے درمیان حائل رہتیں، اور اگر چاہیں تو اس میں داخل ہو جائیں جس میں لوگ داخل ہوئے اور اگر وہ جنگ ہی پر اصرار کریں تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں ان سے جنگ کروں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر نافذ فرما دے۔

بدیل کا تاثر اشرافِ قریش پر

بدیل نے عرض کیا جو آپ فرماتے ہیں وہ بات میں انہیں پہنچا دوں گا چنانچہ وہ چل پڑا اور قریش سے آ کر کہا میں اس آدمی (رسول اللہ) کے پاس سے آیا ہوں۔ میں نے انہیں ایک بات فرماتے سُنا، اگر تم چاہو تو میں تمہارے سامنے رکھ دوں۔ بعض پست فطرت لوگ کہنے لگے، ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ تو ان کی بات ہمارے سامنے بیان کرے، لیکن بعض اہل خرد کہنے لگے، بتاؤ کیا سُنا ہے؟

انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کو ایسے ایسے فرماتے سُنا ہے۔ عروۃ بن مسعود ثقفی کہنے لگا کہ یہ مناسب بات تمہارے سامنے پیش کی گئی ہے، اسے قبول کر لو اور میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ آپ کے پاس آیا اور گفتگو کرنے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بدیل والی بات فرمائی، اس پر عروہ کہنے لگا: اے محمد! کاش تو اپنی قوم سے تعلق قائم رکھتا۔ کیا تو

نے سنا کہ عربوں میں سے کسی نے تجھ سے قبل اپنے اقارب سے اعراض کر لیا ہو؟ اللہ کی قسم میں ایسے چہروں اور ایسے چھوٹے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جو بھاگ جائیں گے اور تجھے چھوڑ جائیں گے۔

ابوبکرؓ نے فرمایا کیا آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب ملا ابوبکرؓ۔

کہنے لگا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر مجھ پر تیرا وہ احسان نہ ہوتا کہ جس کا بدلہ میں نے نہیں اتارا تو تجھے جواب دیتا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگا باتیں کرتے کرتے اس نے آپؐ کی ریش مبارک پکڑ لی (اس زمانہ میں عربوں کی یہ عادت تھی) حضرت مغیرہؓ بن شعبہ تلوار سونتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارا اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی سے اپنا ہاتھ ہٹا۔ عروہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا رہا وہ اس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مارتے اور فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی سے ہاتھ الگ رکھ،

عروہ نے ہاتھ اٹھایا اور پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب ملا مغیرہؓ بن شعبہ۔

اس نے کہا: یعنی غدر کرنے والا۔ واقعہ یوں تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں حضرت مغیرہؓ نے ایک قوم کی مصاحبت کی پھر انہیں قتل کر کے ان کا مال لوٹ لیا۔ اس کے بعد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام قبول ہے اور مال میں تیرا کچھ حق نہیں۔

عروہ کے تاثرات آں حضرتؐ اور صحابہ کے بارے میں

اس کے بعد عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو دیکھنے لگا۔ بخدا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغم تھوکتے تو بھی وہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا، وہ اسے اپنے بدن اور چہرے پر مل لیتا اور جب حکم دیتے تو فوراً اطاعت کرتے اور جب آپؐ وضو کرتے تو وضو کا (پانی لینے) کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور جب آپؐ کلام فرماتے تو (صحابہؓ) کی آواز گنگ ہو جاتی اور عظمت و وقار کے باعث آپؐ کی طرف نظر بھی نہ اٹھا سکتے۔

اس کے بعد عروہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا اور کہنے لگا اے قوم! اللہ کی قسم میں کسریٰ، قیصر اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، لیکن بخدا میں نے کسی

بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اس قدر عزت و احترام کرتے ہوں جس قدر محمدؐ کے صحابہؓ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ بخدا اگر وہ بلغم تھوکیں تو میں بھی کسی آدمی کے ہاتھ میں پڑتا ہے وہ اسے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے اور جب وہ انہیں حکم دیتے ہیں تو فوراً اطاعت کرتے ہیں، جب آپ وضو کرتے ہیں تو اس کا پانی پینے کے لیے) آپس میں جھگڑتے ہیں جب آپ کلام فرماتے ہیں تو (صحابہؓ) کی آوازیں بند ہو جاتی ہیں اور شدتِ تعظیم کے باعث وہ اُن کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ انہوں نے ہمارے سامنے ایک بہتر چیز پیش کی ہے اسے قبول کر لو۔

بنی کنانہ کا ایک اور آدمی اٹھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ جب آپؐ کو اور —— آپؐ کے صحابہؓ کو دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ فلاں ہے اور یہ اس قوم میں سے ہے، جو قربانی کے جانوروں کا احترام کرتی ہے، اسے بلالو، اسے بلایا گیا تو قوم نے تلبیہ کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ وہ کہنے لگا۔ سبحان اللہ ایسے لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے بالکل نہ روکنا چاہیے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے جانوروں کو قلادہ پڑے ہوئے دیکھا اور انہیں شعار لگا دیا گیا ہے میں نہیں سمجھتا کہ انہیں بیت اللہ کی زیارت سے روکا جائے۔

اس کے بعد مکرز بن حفص اٹھا، کہنے لگا میں جاتا ہوں۔ جب آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برا آدمی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگا۔

سہیل بن عمرو سے صلح کے شرائط

اتنے میں سہیل بن عمرو آگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب کام آسان ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا، آؤ ہم آپس میں عہد نامہ لکھ لیں۔ کاتب کو بلایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔

سہیل کہنے لگا رحمٰن کو ہم نہیں جانتے بلکہ لکھو باسمك اللھم (اے اللہ تیرے نام سے) جیسے آپؐ پہلے لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے جواب دیا اللہ کی قسم ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی لکھیں گے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا جیسا یہ کہتا ہے ویسی لکھو: باسمك اللھم پھر فرمایا لکھو، یہ ہے وہ تحریر جس پر محمدؐ اللہ کے رسول نے فیصلہ فرمایا:۔

سہیل بولا اللہ کی قسم اگر ہم یہ مانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ آپ سے مقابلہ کرتے، بلکہ لکھو محمدؐ بن عبداللہ!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ تم نے میری تکذیب کی ہے لیکن میں واقعتہً اللہ کا رسول ہوں (اچھا) اسی طرح لکھو، محمد بن عبداللہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان سے ہٹ جاؤ گے تاکہ ہم اس کا طواف کرلیں۔

سہیل کہنے لگا: ہمارا کوئی آدمی آپ کے ہاں نہیں آئے گا چاہے وہ آپ کے دین پر ہو اور اگر آگیا تو اُسے واپس کرنا ہوگا۔

مسلمان کہنے لگے سبحان اللہ جو آدمی مسلمان ہو کر آجائے اسے مشرکین میں کیسے بھیجا جائے گا؟ ابھی انہی باتوں میں تھے کہ ابو جندلؓ بن سہیل ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے آگئے اور مسلمانوں کے سامنے پہنچ گئے۔ سہیل کہنے لگا: اے محمد! یہ پہلا آدمی ہے جسے فیصلے کے مطابق آپ لوٹائیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تک تو عہدنامہ تیار بھی نہیں ہوا وہ کہنے لگا پھر اللہ کی قسم کسی بات کا فیصلہ نہ کروں گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا میرے لیے رہنے دے وہ بولا میں آپ کے لیے بھی نہیں رہنے دوں گا۔

ابو جندل نے (جب یہ سُنا) تو فریاد کی، اے مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں کیا مجھے مشرکین کے حوالے کیا جائے گا؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ مجھے کیا کیا دکھ پہنچا ہے؟

کفار نے انہیں سخت ترین ایذائیں دی تھیں۔

مسلمانوں پر مایوسی کی کیفیت

جب عہدنامے سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اٹھو اور نحر (قربانی) کرو، پھر حلق کرو، لیکن مسلمانوں میں سے ایک آدمی بھی کھڑا نہ ہوا۔ آپ نے تین بار فرمایا۔ جب کوئی بھی کھڑا نہ ہوا تو آپ ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور لوگوں کی حالت بیان فرمائی۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو تشریف لے جایئے۔ کسی سے کوئی بات نہ کیجیے۔ یہاں تک کہ آپ خود قربانی کرلیں اور پھر حجام کو بلایئے اور خود حلق

کروائیے چنانچہ آپؐ اٹھے کسی سے کلام نہ فرمایا: اور نحر کیا پھر حجام کو بلا کر حلق کروایا، جب لوگوں نے دیکھا تو وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے بھی نحر کیا اور ایک دوسرے کا حلق کیا اور غم کی شدت کے باعث ایک دوسرے کو زخمی کر دیا۔ اس کے بعد عورتیں مسلمان ہو کر آئیں تو اللہ تعالیٰ نے یا ایھا الذین آمنوا اذا جاء کم المؤمنات مھاجرین سے لے کر عصم الکوافر تک آیات نازل فرمائیں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے آئے، راستے میں ہی یہ آیات نازل ہوئیں:۔ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝

یعنی، ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ پر اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا یہ فتح (مکہ) کی بشارت ہے۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں!

صحابہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک باد پیش کی اور عرض کیا: پھر ہمارے لیے کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ الخ

جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو قریش کا ایک آدمی ابو بصیر مسلمان ہو کر حاضر ہوا انہوں نے ان کی تلاش میں دو آدمی واپس لانے کے لیے بھیجے۔ آپؐ نے انہیں دونوں آدمیوں کے حوالے کر دیا وہ انہیں لے کر نکلے۔ آخر ذوالحلیفہ پہنچ گئے، یہاں اتر کر کھجوریں کھانے لگے۔

ابو بصیرؓ نے ایک سے کہا۔ اللہ کی قسم تیری تلوار میں دیکھتا ہوں کہ خوب سفید اور عمدہ ہے اس نے سونت لی اور کہا ہاں! اللہ کی قسم یہ بہت بہترین ہے۔ اسے میں کئی بار آزما چکا ہوں۔

مظلوم مسلمانوں نے خود اپنی نجات کی صورت نکال لی

ابو بصیرؓ نے فرمایا: ذرا مجھے دکھاؤ۔ میں بھی دیکھوں۔

اس نے ان کے ہاتھ میں تھما دی، انہوں نے اسے قتل کر دیا، دوسرا بھاگ گیا، یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گیا۔ مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو وہ گھبرایا ہوا تھا وہ

آپ کے قریب پہنچا تو کہنے لگا واللہ میرا ساتھی قتل ہو گیا اور میں بھی قتل ہونے لگا تھا (مگر بھاگ آیا)، اتنے میں ابو بصیرؓ بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبیؐ اللہ نے آپؐ کا عہد پورا کر دیا۔ آپؐ نے مجھے ان کی طرف لوٹا دیا۔ اس کے بعد اللہ نے مجھے ان سے نجات دلادی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خرابی ہو اس کی ماں کو جنگباز ہے۔ کاش اس کا دوسرا ساتھی ہوتا۔ جب (ابو بصیرؓ) نے یہ کلام سُنا تو یقین کر لیا کہ انہیں پھر لوٹا دیا جائے گا (ابو بصیرؓ) مدینہ سے نکل آئے اور ساحل سمندر پر آکر رہائش پذیر ہو گئے۔ ابو جندلؓ بن سہیل بھی وہاں سے بھاگے اور ابو بصیرؓ سے جا ملے۔ اب قریش کا جو آدمی بھی اسلام لاتا وہ ابو بصیرؓ سے جا ملتا۔ یہاں تک کہ ایک جماعت تیار ہو گئی۔ اللہ کی قسم وہ قریش کا جو قافلہ بھی دیکھ پاتے، اس پر ٹوٹ پڑتے، انہیں قتل کرتے اور ان کے اموال لوٹ لیتے۔ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا۔ اللہ تعالیٰ اور اپنی قرابت کا واسطہ دیا کہ انہیں اپنے پاس بلالیں اور جو بھی (مدینہ) آئے گا وہ مامون ہے (یعنی) ہم واپسی کا مطالبہ نہ کریں گے۔

(اس موقع پر بعض عجیب واقعات پیش آئے) صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو سخت پیاس محسوس ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی کا ایک لوٹا تھا جس سے آپؐ وضو فرماتے۔ جب لوگ ادھر آئے تو آپؐ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ ہمارے پاس نہ پینے کے لیے پانی ہے اور نہ وضو کرنے کے لیے۔ صرف آپؐ کے سامنے (ایک لوٹا) ہے آپؐ نے لوٹے میں ہاتھ رکھا اور انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی بہنے لگا، تمام صحابہؓ نے پانی پیا، وضو بھی کیا۔ ان کی تعداد پندرہ سو تھی۔ یہ واقعہ کنوئیں کے واقعہ سے جُدا ہے۔

اسی شب کو بارش ہوئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی تو فرمایا۔ جانتے ہو تمہارے رب نے آج شب کو کیا فرمایا؟

انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

(آپؐ نے فرمایا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا آج میرے بعض بندوں نے اس طرح صبح کی کہ وہ میرے مومن ہیں اور بعض کافر ہیں، جس نے کہا کہ اللہ کے فضل و کرم سے بارش ہوئی وہ مومن ہے اور کواکب کا منکر ہے اور جس نے کہا ہم پر ایسے ایسے ستارے کے باعث بارش ہوئی وہ میرا کافر ہے اور کواکب پر ایمان رکھتا ہے۔

مسلمان عورت کی حرمت نے معاہدہ کی ایک شق منسوخ کر دی

مسلمانوں اور اہل مکہ میں دس سال کے لیے مصالحت ہو گئی اور عوام ایک دوسرے کی ایذا دہی سے مامون ہو گئے۔ اگلے برس آپ مکہ میں تشریف لائے اور تین دن وہاں قیام فرمایا اور حکم دیا کہ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہ لیا جائے اور اسے بھی میان میں رکھا جائے۔ نیز یہ بھی طے پایا تھا کہ ہم آپ کے ساتھیوں میں سے آنے والے کو واپس نہ کریں گے اور ہمارے جانے والے ساتھیوں کو لوٹانا ہو گا۔ صحابہ رضؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم انہیں یہ سہولتیں) دیں؟ آپ نے فرمایا جو ہم میں سے ان کی طرف چلا گیا اسے اللہ نے (اپنی رحمت سے) دور کر دیا اور جو ہمارے پاس آیا اور پھر ہم نے اسے لوٹایا تو اللہ تعالیٰ اس کے نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا۔

صلح حدیبیہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے سر منڈانے کا فدیہ روزہ یا صدقہ یا قربانی قرار دیا یہ حکم کعب بن عجزہ کے معاملہ میں نازل ہوا۔

اسی صلح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرانے والوں کے لیے تین بار اور قصر کرانے والوں کے لیے ایک بار دعائے مغفرت فرمائی۔

اس میں ایک آدمی کی جانب سے ایک اونٹ نحر فرمایا اور سات آدمیوں کی جانب سے ایک گائے ذبح کی۔

اسی واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قربانی کے اونٹوں میں ایک اونٹ کی ناک میں جو کبھی ابوجہل کی ملکیت رہ چکا تھا۔ چاندی کی ایک نکیل ڈال دی تاکہ مشرکین جل اٹھیں۔

اور اسی موقع پر سورہ فتح نازل ہوئی۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنو خزاعہ نے معاہدہ کر لیا اور بنو بکر نے قریش سے معاہدہ کر لیا۔ کیونکہ (صلح حدیبیہ) میں یہ بھی ایک شرط تھی کہ (قبائل عرب میں سے) جس کا جی جس کے ساتھ چاہے معاہدہ میں شریک ہو جائے۔

جب آپ مدینہ واپس تشریف لائے تو کچھ عورتیں مسلمان ہو کر آئیں۔ ان میں ام کلثوم رضؓ بنت عقبہ بن ابی معیط بھی تھیں۔ ان کے وارث آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کے مطابق انہیں واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے انہیں واپس نہ کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ کہا گیا ہے کہ عورتوں کے معاملہ میں یہ شق منسوخ ہو گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن

کے ساتھ سنت کو محدود کر دیا گیا۔ لیکن اصح قول یہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں صرف مردوں کے متعلق یہ شرطیں ہوتی تھیں اب مشرکین نے چاہا کہ اس کا دونوں صنفوں (مرد عورت) پر اطلاق کیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے انکار فرمایا۔

واقعہ حدیبیہ کے سلسلہ میں فوائد فقہیہ

ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشہر حج میں عمرہ فرمایا، کیونکہ آپ ذی قعدہ کو نکلے۔

دوسرے میقات سے عمرے کا احرام باندھنا زیادہ افضل ہے۔ جیسے حج کا احرام باندھا جاتا ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے لیے ذی الحلیفہ سے احرام باندھا۔ اس جگہ اور مدینہ میں ایک میل کے قریب فاصلہ ہے۔

تیسرے عمرہ مفرد میں ہدی چلانا مسنون ہے جیسا حج قران میں طریقہ ہے۔

چوتھے ہدی کا اشعار کرنا سنت ہے نہ کہ اسے مثلہ کیا جائے کیونکہ یہ ممنوع ہے۔

پانچویں اللہ کے دشمنوں کو غضب ناک کرنا اور جلانا مستحب ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل کے سابق ملکیت اونٹ کو چاندی کی نکیل پہنائی تاکہ مشرکین خوب جلیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی وصف میں فرمایا: ان کی مثال دی۔ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ یعنی، اور مثال ان کی انجیل ہیں، جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا، پھر کھڑا ہو گیا یعنی نالی خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو۔ تاکہ جلائے ان سے جی کافروں کا۔

نیز فرمایا: ذالك بانهم لا يصيبهم ظما ولا نصب ولا مخمصة فى سبيل الله ولا يطؤون موطئا يغيظ الكفار۔ ولا ينالون من عدو نيلا الا كتب لهم به عمل صالح ان الله لا يضيع اجر المحسنين ٥

چھٹا یہ کہ امیر کو چاہیے کہ دشمن کی طرف مخبر ارسال کرے۔

ساتویں ملابس اور سواریوں کا نام رکھنا بھی مسنون ہے۔

آٹھویں دین کی خبر پر حلف اٹھانا جائز بلکہ مستحب ہے، جس سے اس کی تاکید ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی سے زیادہ بار حلف اٹھانا ثابت ہے اور تین مقامات

پر تو اللہ نے تصدیق کے لیے حلف اٹھانے کا حکم دیا۔ سورہ یونس، سورہ سبا، اور تغابن میں منقول ہے۔

نویں۔ مشرکین، اہلِ بدعت، فسق و فجور میں مبتلا لوگ بھی اگر اللہ کی محرمات کی عظمت و احترام کا مطالبہ کریں تو اس سلسلہ میں ان سے تعاون کرنا چاہیے اور دوسروں کو ان سے روکنا چاہیے اور حرمات اللہ کی تعظیم میں تو ان کی مدد کی جائے گی البتہ ان کے ذاتی فسق و فجور میں بالکل تعاون نہ کرنا ہوگا۔

دسویں یہ کہ جو مکہ کے قریب نازل ہو، اسے چاہیے کہ حل میں اترے اور حرم میں نماز ادا کرے۔ حضرت ابن عمرؓ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

گیارھویں، سرپاسینہ جہاں سے مراد ہے اسے پاک کرنا۔

بارھویں، مستعمل پانی کا پاک ہوگا۔

تیرھویں، تفاؤل کا استحباب۔ یاد رکھیے یہ طیرہ یعنی فال لینے کی قسم کی نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کی آمد پر فرمایا، اب کام سہل ہو گیا۔

چودھویں، حلق کروانا قصر سے افضل ہے۔ عمرہ میں بھی حج کی طرح قربانی ہوگی۔ عمرہ محصور میں دوسرے عمرے کی طرح قربانی ہوگی۔

پندرھویں یہ کہ محصر اس جگہ قربانی کر دے جہاں کہ اسے روکا گیا چاہے حل ہو یا حرم ہو اور یہ واجب نہیں کہ قربانی کو اگر حرم میں نہ پہنچا سکے تب بھی حرم میں پہنچائے۔

صلح حدیبیہ میں بعض حکمتوں کا بیان

اس میں جو حکمتیں ہیں ان کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا جس نے اسباب بنائے۔ چنانچہ اس کے تقاضائے حکمت کے مطابق واقعات (ظہور) پذیر ہوئے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ معاہدہ فتح عظیم کا مقدمہ بنا جس سے اللہ نے اپنے رسول اور لشکر کو عزت بخشی اور لوگ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہوئے۔ گویا یہ واقعہ اس مبارک امر کا دروازہ اور چابی تھا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہ عادت جمیلہ ہے کہ جو بھی عظیم اور بڑا کام کرتا ہے تو اس کے لیے پہلے مقدمات اور تمہید میں قائم فرماتا ہے جو اس کا سبب بنتی اور اس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

نیز یہ معاہدہ سب سے بڑی فتح تھی۔ کیونکہ لوگوں نے ایک دوسرے کو امان دے دیا اور

مسلمان اور کفار آپس میں ملنے لگے۔ انہیں اسلام اور قرآن کی دعوت دینے لگے اور اسلام کے متعلق علانیہ مناظرے شروع ہو گئے اور مخفی طور پر جو مسلمان تھا وہ بھی ظاہر ہو گیا اور اس مدت میں جس نے چاہا وہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین کا نام دیا۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان و اذعان میں اسے زیادتی کا سبب قرار دیا۔ اللہ کی قضاء و قدر کی رضا، اس کے وعدوں کی تصدیق، اس کے مواعیہ کا انتظار پھر سکینہ کی صورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے انعامات کا مشاہدہ جس کے ذریعہ قلوب کو اطمینان نصیب ہوا اور انہیں قوت حاصل ہوئی (ان سب سے) ایمان میں زیادتی ہوئی۔

دیگر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے یہ حکم جو اپنے رسول اور مومنین کو دیا اسے اپنے رسول کے تمام سابق آئندہ ذنوب کی بخشش کا سبب اور ان پر اپنی نعمت کے اتمام اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت اور غالب نصرت کا سبب قرار دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بیعت کا ذکر فرمایا اور اسے اس طرح مؤکد کیا کہ یہ گویا کہ اللہ تعالیٰ کی ہی بیعت ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک (ان کے ہاتھوں پر تھا) تو گویا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت ہے۔ کیونکہ وہ اسی ذات کا نبی اور رسول ہی تو ہے تو یوں سمجھو کہ اس کے نبی و رسول سے بیعت خود اسی سے عقد و بیعت ہے۔ پس جس نے (رسول) کی بیعت کی گویا اس نے اللہ کی بیعت کی اور (رسول اللہ کے ہاتھ کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پھر خبر دی کہ اس عہد کو توڑنے والے کی اسی حرکت کا زوال خود اس پر آکر رہے گا اور ایفائے عہد کرنے والے کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ اس طرح ہر وہ مومن جو اسلام کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اللہ کی بیعت کرتا ہے یا تو وہ عہد کو پورا کرے گا یا عہد شکنی کرے گا۔ (یعنی دو ہی صورتیں ہوں گی)۔

پھر ان اعراب کا ذکر فرمایا جنہوں نے عہد شکنی کی اور اللہ کے ساتھ بدظنی کا ثبوت دیا۔ (اور ان کے ان خیالات کو) کہ رسولؐ اس کے ساتھیوں اور لشکر کو (نعوذ باللہ) رسوا کیا، کہ دشمن ان پر فتح حاصل کرے تاکہ وہ واپس گھروں میں قطعاً نہ جائیں۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی وجہ سے مومنوں سے راضی ہوا اور اس وقت ان کے قلوب جس صدق و وفا سے پُر تھے خدا ہی خوب جانتا

ہے۔ جس قدر وہ کمالِ اطاعت و وفا، اللہ و رسول کی خاطر ایثار کا جذبہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر سکینہ، اطمینان اور رضا نازل فرمائی اور اپنے حکم سے ان کی رضا، صبر پر فتح قریب کا مژدہ سنایا، نیز یہ بتایا کہ انہیں بہت سے مغانم ہاتھ لگیں گے۔

مزید برآں یہ بھی فرمایا کہ یہ غنائم انہیں جلدی دے دیے جائیں گے اور ان مغانم کے علاوہ دوسرے فتوحاتِ کثیرہ کا بھی وعدہ فرمایا کہ اس وقت وہ ان پر قادر نہ تھے۔

ایک قول فتح مکہ کے متعلق ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد فارس اور روم کی فتوحات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ فتح خیبر کے بعد آفاقِ عالم پر فتوحات کا سلسلہ مراد ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر کفار اللہ کے اولیاء سے جنگ کریں گے تو انہیں نصرت نہ ملے گی اور پیٹھ پھیر کر فرار ہو جائیں گے اور اس کے بندوں میں یہ اللہ کی سنتِ قدیمہ چلی آتی ہے اور سنت اللہ میں تغیر نہیں آیا کرتا۔

پھر خبر دی کہ اس کے رسولؐ نے مسجد (حرام) میں امن سے داخلہ کا خواب صحیح دیکھا۔ اور وہ عنقریب رونما ہوگا۔ اور لازماً ہوگا۔ لیکن اس سال اس کا وقت نہیں آیا۔ تم اگرچہ جلدی کرنا چاہتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اس کی تاخیر میں کیا کیا مصالح و حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ چنانچہ اس کے لیے تمہید و بنیاد کے لیے فتح قریب عطا فرمائی۔

پھر فرمایا کہ (اللہ) وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر مبعوث فرمایا تاکہ اسے باقی تمام ادیان پر غالب کر دے۔ پس جب دین اسلام کے اتمام اور اتمام ادیان پر غلبہ عطا کرنے کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہو گیا تو اس میں مسلمانوں کے قلوب کو قوت و فرحت حاصل ہوئی اور اس عہد پر انہیں الیقان حاصل ہوا کہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

اور یہ نہ سمجھو کہ حدیبیہ کے روز جو اغماض واقع ہؤا وہ دشمن کی مدد اور اپنے رسول و دین سے اعراض کا سبب تھا اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ جبکہ اللہ نے اپنے رسول کو دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور وعدہ کیا کہ اس دین کو باقی تمام ادیان پر غلبہ عطا کر دے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اس کے صحابہ رضؓ کی مدح فرمائی اور تورات و انجیل میں ان کی صفاتِ منقولہ کا تذکرہ فرمایا۔ اس طرح یہ تورات و انجیل اور قرآن کے

ارسال فرمانے والے کی حقانیت کا ثبوت ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو مذکورہ الہامی کتابوں اور ان صفاتِ مشہورہ سے متصف ہیں اور وہ بات نہیں کہ جس کا تذکرہ کفار کرتے ہیں اور الزام دھرتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ طالبِ دنیا، اور حکومت کے خواہاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شام کے نصرٰنی نے (صحابہؓ) کو دیکھا، ان کے طریقہ زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ کیا۔ ان کے عدل و علم و عمل اور دنیا سے پرہیز آخرت کی طرف رغبت کا حال دیکھا تو کہنے لگے۔

یہ لوگ ان سے افضل ہیں جنہوں نے مسیح علیہ السلام کی حمایت کا شرف حاصل کیا۔

یہ نصارٰی کی رائے ہے، جو صحابہؓ کے مقام و فضیلت سے آگاہ تھے۔ بخلاف رافض کے کہ یہ صحابہؓ کے متعلق ایسی باتیں بناتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں روا نہیں رکھیں اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہے) ور جسے اللہ گمراہ کرے اس کا کوئی کارساز اور رہنما نہیں۔

فتح خیبر

یہود کی ہلیشہ کے لیے سرکوبی، خیبر کے یہودیوں سے معاہدہ

سنہ ۷ھ کا ایک اہم معرکہ موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے لوٹ کر مدینہ تشریف لائے اور قریباً بیس دن ٹھہرے۔ اس کے بعد آپ خیبر کی طرف نکلے اور اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ ہی میں اس کا وعدہ کر دیا تھا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ خیبر ۶ھ میں فتح ہوا اور جمہور کا خیال ہے کہ ۷ھ میں فتح ہوا۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے زہریؒ سے انہیں عروہؓ سے انہیں مروانؒ بن حکم اور مسورؒ بن مخرمہ سے روایت پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال تشریف لے گئے۔ ابھی مکہ و مدینہ کے درمیان تھے کہ سورۂ فتح نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیبر عطا فرمایا اور مغانم کثیرہ کا وعدہ فرمایا۔ اس طرح یہ خیبر (کی فتح و غنائم) جلد عطا کر دی گئیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ کے مہینے میں مدینہ واپس تشریف لائے اور تھوڑی مدت ہی ٹھہر کر محرم کے مہینے میں خیبر تشریف لے گئے۔

آپ خیبر و غطفان کے درمیان وادئ رجیع میں اُترے۔ خطرہ ہوا کہ غطفان حملہ نہ کریں چنانچہ یہیں رات گزاری اور صبح کے وقت ان کی طرف گئے۔ مدینہ پر سباع بن عرفطہ کو حاکم مقرر کیا۔ اسی وقت ابوہریرہؓ مدینہ پہنچ گئے اور صبح کی نماز میں سباع بن عرفطہ سے پہلی رکعت میں کہٰیعص اور دوسری میں ویل للمطففین سنی۔

سلمہؓ بن اکوع فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی طرف گئے

اور ہم نے رات کو سفر کیا۔ قوم کے ایک آدمی نے عامر بن اکوع سے کہا کیا تم ہمیں اپنے اشعار نہ سناؤ گے؟

عامر ایک شاعر آدمی تھے۔ چنانچہ حاضرین کو ان اشعار سے گرمانے لگے:۔

اللھم لولا انت ما اھتدینا
ولا تصدقنا ولا صلینا،

یعنی، اے اللہ اگر تو نہ (ہمیں ہدایت نہ دیتا) تو ہم ہدایت پر نہ آتے۔
اور نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔

فاغفر فدی لک ما اقتفینا
وثبت الاقدام ان لاقینا

ہمیں بخش دے ہم تجھ پر فدا ہوں
اور اگر تو جنگ پر ثابت قدم رکھتا۔

وانزلنا سکینۃ علینا
وانا اذا صیح بنا اقینا

اور ہم پر سکینہ نازل فرما
اور جب ہمیں بلایا جائے گا، ہم حاضر ہوں گے۔

وبالصیاح عولوا بنا
وان ارادوا فتنۃ أبینا

اور جنگوں میں ہم پر اعتماد کیا گیا
اور اگر ہمیں بعض گمراہ کرنا چاہیں گے ہم انکار کر دیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا سائق کون ہے؟
عرض کیا گیا عامر رضؓ!

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے۔ ایک آدمی کہنے لگا واجب ہو گئی، واجب ہو گئی عامر کو اے اللہ کے رسول!

راوی کہتے ہیں کہ ہم خیبر آئے اور ہم نے ان کا محاصرہ کر لیا لیکن شدید تکلیف و پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر باب کامرانی کھول دیا جب شام ہوئی تو انہوں نے

کثرت سے آگ جلائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آگ کیسی ہے؟ کیا پکار رہے ہو؟ عرض کیا گیا گوشت (پکا رہے ہیں) آپ نے دریافت فرمایا: کیسا گوشت؟ عرض کیا گورخر کا گوشت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سالن کو انڈیل دو، یہ ہانڈیاں توڑ دو۔

جب صف آراستہ ہوئی تو مرحب تلوار ہلاتا اور یہ شعر پڑھتا نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحب

شاک السلاح بطل مجرب مجرب۔ اذا الحروب اقبلت تلتھب

یعنی: خیبر کو معلوم ہو چکا کہ میں مرحب ہوں۔
ہتھیاروں سے سجا ہوا۔ تجربہ شدہ بہادر ہوں جب لڑائیاں آئیں تو شعلہ زن ہو جاتا ہوں۔

اس کے مقابلے میں عامرؓ یہ شعر پڑھتے مقابلے میں آئے۔

قد علمت خیبر انی عامر

شاک السلاح بطل مغامر

یعنی: خیبر کو معلوم ہو چکا کہ میں عامر ہوں۔
ہتھیار سجانے والا، بہادر (اور) نڈر جنگجو ہوں۔

چنانچہ آپس میں جھڑپ ہوئی اور عامرؓ کی ڈھال پر مرحب کی تلوار پڑی اور عامرؓ اسے پیچھے لے جانے لگے۔ عامر کی تلوار میں کچھ نقص تھا، تلوار کی دھار ان پر پڑی اور عامرؓ کی آنکھ پر لگی اس سے ان کی شہادت بھی ہو گئی۔

حضرت سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عامرؓ کا عمل برباد ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: جس نے یہ کہا اس نے جھوٹ بولا اس کے لیے دو اجر ہیں اور آپ نے دو انگلیوں کو جوڑ کر بتایا، وہ یقیناً جاھد و مجاہد ہے۔ بہت کم عربی ایسے ہیں جنھوں نے اس کی طرح جہاد کیا ہو۔

اہلِ خیبر کی بے خبری | جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لائے۔ وہاں صبح کی نماز

ادا فرمائی۔ اس کے بعد مسلمان سوار ہوئے تو اہلِ خیبر اپنے کھیتوں اور کام کاج کی جگہوں کی طرف نکلے اور انہیں مسلمانوں کی آمد کا علم بھی نہ تھا بلکہ وہ اپنے کھیتوں کی طرف نکلے تھے جب انہوں نے لشکر (اسلام) کو دیکھا تو کہنے لگے۔

محمدؐ اللہ کی قسم محمدؐ اور خمس! (یعنی مال غنیمت کا حصہ)!

چنانچہ اپنے شہر کی طرف بھاگتے ہوئے واپس ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ اکبر خیبر برباد ہو گیا، اللہ اکبر خیبر برباد ہو گیا جب ہم ایک قوم کے علاقہ میں اترے تو ڈرائے جانے والوں کی صبح بری ہوئی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہوئے اور شہر پر نظر پڑی تو فرمایا: ٹھہر جاؤ، لشکر (اسلام) ٹھہر گیا۔ آپؐ نے یہ دعا پڑھی: اللھم رب السموات السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن۔ فانا نسئلك خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا وخیر ما فیھا ونعوذ بك من شر ھذہ القریۃ وشر ما فیھا۔

اس کے بعد فرمایا: اللہ کے نام سے آگے بڑھو۔

حضرت علیؓ کا شرف

جب داخلہ کی شب آئی تو آپؐ نے فرمایا: کہ صبح اُس آدمی کے ہاتھ میں جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔ لوگوں نے ان باتوں میں ہی رات گزار دی کہ دیکھیے صبح کس کو جھنڈا ملتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ اسی کو جھنڈا عطا کیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا: علیؓ بن ابی طالب کہاں ہیں؟

عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! اسے آشوب چشم کی شکایت ہے۔

آپؐ نے انہیں بلا بھیجا وہ حاضر ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا اور ان کے لیے دعا بھی فرمائی وہ تندرست ہو گئے گویا انہیں کچھ تکلیف ہی نہ تھی۔ اس کے بعد آپؐ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔

انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول کیا میں ان سے تب تک مقابلہ کروں جب تک وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ بن جائیں؟

آپؐ نے فرمایا ان کے علاقہ میں اترتے تک اپنے قاصدوں تک رہنے دو پھر انہیں

اسلام کی دعوت دو اور انہیں اللہ کے حقوق کی خبر دو۔ اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ پر ایک آدمی کو ہدایت دے دے۔ تو تیرے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

مرحب اور حضرت علی کا مقابلہ

پھر مرحب یہ (رجز) پڑھتے ہوئے نکلا:۔

انا الذی سمتنی امی مرحب
شاک السلاح بطل مجرب
اذا الحروب اقبلت تلتھب

یعنی، میں وہ ہوں کہ جس کی ماں نے اس کا نام مرحب رکھا۔
ہتھیار پوش بہادر تجربہ شدہ۔
جب لڑائیاں آئیں تو شعلہ زن ہو جاتا۔
دوسری جانب حضرت علیؓ یہ پڑھتے ہوئے میدانِ مقابلہ میں آئے۔

انا الذی سمتنی امی حیدر
کلیث غابات کریہ المنظر
اُوفیھم بالصاع کیل السندر

یعنی، میں وہ ہوں کہ جس کی ماں نے حیدر نام رکھا۔
جنگلوں کے شیروں کی طرح خوفناک ہوں۔
اس کے بعد (علیؓ) نے مرحب پر تلوار کا وار کیا جس سے اس کی گردن دور جا پڑی اور مسلمانوں کو فتح ہوگئی۔

جب حضرت علیؓ قلعے کے قریب ہوئے تو قلعے کی چوٹی سے ایک یہودی نے سر نکالا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا میں علیؓ بن ابی طالب ہوں! وہ یہودی بولا تم غالب آگئے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت علیؓ نے مرحب کو قتل کیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ محمدؓ بن مسلمہ نے اسے قتل کیا۔

حضرت جابرؓ اپنی روایت میں فرماتے ہیں کہ خیبر کے قلعے سے مرحب یہودی نکلا اس نے خوب ہتھیار لگا رکھے تھے اور وہ رجز پڑھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میرے مقابلے میں کون آئے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون اس کا مقابلہ کرے گا؟ محمد بن مسلمہ نے عرض

کیا، اے اللہ کے رسول میں اس کا (مقابلہ کروں گا) اللہ کی قسم میں بدلہ لوں گا، اس نے کل ہی میرے بھائی محمود بن مسلمہ کو شہید کیا ہے وہ خیبر میں شہید کر دیے گئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: اٹھو اس کی جانب! اے اللہ (محمد رضی بن مسلمہ) کی اس کے مقابلہ میں مدد کرنا جب دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو دونوں کے درمیان ایک درخت حائل ہو گیا۔ اس طرح ہر ایک اس درخت کی آڑ لینے لگا۔ جب دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کرنا چاہا تو ہر ایک نے سامنے کا حصہ کاٹ دیا اور ایک دوسرے کے سامنے کھل کر آ گئے اور اس درخت کا (تنا) دونوں کے درمیان ایک آدمی کی طرح آڑ بن گیا جس پر کوئی شاخ نہ تھی۔ پھر (مرحب) نے محمدؓ پر حملہ کیا۔ انہوں نے چمڑے کی ڈھال سے وار بچایا۔ اس کی تلوار اس میں چلی گئی۔ اس کے بعد محمد بن مسلمہ نے اس پر وار کیا اور اسے قتل کیا۔

یاسر اور حضرت زبیرؓ کا مقابلہ

مرحب کے مرنے کے بعد یاسر (یہودی) نکلا، اس کے مقابلے میں حضرت زبیرؓ نکلے، ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا میرا لڑکا قتل ہو جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تیرا بیٹا انشاء اللہ یہودی کو قتل کرے گا۔

چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ بن عقبہ بتاتے ہیں کہ پھر قوم یہود اپنے قموص نام کے قلعے میں داخل ہو گئی تاکہ رکاوٹ ہو سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریباً بیس دن تک محاصرہ کیے رکھا۔ یہ زمین خراب اور سخت گرم تھی۔ مسلمانوں کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے گدھے ذبح کیے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھانے سے منع فرما دیا۔ اہل خیبر کا ایک سیاہ فام غلام آیا جو اپنے آقا کی بکریاں چرا رہا تھا جب اس نے اہل خیبر کو دیکھا کہ انہوں نے ہتھیار لگا رکھے ہیں ان سے پوچھا کیا ارادہ ہے؟

انہوں نے کہا کہ ہم اس سے جنگ کرنا چاہتے ہیں جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس کے دل میں لگ گیا۔ وہ بکریوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، آپ کیا کہتے ہیں اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور تو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرے۔

غلام بولا اگر میں گواہی دے دوں اور اللہ عزوجل پر ایمان لے آؤں تو میرے لیے کیا اجر ہے؟

آپؐ نے فرمایا تیرے لیے جنت ہے اگر تو اسی (ایمان) پر مرے۔

چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر عرض کیا اے اللہ کے نبی میرے پاس یہ بکریاں امانت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں اپنے پاس سے ہنکا دے اور انہیں پتھر مار کر (بھگا دے) کیونکہ اللہ تعالیٰ تیری جانب سے تیری امانت ادا کر دے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا، بکریاں مالک کے پاس پہنچ گئیں۔ یہودی کو یقین ہو گیا کہ اس کا غلام مسلمان ہو گیا۔

شہداء کی صف میں ایک نومسلم غلام

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے، انہیں خطاب فرمایا: اور جہاد کی ترغیب دی۔ جب مسلمانوں اور یہودیوں میں جنگ ہوئی تو وہ سیاہ غلام شہدا میں پڑا تھا۔ مسلمان اسے اٹھا کر اپنے لشکر میں لے آئے اور اسے خیمے میں داخل کر دیا۔ یوں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمے میں دیکھا۔ پھر صحابہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس غلام کو عزت بخشی اور نیکی کی طرف چلایا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے سر کے پاس دو خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہیں۔ حالانکہ اس نے اللہ کو ایک بھی سجدہ نہ کیا (یعنی نماز نہ پڑھ سکا کیونکہ اسلام لاتے ہی جہاد ہوا اور اس میں وہ شہید ہو گیا!

ایک اور پروانۂ شمع اسلام

حماد بن سلمہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول میں سیاہ رنگ بدبودار آدمی ہوں، میرے پاس مال بھی نہیں ہے۔ اگر میں مقاتلہ کر دوں، یہاں تک کہ قتل ہو جاؤں تو کیا مجھے جنت میں داخلہ مل جائے گا؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں!

پھر وہ بڑھا جنگ کی طرف، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اسے اسی حالت میں اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یقیناً اللہ نے تیرا چہرہ حسین کر دیا۔ تیری بو کو خوشبو میں (بدل) دیا۔ اور تیرے مال کو زیادہ کر دیا۔ پھر فرمایا میں نے اس کی دو خوبصورت آنکھوں والی بیویوں کو دیکھا کہ وہ اس سے اس کا (پرانا) لباس اتار رہی ہیں۔

اور نئے لباس اور جبہ میں داخل کر رہی ہیں۔

ایک من چلا اعرابی

مشداد بن ہاد فرماتے ہیں۔ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایمان لایا اور اتباع کی۔ پھر کہنے لگا، میں آپؐ کے ساتھ چلتا ہوں۔ آپؐ نے کسی صحابیؓ کو اس کے متعلق وصیت فرمائی۔ جب غزوہ خیبر ہوا تو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مال غنیمت ہاتھ لگا۔ آپؐ نے اُسے تقسیم فرمایا اور اعرابی کا حصہ بھی نکالا اور اس کا حصہ صحابہؓ کو (محفوظ رکھنے کے لیے دیا۔ اُس وقت وہ پشت پر پہرہ دے رہا تھا جب وہ حاضر ہوا تو صحابہؓ نے اس کا حصہ دیا، وہ کہنے لگا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہ حصہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے لیے الگ فرمایا۔ اس نے لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہو گیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا میں نے تیرا حصہ الگ کیا ہے۔ وہ کہنے لگا، میں نے اس لالچ سے آپؐ کا اتباع نہیں کیا۔ بلکہ میں نے تو اس لیے اتباع کیا ہے کہ مجھے یہاں اس جگہ تیر لگے، پھر اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا اور کہا بس میں مر جاؤں۔ پھر مجھے جنت میں داخلہ مل جائے۔

آپؐ نے فرمایا اگر تو نے سچ کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ تیری تصدیق (کا صلہ) دے گا۔ پھر دشمن کے ساتھ لڑائی شروع ہو گئی اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقتولین میں لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا یہ وہی ہے؟ (صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں!

آپؐ نے فرمایا: اس نے اللہ کی تصدیق کی۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جبہ مبارک کا اسے کفن دیا، پھر اسے لے گئے اور اس کے حق میں دعا فرمائی اور آپؐ اُس کے لیے یہ دعا کر رہے تھے: "اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے، تیرے راستہ میں مہاجر نکلا اور شہادت کے خون میں قتل ہوا اور میں اس پر گواہ ہوں۔

واقدیؒ فرماتے ہیں کہ یہود اپنے قلعے کی طرف واپس جا کر قلعہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تین دن ٹھہرے آخر ایک یہودی آیا جسے عزال کہتے تھے۔ اس نے کہا اے ابوالقاسم اگر آپؐ ایک ماہ بھی ٹھہرے رہیں تو بھی انہیں کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ ان کے پینے کا پانی اور چشمے زمین کے نیچے ہیں۔ رات کو نکلتے ہیں۔ اس سے پی لیتے ہیں اور پھر دوبارہ قلعے میں لوٹ جاتے ہیں اور آپؐ سے بچاؤ کر لیتے ہیں۔ اگر آپؐ ان کا پانی کاٹ دیں تو سامنے آئیں گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چشموں کی جانب تشریف

ے گئے انہیں کاٹ دیا جب پانی بند ہو گیا تو اب نکلے۔ اور سخت ترین جنگ ہوئی کچھ مسلمان شہید ہوئے اور دس یہودی مارے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح حاصل ہوئی اسے فتح کرنے کے بعد آپ اہل کتیبہ و طیح اور سلالم کی طرف گئے جو ابن ابی الحقیق کے قلعے تھے انہوں نے سخت ترین قلعہ بندی کر لی۔ اور نطاۃ اور شق سے بھاگ کر یہ لوگ یہیں پناہ گزین ہو گئے، کیونکہ خیبر کے دو حصے تھے۔ شق اور نطاۃ پہلے تھے جو فتح ہو چکے تھے اور کتیبہ، وطیح اور سلالم بعد میں آئے تھے، وہ اپنے قلعوں سے باہر نہ آتے تھے۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ منجنیق گاڑ کر (ان پر پتھر برسائے جائیں) آخر انہیں ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ چودہ روز سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محاصرہ میں تھے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی اور ابن ابی الحقیق کو آپ کے پاس بھیجا تاکہ جنگ کے باعث ان کی جانوں کا نقصان نہ ہو اور ان کی اولاد انہیں بخشی جائے اور وہ خیبر سے چلے جائیں گے اور جو کچھ اُن کے پاس مال و دولت، زمین، سونا چاندی ہے سب پیش کر دیں گے۔ سوائے اس لباس کے کہ جو بدن پر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مجھے تحریر لکھ دو اور تم سے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ختم ہو چکا۔ انہوں نے اس پر مصالحت کر لی۔ حماد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبیداللہ بن عمر رضؓ نے فرمایا: انہیں نافع ؒ سے انہیں ابن عمرؓ سے روایت ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے مقاتلہ فرمایا، آخر وہ اپنے قلعے کی طرف پسپا ہو کر محصور ہو گئے۔ کھیتی کھجور اور زمین کے عوض انہوں نے صلح کر لی کہ وہ اسے چھوڑ دیں گے اور ان کے سواری کے جانور جس قدر بوجھ اٹھا سکیں بس وہ لے لیں گے اور سونا اور چاندی رسول اللہ صلی اللہ کا ہو گا۔ آپ نے شرط لگائی کہ وہ چھپائیں گے نہیں اور نہ کوئی چیز آپ سے اوجھل کریں گے اگر انہوں نے ایسی حرکت کی تو پھر نہ ذمہ ہے اور نہ عہد (امن)

(لیکن) انہوں نے ایک مشک جس میں مال اور حی بن اخطب کے زیورات تھے چھپا لیا وہ اسے بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت خیبر کی طرف اٹھا لایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حی بن اخطب کے چچا کو فرمایا۔ حی جو مشک بنو نضیر سے اٹھا کر لایا۔ وہ کہاں ہے۔

وہ کہنے لگا، اخراجات اور جنگوں نے اسے ختم کر دیا۔

آپ نے فرمایا وہ عہد تو قریب کے زمانے کا ہے اور مال اس سے زیادہ تھا۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت زبیرؓ کے حوالے کیا۔ انہوں نے کچھ سختی کی۔ اس سے قبل وہ ایک ویرانے میں گیا تھا۔ کہنے لگا میں نے دیکھا کہ وہ ویرانے میں پھر رہا تھا۔ ویرانے کی طرف گئے اور وہاں تلاش کیا تو مشک مل گئی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ابی حقیق اور اس کی ایک زوجہ صفیہ بنت حی بن اخطب کو قتل کر دیا اور اس کی عورتوں بچوں کو غلام بنا لیا اور مال کو تقسیم فرمایا۔ یہ برتاؤ ان کی مسلسل عہد شکنی کے باعث ہوا۔

اہل خیبر سے معاہدہ

نیز آپ کا ارادہ ہوا کہ انہیں وہاں سے ملک بدر کر دیں، لیکن وہ کہنے لگے اے محمدؐ ہمیں اسی زمین میں رہنے دیجیے ہم اس کی اصلاح کریں گے، اور اس کی حفاظت کریں گے۔ کیونکہ ہم آپؐ کی نسبت یہاں سے زیادہ واقف ہیں۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے پاس اس قدر آدمی بھی نہ تھے جو اس کا انتظام سنبھال سکتے اور وہ خود اس کی حفاظت کے لیے فراغت نہ رکھتے تھے۔ اس لیے آپؐ نے انہیں خیبر کا علاقہ اس شرط پر دے دیا کہ جو پیداوار یا پھل ہو اس کا نصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا ہوگا۔ چنانچہ آپ عبداللہ بن رواحہ کو اندازہ کرنے ارسال فرمایا کرتے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

خیبر کی پیداوار کی تقسیم

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی پیداوار چھتیس سہم میں تقسیم فرما دی۔ ہر سہم کی ایک سو سہم کا تھا۔ گویا کہ کل چھتیس سو سہم بن گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے اٹھارہ سو سہم ہوتے اور باقی نصف یعنی اٹھارہ سو سہم اس کے محافظین اور وہاں پر اہل اسلام کے لیے چھوڑ دیے گئے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ خیبر کا ایک حصہ حملے سے اور ایک حصہ صلح سے مفتوح ہوا۔ چنانچہ جو حصہ لڑائی سے مفتوح ہوا اسے اہل خمس اور غانمین میں تقسیم کر دیا گیا اور جو حصہ صلح سے مفتوح ہوا اسے وہاں کے منتظمین اور مسلمانوں کے امور اور مصالح عامہ کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

امام شافعیؒ کے انکار کی اساس و بنیاد

میں کہتا ہوں کہ یہی امام شافعیؒ کے خیال کی اصل و بنا ہے کہ تمام غنائم کی طرح قوت سے مفتوحہ زمین کی تقسیم واجب ہوتی ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خیبر کی زمین تقسیم نہیں ہوئی تو فرمایا یہ مصالحت سے مفتوح ہوا لیکن جو سیرو مغازی کا گہرا مطالعہ کرے گا۔

اس پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ خیبر قوت سے فتح ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزورِ قوت اس علاقہ پر قابض ہوئے۔ اگر محض مصالحت سے فتح ہوا ہوتا تو آپ جلاوطن نہ کرتے۔

خیبر اٹھارہ ہزار سہموں پر تقسیم ہوا، کیونکہ یہ اہل حدیبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطیہ تھا جو اس میں شریک تھے اور ان کی تعداد چودہ سو تھی۔ نیز ان کے ہمراہ دو سو سوار بھی تھے۔ ہر گھوڑے کے دو حصے ہوتے چنانچہ جملہ تعداد اٹھارہ سو سہم بن گئی اور جابرؓ بن عبداللہ کے سوا اہلِ حدیبیہ میں سے کوئی بھی غزوۂ خیبر کے موقع پر غیر حاضر نہ تھا۔ ان کا آپؐ نے دوسرے شریک جہاد صحابہؓ کی طرح سہم (حصہ) نکالا۔ سوار کے تین سہم نکالے اور پیدل کا ایک، ! یہ کل چودہ ہوئے، دو سوار تھے یہی روایت صحیح ہے جس میں کوئی تردد نہیں۔

نیز ابو معاویہؒ کی حدیث میں ہے کہ انہیں عبیداللہ بن عمرؓ سے انہیں نافعؓ سے انہیں حضرت ابن عمرؓ سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار کے لیے تین سہم ایک سہم اس کا اور دو گھوڑے کے لگائے اور یہ صحیحین میں مروی ہے۔ امام ثوریؒ اور ابو اسامہؒ نے بھی عبیداللہؒ سے اسی طرح روایت کیا ہے امام شافعیؒ بتلاتے ہیں کہ مجمعؓ بن حارثہ نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں اٹھارہ سو سہم مقرر فرمائے۔ فوج کی تعداد پندرہ سو تھی۔ جن میں تین سو سوار تھے۔ آپؐ نے سوار کو دو سہم اور پیدل کو ایک سہم عطا فرمایا۔" شافعیؒ نے فرمایا کہ مجمع بن یعقوب یعنی اس حدیث کا راوی اپنے والد سے وہ اپنے چچا عبداللہ بن یزید سے وہ اپنے چچا مجمع بن حارثہ سے روایت کرتا ہے۔ جو غیر معروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے عبیداللہ کی روایت قبول کر لی ہے۔ چونکہ اس کی معارض خبر کوئی نہیں اور ایک خبر کو صرف اس پایہ کی خبر سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے رد ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپؐ کے ابن عم جعفرؓ بن ابی طالب اور ان کے ساتھی بھی آئے۔ ان کے ہمراہ عبداللہ بن قیس ابو موسیٰ اور ان کے رفقاء اشعری قبیلے کے لوگ تھے۔ نیز اسماء بنت عمیس بھی آئیں۔

ابو موسیٰ بتلاتے ہیں کہ ہم یمن میں تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع ملی ہم ہجرت کرتے ہوئے نکلے۔ میں تھا اور میرے ساتھ میرے دو بھائی تھے۔ میں ان

دونوں سے چھوٹا تھا۔ ایک کا نام ابو رہم اور دوسرا ابو بردۃ۔ ہماری قوم کے پچاس سے زیادہ افراد آ گئے۔ چنانچہ ہم ایک کشتی پر سوار ہو گئے یہ کشتی ہمیں حبشہ میں نجاشی کی طرف لے گئی۔ ہم وہاں جعفرؓ بن ابی طالب اور اس کے ساتھیوں سے جا ملے۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں بھیجا ہے اور ہمیں یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا اس لیے ہمارے ساتھ ہی ٹھہرو ہم انہی کے ساتھ ٹھہر گئے۔ آخر کار ہم سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فتح خیبر کے موقع پر ہمیں آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ہمارے لیے سہم نکالا اور ہمارے علاوہ اور کسی غیر حاضر شخص کا حصہ اس میں سے نہیں نکالا۔ سوا ان صحابہ کے جو آپ کے ہمراہ تھے۔ یا حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کے یا ہمارا اور ہمارے شرکائے سفینہ کا۔

حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت عمرؓ میں سخت کلامی

لوگ کہنے لگے کہ ہمیں تم پر ہجرت میں سبقت حاصل ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس حضرت حفصہؓ کے پاس آئیں اور حضرت عمرؓ بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے پوچھا یہ خاتون کون ہیں؟ جواب دیا کہ اسماءؓ ہیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا، ہم نے تم پر ہجرت میں سبقت کی۔ اس لیے تم سے زیادہ ہم رسول اللہ کے حقدار ہیں۔ (حضرت اسماء) کو غصہ آیا وہ کہنے لگیں۔ اے عمرؓ ہرگز نہیں۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، جو تم میں بھوکا ہوتا اسے وہ کھلاتے، جو تم میں جاہل ہوتا اسے وہ تعلیم دیتے... جو تم میں جہاد کرتا وہ مال غنیمت پاتا۔ مگر ہم ایک دور دراز علاقے میں کٹھنائیاں برداشت کر رہے تھے اور یہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی خاطر تھا۔ خدا کی قسم نہ میں کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک جو کچھ تم نے کہا ہے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض نہ کر لوں۔ ہمیں دکھ دیا جاتا ایذا دی جاتی اور ہم یہ سب خدا اور رسولؐ کے لیے سہتے۔ میں یہ تمام ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کروں گی اور خدا کی قسم ذرا بھی نہ جھوٹ بولوں گی، نہ نمک مرچ لگا کر کہوں گی اور نہ مبالغہ کروں گی۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اسماء نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول عمرؓ اس اس طرح کہہ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے انہیں کیا جواب دیا؟

انہوں نے عرض کیا، میں نے جواب میں یہ کہا۔

آپؐ نے فرمایا عمر اور اُن کے ساتھیوں کی ایک ہجرت ہے اور اے اہل سفینہ تمہاری دو ہجرتیں ہیں۔ ابو موسیٰؓ اور اہل سفینہ حضرت اسماءؓ کے پاس گروہ در گروہ آیا کرتے اور اس حدیث کے متعلق پوچھ گچھ کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بات بھی فرحت بخش اور باعث مسرت نہ تھی۔ جتنی وہ بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمائی تھی۔

حضرت جعفر بن ابی طالب سے آپؐ کا والہانہ تعلق خاطر

جب حضرت جعفرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُن کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ راوی کا بیان ہے کہ خدا کی قسم میں اندازہ نہیں کرسکتا کہ آپؐ کو فتح خیبر سے زیادہ خوشی ہوئی۔ یا حضرت جعفرؓ کی آمد سے۔ اور واقدی فرماتے ہیں کہ ابو شیم مزنی نے بتایا جو اسلام لاچکے تھے، اور سچ یہ ہے کہ انہوں نے بہت عمدہ طور پر اس دین کو قبول کیا تھا کہ جب ہم عیینہ بن حصن کے ہمراہ واپس آئے تو عیینہ بھی واپس آیا۔ جب ہم خیبر کے قریب تھے تو رات کو ہم اترے اور ہمیں گھبراہٹ لاحق ہوئی۔

عیینہ نے کہا خوش ہو جاؤ، میں نے رات کو خواب دیکھا ہے کہ مجھے خیبر کا ایک پہاڑ ذوالرقیبہ دیا گیا۔ جب ہم خیبر واپس ہوئے، عیینہ آیا اور دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کرلیا تھا۔ اس نے عرض کیا، اے محمدؐ! آپ نے میرے حلیفوں سے جو غنیمت لی ہے تو اس میں سے مجھے بھی عنایت کیجیے، کیونکہ میں آپ کو گزند پہنچانے سے ہٹ گیا حالانکہ ہم آپ کو پہچان چکے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تو شور سن کر اپنے گھر کی طرف بھاگا۔

اس نے کہا: اے محمد مجھے انعام دیجیے۔

آپؐ نے فرمایا تیرے لیے ذوالرقیبہ ہے۔

اس نے پوچھا ذوالرقیبہ کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: وہ پہاڑ جو تو نے خواب میں دیکھا کہ تو لے گا۔

چنانچہ عیینہ واپس ہوا جب واپس پہنچا تو حرث بن عوف اس کے پاس آیا اور کہا میں نے کہا نہیں تھا کہ تجھ سے اور ہی معاملہ ہو گا۔ اللہ کی قسم محمد مشرق و مغرب کی ہر (قوم) پر غالب

آگر رہے گا۔ یہودہمیں اس بات کی خبر دیا کرتے تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں ابو رافع سلام بن ابی حقیق کو کہتے سُنا کہ ہم محمد پر نبوت کے متعلق حسد کرتے ہیں کہ بنی ہارون سے نکل گئی حالانکہ آپ واقعی نبی مرسل ہیں۔ حرث کہتے ہیں میں نے سلام سے پوچھا کہ کیا وہ تمام زمین کے بادشاہ بنیں گے۔ اس نے کہا ہاں! اور کوئی یہودی نہیں چاہتا کہ میرے اس قول سے کوئی بھی واقف ہوجائے۔

آں حضرتؐ کو زہر دینے کی کوشش

اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا گیا۔ سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حرث یہودن نے آپ کو ایک بھُنی ہوئی بکری بھیجی، جس میں زہر ملا دیا، وہ آئی اور پوچھنے لگی۔ کونسا گوشت آپ کو زیادہ پسند ہے؟ بتایا گیا کلائی کا۔

چنانچہ اس نے کلائی میں زہر زیادہ ڈال دیا۔ جب اس پارچہ سے آپ نے کاٹا تو کلائی نے بتایا مجھے مسموم کیا گیا ہے۔ آپ نے فوراً نوالہ پھینک دیا۔ پھر آپ نے فرمایا یہود کو جمع کرو، جب سب جمع ہو گئے تو ارشاد فرمایا! میں تم سے ایک بات دریافت کرتا ہوں، کیا تم سچ سچ بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا ہاں! اے ابوالقاسم۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا باپ کون ہے؟ وہ کہنے لگے، ہمارا باپ فلاں ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے جھوٹ کہا، تمہارا باپ تو فلاں ہے۔ وہ بولے آپ نے سچ کہا۔ آپ نے فرمایا اگر میں کچھ پوچھوں تو سچ بولو گے: کہنے لگے ہاں! اے ابوالقاسم اگرچہ ہم نے آپ کی تکذیب کی لیکن آپ نے ہمارے باپ کے متعلق ہمارا کذب معلوم کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہلِ نار کون ہے؟ وہ بولے ہم اس میں تھوڑی ہی مدت تک رہیں گے۔ پھر تم لوگ اس میں ہمارے بعد ہوگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم ہم وہاں کبھی بھی نہ جائیں گے۔

پھر آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کچھ دریافت کروں تو سچ بولو گے؟ کہنے لگے ہاں!

آپ نے فرمایا تم نے اس بکری میں زہر ملا دیا ہے؟ کہنے لگے ہاں!

آپ نے فرمایا: کس بات نے تمہیں اس پر آمادہ کیا؟ بولے ہمارا ارادہ یہ ہوا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر نبی ہیں تو آپ کو کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ عورت بھی لائی گئی، اس نے اقرار

کیا کہ میں نے آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے کبھی بھی مجھ پر مسلط نہ کرتا۔ ابو سلمۃ بتاتے ہیں کہ بشرؓ بن براء بن معرور (اس بکری کے کھانے سے) وفات پا گئے۔ آپؐ نے یہودیہ سے کہلا بھیجا کہ تجھے کس بات نے اس کام پر آمادہ کر دیا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ قتل کر دی گئی۔

اور اس باب میں اختلاف ہے کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت کھایا یا نہیں؟ زیادہ تر روایات کھانے کی تائید میں ہیں۔ اس واقعہ کے تین سال بعد تک آپؐ زندہ رہے۔ یہاں تک کہ مرض وفات کی تکلیف میں بھی آپؐ نے فرمایا کہ میں اس نوالے کا اثر محسوس کرتا رہا ہوں جو خیبر کے دن (اس مسموم) بکری سے کھایا تھا۔

زہریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شہادت تھی۔

غزوہ خیبر کے سلسلہ میں احکام فقہیہ

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اشہر حرم میں کفار سے مقاتلہ و جنگ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ میں حدیبیہ سے واپس آئے تو یہاں ٹھہرے۔ پھر آپؐ محرم میں خیبر کی طرف تشریف لے گئے۔ زہریؒ نے عروۃ سے، انہوں نے مروان اور مسعد بن مخرمہ سے اس طرح نقل کیا ہے۔ نیز واقدیؒ نے یہی کہا کہ آپؐ ۷ھ کی ابتداء میں نکلے۔ لیکن یہ استدلال محل نظر ہے۔ کیونکہ اواخر محرم میں آپؐ نکلے ابتداء میں نہیں اور صفر میں فتح حاصل ہوئی اس سے زیادہ قوی دلیل بیعت رضوان ہے جو صحابہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے کی کہ وہ جنگ کریں گے اور راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔ یہ واقعہ ذی قعدہ میں پیش آیا تھا۔ لیکن اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے بیعت تب لی جب آپؐ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت اور قریش سے ارادہ جنگ کی اطلاع ملی۔ ورنہ اشہر حرم میں قتال کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔

کیا اشہر حرم میں قتال کا آغاز جائز ہے؟

اختلاف تو اس میں ہے کہ کیا ان مہینوں میں قتال کا از خود آغاز کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جمہور نے اسے جائز کیا ہے اور کہا ہے کہ تحریم قتال منسوخ ہو چکی ہے اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے اور حضرت عطاء وغیرہ کا خیال یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں حضرت عطاءؒ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کرتے کہ اشہر حرم میں قتال حلال نہیں اور اس کی حرمت منسوخ نہیں ہوئی۔

ان دونوں سے زیادہ قوی استدلال طائف کا محاصرہ ہے کیونکہ آپ شوال کے آخر میں اس طرف تشریف لے گئے اور بیس سے زیادہ دن تک محاصرہ کیے رکھا۔ محاصرے کا کچھ وقت ذی قعدہ میں آتا ہے۔ کیونکہ رمضان میں دس دن باقی تھے کہ فتح مکہ ہوا اور فتح مکہ کے بعد آپ اُنیس دن وہیں مقیم رہے اور نمازوں میں قصر کرتے رہے۔ اس کے بعد ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ جب شوال میں بیس دن باقی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو ہوازن پر بھی آپ کو فتح عطا فرمائی۔ یہاں کے غنائم تقسیم کرنے کے بعد آپ طائف کی طرف تشریف لے گئے اور بیس سے زیادہ دن تک وہاں محاصرہ کیے رکھا۔ اس کے باوجود اس واقعہ سے دلیل نہیں ملتی کیونکہ غزوۂ طائف دراصل بنو ہوازن کی جنگ کا تتمہ تھا اور انہوں نے پہلے سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال شروع کر رکھا تھا جب انہیں شکست ہوئی تو وہ اپنے شہر میں داخل ہو گئے۔ اس طرح محاصرہ طائف نے دراصل پہلے سے شروع شدہ جنگ کا تتمہ تھا۔

انہی احکام میں ایک تقسیم غنائم کا مسئلہ ہے کہ سوار کے لیے تین سہم اور پیدل کے لیے ایک سہم، جس کے متعلق مفصل ذکر ہو چکا ہے۔ نیز یہ کہ ایک فوجی کو یہ جائز ہے کہ اگر اسے کھانا ملے تو کھالے اور اس خمس ادا نہ کرے۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن مغفل کو چربی کی ایک بوریا ملی تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اُسے اپنے لیے مخصوص کرلیا۔

نیز جنگ ختم ہو جائے اور اس کے بعد کچھ لوگ میدان میں آئیں تو انہیں حصہ نہیں ملے گا۔ جب تک تمام لشکر اجازت نہ دے دے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے اہلِ سفینہ کے متعلق اس وقت مشورہ فرمایا تھا جب جعفرؓ اور ان کے رفقاءؓ خیبر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آیا انہیں حصہ دیا جائے؟ مشورے کے بعد انہیں حصہ دیا گیا۔

پالتو گدھوں کے گوشت کا مسئلہ

ان احکامات میں سے ایک پالتو گدھوں کے گوشت کی حرمت ہے۔ خیبر کے دن اس کی تحریم صحت کے ساتھ ثابت ہے اور اس کی تعلیل یوں ہے کہ یہ رجس ہے۔ یہ قول ان صحابہ کے قول پر مقدم سمجھا جائے گا۔ جنہوں نے یہ علت بتائی ہے کہ یہ سواری اور بار برداری کا جانور ہے اور اس قول پر بھی مقدم ہے کہ اس کا خمس نہیں نکالا گیا تھا اور اس قول پر بھی مقدم ہے کہ یہ جانور بستی کے آس پاس کی گندگی کھاتا ہے۔ یہ تمام اقوال اگرچہ صحیح ہیں لیکن رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان زیادہ قابلِ ترجیح ہے کہ یہ رجس (ناپاک) ہے، سب پر مقدم ہوگا۔

متعہ کب حرام ہوا؟

متعہ فتح خیبر کے دن حرام نہیں کیا گیا بلکہ فتح مکہ کے موقع پر اسے حرام کیا گیا اور یہی درست تر رائے ہے۔

بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ آپ نے اسے فتح خیبر کے دن حرام بتایا اور انہوں نے صحیحین کی اس روایت سے دلیل لی ہے جو علی رضؓ بن ابی طالب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتوں گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور صحیحین میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ کو عورتوں کے متعہ کے مسئلہ میں نرمی کرتے دیکھا تو فرمایا: اے عباس ٹھہرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتوں گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے اور جب لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے سال اسے مباح بتایا پھر حرام کیا تو کہنے لگے حرام ہوا، پھر مباح ہوا، پھر حرام ہوا،

امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا کہ متعہ کے سوا کوئی بات حرام کی گئی ہو۔ پھر مباح کی گئی ہو پھر دوبارہ حرام کی گئی ہو (مروی ہے) کہ دوبارہ یہ حکم منسوخ ہوا اور بعد والوں نے اس کی مخالفت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ صرف فتح کے سال حرام ہوا اس سے قبل مباح تھا۔

متعہ کے بارے میں حضرت ابن عباس کا فتویٰ

اور خیبر کے واقعہ میں صحابہ کرام رضوان علیہم یہودی عورتوں سے متعہ نہیں کرتے تھے اور نہ انہوں نے اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی اور اس غزوہ میں کسی نے اس قسم کی بات نقل کی اور نہ اس واقعہ میں فعلاً و قولاً اس کا ذکر ہوا۔ بخلاف فتح مکہ کے کہ اس میں فعلاً قولاً متعہ کا معاملہ سامنے آیا۔ یہ طریقہ دونوں سے زیادہ صحیح تر ہے۔

نیز تیسرا طریقہ بھی مروی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مطلقاً حرام نہیں بتایا بلکہ ضرورت کے وقت جائز اور بلا ضرورت اسے حرام قرار دیا۔ (مروی ہے) کہ حضرت ابن عباسؓ اس کا فتویٰ دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے کہ یہ مردار، خون اور سور کے گوشت کی طرح ہے کہ ضرورت اور شدتِ حاجت میں استعمال کیا جا سکتا ہے چنانچہ اکثر

لوگ اسے نہ سمجھ سکے اور سمجھا کہ انہوں نے اسے مطلقاً مباح قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے یہ دیکھا تو رجوع کرلیا اور اس کے حرام ہونے کا (فتویٰ) دیا۔

مساقات اور مزارعت کے جواز کا پہلو

نیز اس میں مساقات اور مزارعت کا جواز نکلتا ہے کہ زمین کی پیداوار پھل اور کھیتی کے ایک مقررہ حصہ پر معاملہ طے کیا جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا جو آپ کی وفات تک غیر منسوخ رہا اور بعد میں خلفائے راشدین کا بھی اس پر عمل رہا۔

اسی قبیل میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے دشمنوں کو زمین دی تاکہ اجرت پر کام کریں۔ زمین کو فروخت نہیں کیا اور نہ مدینہ سے بیج بھیجے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی سنت طیبہ یہ ہے کہ زمین کا مالک بیج دینے پر مجبور نہیں۔ البتہ یہ عامل کی جانب سے جائز ہے۔ آپؐ کے بعد خلفائے راشدینؓ کا بھی یہی معمول رہا۔

تقسیم الگ چیز ہے بیع جدا

کھجوروں کے پھلوں کا اندازہ کر کے سودا کرنا اور اسے تقسیم کرنا بھی (اس غزوہ سے جائز معلوم ہوتا ہے) نیز یہ کہ تقسیم بیع نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ اندازہ کرنے والا اور تقسیم کنندہ ایک ہی کافی ہے۔

نیز عقد صلح وامان کو مشروط کرنا بھی جائز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط لگادی کہ یہودی کچھ غائب نہ کریں گے اور نہ کچھ چھپائیں گے۔

نیز متہم لوگوں کو سزا دینا، یہ حکم شرعی عدالت ہے نہ کہ ظالمانہ سیاست!

نیز اگر اہل ذمہ اپنے آپ پر عائد شدہ شرائط میں سے کسی کی مخالفت کردیں تو ان کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے اور ان کا جان و مال حلال ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ معاہدہ کیا اور شرط لگادی کہ وہ کچھ غائبانہ کریں گے اور نہ ہی کچھ چھپائیں گے اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی جان و مال کا ذمہ ٹوٹ جائے گا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب نے بھی اہل ذمہ کی شرائط کے متعلق سنت پر عمل کیا۔ اور (اہل ذمہ) پر شرط عائد کردی کہ اگر انہوں نے کسی دفعہ کی مخالفت کی تو بدبختوں اور دشمنوں پر جو کچھ (وارد ہوگا) ان پر بھی وہی کچھ ہوگا۔

نیز یہ کہ جس نے تقسیم سے قبل غنائم میں سے کچھ لیا وہ اس کا مالک نہ ہوگا۔ اگرچہ وہ چیز اس کے حق سے بھی کم ہو۔ بلکہ وہ تقسیم کے بعد ہی مالک ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے آپؐ

نے صاحب شملہ کے بارے میں جب اس نے غلو کیا تو فرمایا کہ یہ آگ بن کر اس پر جل رہی ہے اور تسمے والے کو فرمایا: آگ کا ایک تسمہ یا دو تسمے۔

نیز امام کو اختیار ہے کہ قوت کے بل پر فتح کیے ہوئے علاقے کو تقسیم کر دے یا اس کی تقسیم ترک کر دے یا بعض کو تقسیم کر دے یا بعض کو تقسیم کر دے اور بعض کو چھوڑ دے۔

نیز اہل ذمہ کو دار الاسلام سے خارج کرنا جائز ہے جب مناسب ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں ٹھہرائے گا ہم بھی ٹھہرائے رکھیں گے۔ اور یہود کے سردار سے آپؐ نے فرمایا۔ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب دن بدن تمہاری سواریاں شام کی طرف کوچ کریں گی اور حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہیں شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ محمد بن جریر طبری کا یہی مذہب ہے۔

باندی کے ساتھ نکاح میں گواہوں کی ضرورت نہیں

نیز اپنی لونڈی کو آزاد کرنا پھر آزاد کرنے کے بعد اس سے نکاح کرنا اور آزادی کو حق مہر مقرر کرنا جائز ہے اور لونڈی کے اذن اور گواہوں اور ولی کے بغیر اسے زوجہ بنا لینا جائز ہے اور نہ فقط "نکاح کرتا ہوں یا شادی کرتا ہوں" کی ضرورت ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کے معاملہ میں کیا اور آپؐ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ یہ طریقہ صرف میرے لیے مخصوص ہے۔ اور باوجود اس بات کے کہ آپؐ کو معلوم تھا کہ امت آپؐ کی سنن کا اتباع کرتی ہے۔ آپؐ نے اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا اور نہ کسی صحابیؓ نے فرمایا کہ یہ طریقہ آپؐ کے سوا دوسروں کو جائز نہیں بلکہ انہوں نے اس واقعہ کو امت کی طرف نقل کیا اور انہیں منع نہیں کیا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کی اقتداء سے منع فرمایا: حالانکہ اللہ تعالیٰ موہوبہ نکاح کے تعلق کو آپؐ نے خطاب کر کے فرمایا: خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ۔ یعنی، خاص کرنے کے لیے دوسرے مومنین کے سوا"۔

اس لیے اگر امت سے علاوہ یہ بھی آپؐ سے مخصوص ہوتا تو اس کی تخصیص کا تذکرہ زیادہ اولیٰ تھا۔

نیز مرد کو اپنی بیوی کے ہمراہ خیمہ لگا کر رہنا اور سواری پر لشکر کے درمیان ایک ہی

ہودج میں سوار ہونا بھی جائز ہے۔

نیز جو آدمی دوسرے کو زہر دے کر قتل کر دے، اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ جیسے حضرت بشر رضؓ بن براءؓ کو شہید کرنے کے عوض یہودیہ عورت کو قتل کیا گیا۔

کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے

نیز کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شاید یہودی عورت کو عہد شکنی کے باعث قتل کیا گیا کہ اس نے زہر کھلایا نہ کہ قصاص کے باعث۔ اس کا جواب یہ ہوگا کہ اگر عہد شکنی کے باعث اسے قتل کیا جائے تو اقرار کے فوراً بعد قتل کر دیا جاتا اور کھانے والے کی وفات تک اس کا قتل مؤخر کر دیا جاتا۔ اور اگر کہا جائے کہ اسے عہد شکنی کے باعث قتل نہیں کیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہی بات حجت ہے جو اس کے قائل ہیں کہ امام کو اسیر کی طرح عہد شکن کے متعلق اختیار ہے۔ اگر کہا جائے کہ تم تو امام احمدؒ کی طرح وجوبِ قتل کے قائل ہو۔ اور قاضی ابویعلی اور اُن کے اتباع کا خیال یہ ہے کہ امام کو اس میں اختیار ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اگر صلح سے قبل (زہریلی بکری) کا واقعہ درپیش آیا تو پھر یہ حجت نہیں ہو سکتا اور اگر صلح کے بعد ہوا تو مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں عہد شکنی سے متعلق اختلاف ہے۔ جو اسے عہد شکنی نہیں سمجھتے تو ظاہر ہے اور جو اسے عہد شکنی تصور کرتے ہیں ان میں بعض اس کے وجوبِ قتل کے قائل ہیں۔ بعض اختیارِ قتل کے بعد بعض اسبابِ عہد شکنی کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔

فتح خیبر کے سلسلہ میں اختلاف آراء

اور فتح خیبر کے قوت سے مفتوح ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ قوت سے مفتوح ہوا۔ بعض مصالحت سے فتح کے قائل ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد نے حضرت انسؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا غزوہ کیا تو خیبر جنگ کے بعد قوت سے فتح ہوا اور قتال کے بعد بعض کو ملک بدر کر دیا گیا۔ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ ارض خیبر کے متعلق یہ صحیح تر روایت ہے کہ یہ تمام زمین قوت سے مفتوح ہوئی۔ بخلاف فدک کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تمام زمین غانمین پر تقسیم فرما دی۔ جنہوں نے گھوڑوں اور سواروں پر بیٹھ کر ہلہ بولا تھا اور یہ اہل حدیبیہ ہی تھے اور علمائے کرام کا اس میں اختلاف نہیں کہ ارض خیبر تقسیم کردہ ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جب ملک غنیمت میں

ہاتھ آجائے تو اسے تقسیم کیا جائے یا وقف کیا جائے؟ اہل کوفہ فرماتے ہیں کہ امام کو اس کی تقسیم اور وقف دونوں کا اختیار ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے متعلق کیا اور حضرت عمرؓ نے عراق کے متعلق کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام زمین تقسیم کر دی جائے گی۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین تقسیم فرما دی، کیونکہ زمین بھی کفار کے دیگر اموال کی طرح غنائم میں شامل ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمرؓ کی اتباع کے باعث وقف کے قائل ہیں کیونکہ زمین غنائم میں مخصوص حیثیت رکھتی ہے جس طرح حضرت عمرؓ نے صحابہ کی جماعت ہوتے ہوئے بھی ان مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا جو بعد کے زمانے میں آنے والے ہیں۔

وادی قریٰ میں آپؐ کی تشریف آوری

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے چل کر وادی قریٰ تشریف لے گئے، وہاں یہود کی ایک جماعت تھی اور عرب (مشرکین) کا ایک گروہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو یہود نے تیر مارنے شروع کر دیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام مدعم قتل ہو گیا۔ لوگوں نے کہا اسے جنت مبارک ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو چادر اس نے خیبر کے روز تقسیم سے قبل لی تھی اس پر آگ بن کر شعلہ زن ہے۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یا دو تسمے لایا۔ آپؐ نے فرمایا: آگ کا ایک تسمہ یا دو تسمے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی، ان کی صف بندی فرمائی اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو جھنڈا عطا فرمایا۔ اور ایک جھنڈا حباب رضؓ بن منذر کو ایک سہل رضؓ بن حنیف کو اور ایک جھنڈا عبادہؓ بن بشر کو عطا کیا۔ اس کے بعد یہود کو اسلام کی دعوت دی اور بتایا کہ تم اسلام لے آؤ تو تمہارے مال محفوظ ہوں گے، تمہاری جانوں کو امان ہو گا اور حساب اللہ پر ہو گا۔

حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ کی بہادری

اس کے بعد ایک آدمی نکلا اس کے مقابلے میں حضرت زبیرؓ بن عوام نکلے حضرت زبیرؓ نے اسے قتل کر دیا۔ پھر اور نکلا انہوں نے اسے بھی قتل کر دیا پھر اور نکلا۔ اس کے مقابلے میں حضرت علیؓ بن ابی طالب نکلے اور انہوں نے اُسے قتل کر دیا اس طرح کفار کے گیارہ آدمی قتل

ہو گئے۔ جونہی ایک قتل ہو جاتا، دوسروں کو دعوت اسلام دی جاتی جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ صحابہؓ کے ہمراہ نماز ادا فرماتے۔ پھر واپس آکر انہیں اسلام، اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دیتے اس کے بعد مقابلہ فرماتے۔ آخر شام ہو گئی اور جب صبح ہوئی اور ابھی سورج ایک نیزہ بھی اونچا نہ ہوا تھا کہ آپ نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا اور قوت کے ذریعہ سے آپ کو یہ فتح حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ آپ کو ان کا مالِ غنیمت عطا کیا اور سامان و اموال کی ایک کثیر تعداد ہاتھ آئی۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی قریٰ میں چار دن تک مقیم رہے اور جو مالِ غنیمت حاصل ہوا اُسے صحابہؓ پر تقسیم کر دیا اور زمین اور کھجور کے درختوں کو یہود کے پاس ہی رہنے دیا اور انہی کو کارندہ مقرر فرما دیا۔ جب یہودِ تیما، کو خبر پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر، فدک اور وادی قریٰ کے یہود کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو انہوں نے بھی آپ کے ساتھ مال پر صلح کر لی۔

حضرت عمر اور یہودیانِ خیبر و فدک

اس کے بعد جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے خیبر اور فدک کے یہود کو ملک بدر کر دیا۔ تیما اور وادی قریٰ کے یہود کو رہنے دیا، کیونکہ یہ دونوں علاقے ارضِ شام کی حدود میں شامل ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس سے نچلا علاقہ مدینے تک حجاز میں داخل ہے اور اس سے پرے کا علاقہ شام میں داخل ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ واپسی پر ایک شب ایک جگہ اُترے اور حضرت بلالؓ سے فرمایا:

رات کو پہرہ دیتے رہنا۔

چنانچہ حضرت بلالؓ کی آنکھوں پر نیند غالب آگئی۔ کیونکہ وہ اپنی سواری سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلالؓ اور تمام صحابہؓ میں سے کوئی بیدار نہ ہوا۔ یہاں تک کہ دھوپ نکل آئی۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور آپ گھبرا گئے۔ فرمایا: اے بلالؓ یہ کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان جس ذات نے آپ کو سلا دیا اُس نے مجھے بھی (سلا) دیا۔ چنانچہ سواریوں کو وہاں سے ہنکایا۔

یہاں تک کہ اس وادی سے نکل گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اس وادی میں شیطان ہے۔ جب پار چلے گئے۔ آپؐ نے انہیں اترنے اور وضو کرنے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ نے فجر کی سنتیں ادا کیں اور حضرت بلالؓ کو (اذان) کا حکم دیا۔ آخر نماز کی اقامت ہوئی۔ آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ پھر فارغ ہو کر فرمایا:

قضا نماز موقع ملتے ہی فوراً پڑھنی چاہیے

اے لوگو! اللہ نے ہماری ارواح قبض فرمائیں۔ اگر چاہتا تو اُس وقت کے علاوہ کسی اور وقت انہیں لوٹاتا۔ اس لیے جب تم میں سے کوئی نماز کے وقت میں سوجائے یا بھول جائے، اُسے چاہیے کہ اس طرح پڑھے جیسے وقت پر پڑھتا تھا۔ پھر آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا کہ شیطان بلالؓ کے پاس آیا وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے انہیں سلانے کی کوشش کی اور انہیں تھپکنے لگا جیسے بچے کو تھپکایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو بلایا اور انہیں بھی بتایا، جس طرح حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا تھا۔

اس واقعہ کے فقہی احکام

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جو نماز کے وقت سو جائے یا بھول جائے تو اُس کا وقت اُس کے لیے نماز کا وقت اس گھڑی میں ہوگا۔ جب وہ بیدار ہو یا اسے یاد آجائے۔

نیز یہ کہ سنن راتبہ کی فرائض کی طرح قضا ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض کے ساتھ فجر کی سنن بھی قضا کیں اور ظہر کی سنن تنہا قضا فرمائیں اور آپؐ کی سنت طاہرہ یہ تھی کہ فرائض کے ساتھ ساتھ سننِ راتبہ بھی قضا کرتے تھے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قضا کی حالت میں اذان اور اقامت ہوگی، کیونکہ حالتِ سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت بلالؓ نے اذان کہی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان اور اقامت کا حکم دیا۔ (ابوداؤدؒ)

نیز اس واقعہ سے قضا نماز کو جماعت سے ادا کرنے اور (بیدار ہونے) کے فوراً بعد قضا کرنے کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے۔ جیسے آپؐ کا قول کہ اُسے چاہیے کہ جب یاد آئے اسے ادا کرے۔" اور مقام نزول سے ہٹ کر آپؐ نے نماز پڑھی اور تاخیر کی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ شیطان کی جگہ تھی۔ آپؐ اس سے بہتر جگہ پر تشریف لے گئے۔ اس وجہ سے قضائے نماز میں

جلدی تاخیر میں شمار ہوگی۔ کیونکہ آپ (حالتِ سفر) میں بھی نماز ہی کے کام میں مشغول تھے۔

نیز اس سے شیطانی جگہوں پر نماز پڑھنے کی ممانعت بھی معلوم ہوتی ہے جیسے حمام یا باغ کیونکہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں شیطان کثرت سے جاتا اور سکونت پذیر ہوتا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وادی میں نماز کی عجلت کو مؤخر کر دیا تو ان جگہوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے۔ کہ جو شیاطین کا کھلم کھلا مسکن ہیں؟

مہاجرین کی بلند حوصلگی

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس آئے، مہاجرین کو خیبر کے مال سے حصہ ملا تو مہاجرین نے انصار کو ان کے عطیات واپس کر دیے جو انھوں نے صحابہؓ کو دے رکھے تھے۔

سریۂ ابوبکر صدیق رضؓ

خیبر سے واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم شوال تک مدینہ میں رہے اور اس زمانہ میں آپؐ نے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ فرمائے۔ ان میں سے ایک دستہ بنی فزارہ کے علاقہ نجد کی طرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ارسال فرمایا۔ ان کے ہمراہ سلمہ بن الاکوع بھی تھے۔ ان کے حصہ میں ایک خوبصورت لونڈی آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے لی، اور اس کے عوض ان مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا گیا، جو مکہ میں تھے۔

نیز تیس سواروں کا ایک دستہ حضرت عمرؓ بن خطاب کی زیر نگرانی ہوازن کی جانب بھیجا۔ جب انھیں اطلاع ہوئی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے، مسلمان جب وہاں پہنچے تو کوئی بھی وہاں نہ تھا حتیٰ کہ واپس مدینہ چلے گئے۔ رہنما نے پوچھا کہ کیا آپؓ بنو خثعم کے گروہ سے مقابلہ کریں گے؟ جو چلے آرہے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم نہیں دیا (اس لیے) انھوں نے ان سے کچھ تعرض نہ کیا۔

نیز ایک تیس سواروں کا دستہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی سرکردگی میں بھیجا گیا۔ ان میں عبداللہ بن انیس تھے۔ انھیں بشیر بن دارام یہودی کی طرف بھیجا گیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ غطفان نے آپؐ سے جنگ کرنے کے لیے گروہ بندی کی ہے۔ اسے وہ خیبر کے علاقہ میں لے آئے ہیں۔ اس طرح کہ انھوں نے یہ کہہ کر شروع کیا ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے تاکہ تجھے خیبر پر عامل مقرر کردیں۔ اس طرح یقین دلاکر تیس آدمیوں سمیت لے آئے۔ اس کا ایک ایک آدمی ایک ایک مسلمان کے ساتھ اونٹ پر سوار ہوگیا۔ جب یہ لوگ خیبر سے چھ میل دور رہ گئے تو بشیر یہودی گھبرایا اور حضرت عبداللہ بن انیس کی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔ وہ سمجھ گئے۔ انھوں نے فوراً اپنے اونٹ کو جھڑکا اور اونٹ سے الگ ہوکر قوم کے آگے آگے چلنے لگے

پھر جب بشیر پر قابو پالیا تو اس کی ٹانگ کاٹ دی ۔ بشیر بھی الگ ہوا، اس کے ہاتھ میں شوحط کی لکڑی تھی اس نے اسے حضرت عبداللہ بن انیس کی آنکھ پر حملہ کیا جس سے زخم ہوگیا (لیکن آنکھ محفوظ رہی) اس پر ہر مسلمان نے ہر ساتھی یہودی سوار پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا ۔ سوا ایک آدمی کے (کہ وہ بچ کر بھاگ گیا) اس حادثہ میں کوئی مسلمان زخمی نہیں ہوا ۔

یہ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ آپؐ نے عبداللہؓ بن انیس کے زخم چشم پر لعابِ مبارک لگا دیا، جس سے نہ پیپ پڑی اور نہ وفات تک پھر کوئی تکلیف ہوئی ۔

اسی طرح فدک میں بنو مرہ کی طرف حضرت بشیر بن سعد انصاریؓ کی زیر سرکردگی میں ایک دستہ بھیجا گیا جس میں تیس آدمی تھے ۔ جب یہ نکلے تو چرواہوں سے ملے جو بکریاں اور چوپائے ہانک کر مدینہ واپس ہوگئے ۔ انھوں نے ان کا پیچھا کیا اور رات کو ان تک پہنچ کر تیر برسانے لگے ۔ آخر کار بشیرؓ اور ان اصحاب کے پاس تیر ختم ہوگئے ۔ پھر بشیرؓ نے ان سے سخت ترین قتال کیا اور ان کی بکریاں اور چوپائے لے کر واپس ہوئے ۔ بشیر کو چوٹ آگئی اور وہ یہود کے ہاں مقیم رہے یہاں تک کہ صحت ہوگئی اور واپس مدینہ پہنچے ۔

اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہلینہ کے خلاف ایک لشکر بھیجا جس میں اسامہؓ بن زید بھی تھے ۔ جب یہ وہاں پہنچے تو امیرِ لشکر نے مخبر بھیجے وہ خبر لائے تو آگے بڑھے یہاں تک کہ ایک شب کو ان کے قریب جا پہنچے ۔ پھر یہ کھڑے ہوگئے ۔ اللہ کی حمد ثنا بیان کی ، اور کہا ، میں تمھیں اللہ تعالیٰ سے جس کا کوئی شریک نہیں ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ تم میری اطاعت کرو ۔ اور میری نافرمانی نہ کرو ۔ اور میرے حکم کے خلاف نہ کرو ۔ کیونکہ جس کی اطاعت نہ کی جائے اس کی رائے کچھ (وزن) نہیں رکھتی ۔ پھر انھیں ترتیب دے کر کہا اے فلاں تو اور فلاں اور اے فلاں تو اور فلاں تم دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونا اور ایسی بات قطعاً نہ ہو کہ میں کہوں کہ تمہارا ساتھی کہاں ہے تو وہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا ۔ اور جب میں تکبیر کہوں تم بھی تکبیر کہو اور تلوار کھول لو ۔ پھر انھوں نے تکبیریں کہیں اور متحد ہو کر حملہ کر دیا اور دشمن کو گھیر لیا (کفار) کو اللہ کی تلواروں نے پکڑ لیا ۔ جہاں مسلمان چاہتے مارتے اور اسی دن ان کا شعار امت امت تھا ۔

حضرت اسامہؓ کی اجتہادی غلطی اور آنحضرتؐ کی اس سے بیزاری

حضرت اسامہؓ ایک آدمی کے پیچھے نکلے جس کا نام نہیک بن مرداس تھا ۔ جب اس کے قریب آئے اور تلوار سے اس پر حملہ کیا تو

اس نے لا الٰہ الا اللہ پڑھ دیا۔

انھوں نے پھر بھی اسے قتل کر دیا۔ پھر انھوں نے بکریوں چوپایوں وغیرہ کو ہنکایا۔ ہر آدمی کے حصہ میں دس بکریاں یا اس کے برابر چوپائے آئے۔

جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپؐ کو حضرت اسامہؓ کے فعل کی خبر دی گئی۔

آپؐ کو یہ بات سخت ناگوار گذری اور فرمایا کہ کیا تو نے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی اُسے قتل کر دیا ؟ انھوں نے جواب دیا اس نے محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔

آپؐ نے فرمایا ، کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا ؟ پھر فرمایا کہ :

قیامت کے دن لا الٰہ الا اللہ کے مقابلہ میں کون تیرا (مددگار) ہوگا ؟ آپ یہی بات بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ اسامہؓ نے دل میں کہا۔ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔ پھر کہا اے اللہ کے رسول، میں اللہ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی اس آدمی کو قتل نہ کروں گا جو لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوگا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد ؟

حضرت اسامہؓ نے عرض کیا، آپؐ کے بعد!

سریہ غالب بن عبداللہ کلبی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب بن عبداللہ کلبی کو کدید میں بنی ملوح کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ ان سے جنگ کرو ، ابن اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یعقوب بن عتبہ نے انھیں مسلم بن عبداللہ جہنی سے انھیں جندب بن مکیث جہنی سے روایت ملی کہ میں اس سریہ میں شریک تھا۔ ہم چلے جب ہم قدید پہنچے تو حرث بن مالک بن برصاء لیثی سے ملے ہم نے اسے گرفتار کر لیا۔ وہ کہنے لگا ، میں تو مسلمان ہونے کے لیے آیا ہوں۔

غالبؓ بن عبداللہ نے فرمایا۔ اگر تو مسلمان ہونے کے لیے آیا ہے تو ایک دن رات کی گرفتاری تیرے لیے کچھ مضر نہیں۔ اور اگر تو دوسری بات کے لیے آیا ہے تو بھی ہمیں وثوق ہو جائے گا چنانچہ انھوں نے اسے باندھ دیا اور ایک چھوٹے سے سیاہ فام آدمی کو اس پر مقرر کر دیا اور فرمایا اس کے پاس ٹھہرے رہو۔ ہم تمہارے پاس سے گزریں گے اگر یہ تمہارے ساتھ جھگڑا کرے تو اس کا سر اڑا دینا

پھر ہم چلے اور وادی کدید میں پہنچے۔ ہم وہاں عصر کے بعد شام کے قریب اترے۔ میرے ساتھیوں نے مجھے ایک ٹیلے کی طرف بھیجا جس سے کہ وہ بستی نظر آتی تھی میں اس پر چڑھ گیا اور یہ غروب

آفتاب سے قبل کا واقعہ ہے (اس بستی والوں) میں سے ایک آدمی نکلا۔ اس نے غور کیا اور مجھے ٹیلے پر لیٹے دیکھا، اپنی بیوی سے کہنے لگا، میں اس ٹیلے پر کچھ سیاہی سی دیکھ رہا ہوں جو میں نے ابتدائے دن میں نہ دیکھی تھی۔ ذرا دیکھنا کوئی کتا برتنوں پر سے نہ گذرا ہو۔ اس نے دیکھا اور کہنے لگی اللہ کی قسم میں نے تو کوئی چیز نہیں دیکھی جو کھوئی گئی ہو، کہنے لگا، ذرا مجھے کمان اور تھیلے سے دو تیر دینا، اس نے اسے تیر دیئے اور اس کے بعد اس نے تیر مارا جو میرے پہلو میں لگا۔ میں نے اسے نکال دیا اور حرکت تک نہ کی۔ پھر اس نے دوسرا تیر مارا جو میرے کندھے میں لگا۔ میں نے اسے بھی نکال دیا اور حرکت بالکل نہ کی۔ وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا، بخدا میرے تیر بے کار گئے، اگر کوئی (جاندار) ہوتا تو ضرور حرکت کرتا۔ صبح کو میرے تیر تلاش کرنا اور دونوں کو لے آنا کہیں انھیں کلاب نہ چبا جائیں۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر ہم ٹھہرے رہے، حتیٰ کہ شام ہوگئی۔ انھوں نے دودھ دوہا، اور خاموشی چھا گئی اور شب کا ایک حصہ گزر گیا۔ پھر ہم نے اچانک ان پر حملہ کر دیا اور بعضوں کو قتل کیا اور چوپائے ہنکائے اور واپس چل پڑے۔ ان کی چیخ پکار قوم تک پہنچی۔ اور ہم تیزی کے ساتھ نکل آئے۔ آخر ہم حرث بن مالک اور اس کے ساتھی کے پاس سے گذرے۔ انھیں بھی ساتھ لیا اور لوگوں کی آوازیں ہم تک پہنچنے لگیں۔ اور وہ ہم تک پہنچ ہی رہے تھے اور ان کے درمیان صرف وادی کا میدان ہی رہ گیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں سے چاہا پانی کا سیلاب بھیج دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ (اس وادی میں) اس سے قبل بارش ہوتی دیکھی ہی نہ تھی۔ اور اب اس قدر سیلاب آیا کہ لوگ اسے عبور نہ کرسکے۔ میں نے انھیں دیکھا کہ وہ ہماری جانب دیکھ رہے تھے اور ان میں سے کوئی بھی آگے بڑھ نہ سکتا تھا۔ اور ہم ڈھلوان پر اتر رہے تھے۔ چنانچہ ہم تیزی سے چلے اور جو کچھ ہمارے قبضہ میں تھا انھیں اس کے حاصل کرنے سے عاجز کر دیا۔

کہتے ہیں کہ یہ سریہ ہی وہ سریہ ہے کہ جسے اللہ تعالےٰ نے قبول فرمایا۔ اور اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے۔

بشیر بن سعدؓ کی مہم

اس کے بعد حسیل بن نویرہؓ حاضر ہوئے۔ یہ خیبر کے علاقہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ کیا خبر ہے؟

انھوں نے کہا کہ یمن، غطفان اور حیان میں میں نے دیکھا کہ ایک لشکر جمع ہے۔

آپ صلعم نے ان کی طرف عیینہؓ کو بھیجا تھا کہ یا تو تم چلے آؤ، یا ہم تمہاری طرف آئیں گے انھوں نے جواب بھیجا کہ تم ہماری طرف چلے آؤ اور وہ آپؐ سے جنگ کرنا چاہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت ابوبکرؓ، اور عمرؓ سے مشورہ فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا کہ بشیرؓ بن سعد کو ارسال فرمایئے آپؐ نے انھیں تین سو آدمیوں کے ہمراہ بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ رات کو چلو اور دن کو چھپ جاؤ۔ حسیلؓ بھی ان کے ہمراہ رہنمائی کے لیے نکلے۔ یہ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔ یہاں تک کہ خیبر کے زیریں علاقہ میں پہنچ گئے اور دشمن کے قریب ہوگئے اور ان کے چوپاؤں پر حملہ بول دیا۔ جب انھیں خبر ہوئی تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ بشیرؓ اپنے اصحاب سمیت بستی میں گئے اور دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ چنانچہ یہ لوگ چوپائے لے کر واپس آگئے۔ بعد میں عیینہؓ نے ان کا ایک مخبر قتل کر دیا، اور دو آدمی گرفتار کر کے مدینہ لے آئے جو مسلمان ہوگئے۔

سریۂ ابی حدرد اسلمی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحدرد اسلمی کو ایک سریہ میں بھیجا۔ اس کا واقعہ ابن اسحٰق نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ جشم بن معاویہ کا ایک آدمی جس کا نام قیس بن رفاعہ یا رفاعہ بن قیس تھا، ایک بھاری جمعیت لے کر آیا اور میدان میں اترا تاکہ قبیلہ قیس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرنے کے لیے جمع کرے۔ یہ آدمی جشم میں نامور اور معروف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور دو مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا کہ اس آدمی کی طرف جاؤ اور اس کی خبر لاؤ۔ آپؐ نے ہمیں ایک نحیف بڑی عمر کی اونٹنی عطا کی۔ ہم میں سے ایک آدمی اس پر سوار ہوا تو خدا کی قسم وہ ضعف کے باعث کھڑی نہ ہوسکی یہاں تک کہ لوگوں نے ہاتھوں کے ساتھ پیچھے سے اسے سہارا دیا تب وہ چلی۔

آپؐ نے فرمایا کہ تم اس سواری پر پہنچ جاؤ گے۔ ہم نکلے، ہمارے ساتھ ہمارے تیر اور تلواریں بھی تھیں۔ غروب آفتاب کے وقت ہم بستی کے قریب پہنچے۔ میں ایک سمت میں چھپ گیا اور ساتھی سے چھپنے کو کہا۔ وہ بھی بستی کے دوسری جانب چھپ گیا۔ میں نے کہا کہ جب تم میری تکبیر سنو، تو تم بھی تکبیر کہو۔ خدا کی قسم ہم اس حالت میں تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ ذرا صبح ہوجائے یا کچھ نظر آنے لگے۔ رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا۔ شہر والوں کے کسی چرواہے نے شب کو آنے میں دیر کر دی تھی۔ یہاں تک کہ انھیں خطرہ لاحق ہوا۔ اس پر ان کا سردار رفاعہ بن قیس کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی تلوار لے کر گلے میں لٹکائی اور کہنے لگا بخدا میں اس چرواہے کے نشانات پر جاؤں گا۔ خدا کی قسم اسے ضرور کوئی گزند پہنچا ہے۔ اس کے چند ساتھی کہنے لگے خدا کے لیے ہمارے بغیر مت جاؤ۔ وہ کہنے لگا، نہیں صرف میں ہی جاؤں گا۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہم بھی تیرے ساتھ چلیں گے۔ اس نے کہا، بخدا تم میں سے کوئی بھی میرے پیچھے نہ آئے۔

پھر وہ نکلا، یہاں تک کہ میرے پاس سے گزرا۔ جب میری زد میں آیا تو میں نے اسے تیر مارا۔ وہ اس کے دل پر لگا۔ واللہ اس نے بات تک نہ کی۔ میں اچھلا اور اس کا سر کاٹ دیا۔ پھر میں نے تکبیر کہی، میرے دو ساتھیوں نے بھی خوب زور سے نعرہ تکبیر لگایا۔ دشمن اتنا دہشت زدہ ہوا کہ اپنی عورتوں بچوں اور ہلکے پھلکے سامان کو لے کر فرار ہوگیا اور ہم نے اونٹوں اور بکریوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو ہنکایا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور اس کا سر بھی میں اپنے ہمراہ اٹھا کر لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان میں سے تیرہ اونٹ مرحمت فرمائے جس سے میں نے اپنے خانہ ان کو بسایا (اس سے قبل) میں نے اپنی قوم کی ایک عورت سے شادی کی تھی اور دو سو درہم اس کا حق مہر رکھا تھا۔ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدد چاہنے کے لیے حاضر ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا تھا میرے پاس (اس وقت کچھ نہیں کہ تیری مدد کر سکوں" میں چند دن ٹھہرا رہا، اس کے بعد اس سریہ کا واقعہ پیش آیا، اور میں مالا مال ہوگیا۔

سریہ ابوقتادہ ومحلم بن جثامہ

نیز آپؐ نے اضم کی طرف ایک سریہ بھیجا۔ اس میں مسلمانوں کے گروہ میں حضرت ابوقتادہؓ اور محلم بن جثامہ بھی شامل تھے اور عامر بن اضبط دودھ کا ایک مشکیزہ لے کر اونٹنی پر سوار اس کے پاس سے گزرا اور انھیں اسلام کے طریق پر سلام کہا، انھوں نے جواب نہ دیا۔ محلم بن جثامہ نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، کیونکہ ان دونوں میں پہلے سے کچھ عداوت سی تھی۔ جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے تو آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی جس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

یا ایھا الذین آمنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومنا تبتغون عرض الحیاۃ الدنیا فعند اللہ مغانم کثیرۃ کذٰلک کنتم من قبل فمن اللہ علیکم فتبینوا ان اللہ کان بما تعملون خبیرا

یعنی "اے ایمان والو، جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کرو اور مت کہو جو شخص تمہاری طرف سلام علیک کرے، کہ تو مسلمان نہیں، چاہتے ہو مال دنیا کی زندگی کا تو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں۔ تم ایسے ہی تھے پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب تحقیق کرو، اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔"

واپسی پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپؐ نے فرمایا، کہ تو نے آمنت باللہ (میں اللہ پر ایمان لایا) کہنے کے بعد اسے قتل کر دیا؟

خیبر کے سال عیینہ بن بدر حاضر ہوا اور عامر بن اضبط اشجعی کا دم طلب کیا۔ یہ قیس کا سردار تھا۔ اقرع بن حابس خلم کی جانب سے تحفظ کر رہا تھا اور یہ خندف کا سردار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کے لوگوں سے فرمایا کیا تم اب ہم سے پچاس اونٹ لے لوگے اور جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو پچاس پھر دے دیں گے ؟

عیینہ بن بدر نے جواب دیا، اللہ کی قسم میں اسے ہرگز اس دن تک نہ چھوڑوں گا جب تک کہ اس کی عورتوں کو بھی وہی تکلیف نہ پہنچا دوں جو اس نے میری عورتوں کو پہنچائی ہے۔ اس طرح کافی بحث مباحثہ کے بعد یہ لوگ دیت پر رضامند ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کا سریہ

صحیحین میں حضرت سعیدؓ بن جبیر سے انھوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا، فرمایا کہ یہ آیت یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، حضرت عبداللہؓ بن حذافہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک سریہ میں بھیجا۔ نیز صحیحین میں اعمشؓ کی حدیث سے بھی ثابت ہے۔ انھوں نے سعید بن عبیدہ سے انھوں نے ابو عبدالرحمٰن سلمی سے، انھوں نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سریہ میں ایک انصاری آدمی کو امیر بنایا اور حکم دیا کہ اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ انھوں نے امیر کو کسی بات میں ناراض کر دیا، امیر نے کہا، لکڑیاں جمع کرو۔ انھوں نے لکڑیاں جمع کر دیں۔ پھر کہنے لگا، آگ جلاؤ انھوں نے آگ جلائی، پھر کہنے لگا :

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہ دیا تھا کہ میرا حکم سنو اور اطاعت کرو۔

انھوں نے جواب دیا، ہاں کہا تھا۔

اس پر وہ بولا، اس آگ میں کود پڑو۔

راوی کہتے ہیں، پھر انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہنے لگے کہ ہم آگ سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے۔ اتنے میں امیر کا غضب بھی ختم ہو گیا اور آگ بھی بجھ گئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے تو اس کا تذکرہ ہوا۔

آپؐ نے فرمایا، اگر تم اس میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نہ نکلتے۔ اطاعت امیر صرف معروف میں ہے۔

امیر کی اطاعت کے حدود و شرائط

یہ (امیر) عبداللہ بن حذافہ سہمی تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اگر وہ آگ میں داخل ہوجاتے تو وہ اپنے خیال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے داخل ہوتے گویا از روئے تاویل وہ مخلص سمجھے جاتے اس لیے جہنم میں وہ دائمی طور پر کیسے رہ سکتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آگ میں اپنے آپ کو ڈالنا معصیت ہے۔ اس لیے خودکشی کرنے کی پاداش میں وہ ہمیشہ اس میں رہتے، کیونکہ خالق کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں اور اطاعتِ امیر سے آگ میں داخل ہونا اللہ اور اس کے رسول کی معصیت ہوگی۔ اس طرح یہ اطاعت ہی سزا کا متوجب ہوجاتی۔ کیونکہ یہ حرکت خود ہی معصیت کی حیثیت رکھتی ہے، اور اگر داخل ہوجاتے تو گویا اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان ہوتے۔ اس آدمی کے متعلق جو خودکشی کرے ایسا حکم ہے تو جو آدمی دوسرے مسلمان کو امیر یا بادشاہ کے حکم سے ناجائز ایذا دے اس کے (خبث یا عذاب) کی کیا حالت ہوگی؟ (اور آگ میں کودنا اگر اس طرح ناجائز ہے) تو ایسے بازی گروں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو آگ میں کود جاتے ہیں اور جہلا سمجھتے ہیں کہ یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی میراث ہے اور سمجھتے ہیں کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی، اسی طرح ان پر بھی بردًا و سلامًا بن جائے گی اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ حالِ رحمانی میں آگ کے اندر کودے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ حالِ شیطانی میں داخل ہوئے کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ یہ بازی گر ایک خاص قسم کا لباس استعمال کرتے ہیں اور لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اولیاء الرحمٰن میں سے ہیں، حالانکہ وہ اولیاء شیطان میں سے ہیں۔

عمرۂ قضا

نافع رض فرماتے ہیں کہ ۷ھ ذی قعدہ کے مہینے میں یہ عمرہ کیا گیا، سلیمان تیمی فرماتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس آئے۔ انھوں نے سرایا بھیجے اور مدینہ میں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ذی قعدہ کا چاند نکل آیا۔ پھر آپ نے لوگوں کو نکلنے کا حکم دیا۔ موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ پھر حدیبیہ سے اگلے سال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷ھ ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کے لیے نکلے۔ یہی وہ مہینہ تھا جس میں مشرکین نے آپ کو مسجد حرام کی زیارت سے روکا تھا۔ پھر آپ نے تمام جنگی ہتھیار، تیر، نیزے وغیرہ اتار دیئے اور صرف تلواروں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا، اپنے کندھوں کو کھول دو اور طواف میں سعی کرو۔ تاکہ مشرکین قوت وسطوت کا مظاہرہ دیکھ لیں اور آپ حسب امکان ان کے سامنے مظاہرہ قوت کرتے رہے۔ چنانچہ مکہ کے مرد عورتیں اور بچے جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو دیکھنے لگے۔ یہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلوار سونتے رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے:-

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ	قد انزل الرحمٰن فی تنزیلہ
کفار کی اولاد کو ان کی راہ سے ہٹا دو	رحمٰن نے اسے قرآن میں نازل فرمایا ہے
فی صحف تتلیٰ عن رسولہ	یارب انی مومن بقیلہ
ان صحیفوں میں جو اس کے رسول پر پڑھے جاتے ہیں	اے پروردگار میں اس کے زمان پر ایمان لایا
ضربا یزیل الھام عن قیلہ	ویذھل الخلیل عن خلیلہ
ایسی ضرب جو گردن کو جدا کردے	اور دوست کو دوست سے الگ کردے

اور مشرکین کے بعض لوگ آپ کو سخت غصے اور غیظ کے عالم میں دیکھ رہے تھے۔

حضرت میمونہ سے آپ کا نکاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک مکہ میں قیام فرمایا، چوتھے روز صبح کو آپ کے پاس سہیل بن

عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ آئے۔ آپؐ انصار کی مجلس میں حضرت سعدؓ بن عبادہ سے گفتگو فرما رہے تھے کہ حویطب چلایا اور کہنے لگا ہم اللہ اور عہد کا واسطہ دیتے ہیں کیا تم ہماری سرزمین سے نہیں رخصت ہوگے؟ حالانکہ تین دن گذر چکے ہیں۔

سعدؓ بن عبادہ نے کہا، بدبخت تو نے جھوٹ بولا۔ زمین نہ تیری ہے اور نہ تیرے آباد اجداد کی ہے۔ اللہ کی قسم ہم نہیں نکلیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویطب یا سہیل کو خطاب کر کے فرمایا، میں نے ایک خاتون سے شادی کی ہے کیا دلیمہ تک نہ ٹھہر جاؤں؟ ہم بھی کھائیں اور تم بھی کھاؤ، اس میں تمہارا کوئی نقصان بھی نہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم تجھے اللہ اور وعدہ کا واسطہ دیتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ کیا تو ہمارے یہاں سے نہ جائے گا؟ (چونکہ معاہدہ حدیبیہ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ مسلمان اگلے سال آئیں گے اور تین روز رہ کر چلے جائیں گے اس لیے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رافعؓ کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور آپؐ بھی سوار ہوگئے یہاں تک کہ آپ مقام سرف پر اترے اور وہاں ٹھہرے اور ابو رافعؓ حضرت میمونہؓ کو لانے کے لیے پیچھے رہ گئے آپؐ وہاں اقامت پذیر رہے تا آنکہ حضرت میمونہؓ اور ان کے ساتھ کے لوگ بھی آگئے، ان جہلا مشرکین اور ان کے بچوں سے انھیں از حد اذیتیں پہنچیں پھر آپؐ نے سرف میں خیمہ لگوایا۔ آپؐ نے ملاقات کی۔ اس کے بعد کوچ کیا اور مدینہ پہنچ گئے اور اللہ کی تقدیر دیکھیے کہ حضرت میمونہؓ کی قبر بھی اسی جگہ بنی جہاں کہ سرف کے مقام پر آپؐ نے خیمہ لگوایا تھا۔

کیا حالت احرام میں نکاح ہو سکتا ہے؟

اور حضرت ابن عباسؓ کا قول کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ احرام میں حضرت میمونہؓ سے نکاح فرمایا اور خیمہ لگوایا تو آپؐ غیر محرم تھے۔ یہ ثابت نہیں ہے اور اسے وہم سمجھا گیا ہے۔

یزید بن اصم حضرت میمونہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا، جب ہم دونوں سرف میں غیر محرم تھے (مسلم)

اور حضرت ابو رافعؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال ہونے کی حالت میں حضرت میمونہؓ سے نکاح فرمایا اور مکان یا خیمہ بنوایا تو بھی آپؐ حلال تھے، اور میں دونوں کے درمیان قاصد تھا۔ یہ ان سے صحیح روایت میں مروی ہے۔

سعیدؓ بن مسیب فرماتے ہیں کہ عبداللہؓ بن عباس جو سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ احرام میں حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے تو

حل اور نکاح ایک ہی وقت میں ہوئے، جس وجہ سے انھیں تو شبہ ہوگیا کہ آپؐ نے احرام سے قبل نکاح کیا۔ یہ بات محل ہے، سوا اس کے کہ انھیں احرام سے قبل اس کا وکیل بنایا گیا ہوگا اور میں سمجھتا ہوں کہ شافعیؒ نے بھی اس کے متعلق ایک قول ذکر کیا ہے۔ اب اقوال تین ہیں۔

ایک یہ کہ آپؐ نے عمرہ سے حلت کے بعد نکاح فرمایا۔ یہ خود حضرت میمونہؓ اور ان دونوں کے درمیان قاصد حضرت ابورافعؓ کا قول ہے۔ نیز حضرت سعید بن مسیب اور جمہور محدثین کا یہی قول ہے۔

دوسرا یہ کہ آپؐ نے حالتِ احرام میں نکاح کیا۔ ابن عباسؓ، اہل کوفہ اور ایک گروہ کا یہی خیال ہے۔

تیسرا یہ کہ آپؐ نے ان سے احرام سے قبل نکاح فرمایا۔ صحیح مسلم میں حضرت عثمانؓ بن عفان سے منقول ہے انھوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ محرم نہ نکاح کرے۔ نہ نکاح کرائے اور نہ منگنی کرے" اب اگر قول اور فعل کو متعارض تسلیم کرلیا جائے تو قول کو مقدم سمجھا جائے گا کیونکہ فعل تو برأت اصلیہ کے مطابق ہوتا ہے اور قول اس کا ناقل ہوتا ہے۔

حضرت حمزہؓ کی بچی کی تولیتؒ پر جھگڑا

تمام قریبی عزیزوں اور رشتے داروں پر خالہ کو ترجیح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی بنت عم | حب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت حمزہؓ کی بچی ان کے پیچھے چل پڑی اور آوازیں دینے لگی، چچا، چچا۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اسے گود میں اٹھالیا۔ اور حضرت فاطمہؓ سے کہا تمہارے چچا کی بیٹی ہے۔

انھوں نے اسے اٹھالیا۔ اس پر حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت زید رضی اللہ عنہم نے نزاع کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اسے اٹھایا تھا اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے مزید برآں اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ فرما دیا اور فرمایا خالہ ماں کی قائم مقام ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ سے فرمایا۔

"تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ اور حضرت جعفرؓ سے فرمایا کہ تو شکل اور اخلاق میں میرے مشابہ ہے۔ اور حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولا ہے۔

اس کی صحت پر اتفاق ہے۔ اس واقعہ میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ والدین کے بعد حضانت کے زمانہ میں خالہ تمام اقارب پر فوقیت رکھتی ہے اور اگر عورت بچے کے قریبی سے نکاح کرے تو اس کی حضانت ساقط نہیں ہوتی۔ اس واقعہ میں لوگوں کے لیے استدلال ہے جنھوں نے چچی پر خالہ پر اور باپ کا

قرابت پر ماں کی قرابت کو مقدم سمجھا ہے کیونکہ آپؐ نے بھی بچی کی خالہ کے حق میں ہی فیصلہ دیا۔ حالانکہ اس وقت اس کی چچی حضرت صفیہؓ وہیں موجود تھیں۔ امام شافعیؒ۔ مالکؒ۔ ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمدؒ سے دوسری روایت بھی منقول ہے جس میں انھوں نے چچی کو خالہ پر مقدم بتایا ہے اور ہمارے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس سرہ کا یہی مسلک ہے۔ اس طرح باپ کی جانب سے عورتیں ماں کی جانب کی عورتوں پر مقدم ہوں گی، کیونکہ اصل میں بچے کی ولایت باپ کے لیے ہے اور ماں کو مصلحتِ طفل اور تربیت و شفقت کی خاطر ترجیح دی گئی اور اس معاملہ میں مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں لیکن جب معاملہ محض عورتوں یا محض مردوں پر پڑے تو اس وقت باپ کی قرابت ماں کی نسبت مرجوع ہوگی، جیسے ہر مرد سے باپ اول ہوتا ہے۔ اور یہی قوی قول ہے اور حضرت زیدؓ کا یہ فرمانا کہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ ان کا مطلب اس اخوت سے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت حمزہؓ کے درمیان قائم کیا تھا۔ جب آپؐ نے اخوت قائم فرمائی۔

صحابہؓ کے درمیان مواخات یعنی بھائی چارہ

آپؐ نے اپنے صحابہؓ کے درمیان دوبار مواخات قائم کی۔ ایک بار ہجرت سے قبل صرف مہاجرین میں حق و مواسات پر مواخات قائم کی۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان۔ حضرت حمزہؓ اور زید بن حارثہ کے درمیان۔ حضرت عثمانؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے درمیان۔ حضرت زبیرؓ اور ابن مسعودؓ کے درمیان۔ حضرت عبیدہؓ بن حارثؓ اور بلالؓ کے درمیان۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر اور سعد بن ابی وقاص کے درمیان۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور سالمؓ مولیٰ ابوحذیفہ کے درمیان۔ حضرت سعیدؓ بن زید اور طلحہؓ بن عبید اللہ کے درمیان۔ اور دوسری بار مدینہ تشریف لانے کے بعد حضرت انسؓ بن مالک کے گھر میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی۔

ایک فقہی بحث

اس عمرہ کو عمرہ قضاء کہنے میں اختلاف ہے۔ کیا یہ اس عمرہ کی قضاء تھی جس سے آپؐ کو روکا گیا تھا، یا یہ عمرہ مقاضاہ تھا؟

واقدیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عبداللہؓ بن نافع کے انھیں اپنے والد محترم سے انھیں حضرت ابن عمرؓ سے روایت پہنچی کہ یہ عمرۂ قضاء نہ تھا، بلکہ یہ مسلمانوں پر شرط میں آیا تھا کہ وہ اس مہینے میں جس میں مشرکین نے انھیں روکا ہے۔ عمرہ کریں گے (اور تین روز قیام کریں گے) اس لیے اس کے

متعلق فقہاء کے چار اقوال ملتے ہیں۔

ایک یہ کہ جسے عمرہ سے روک دیا جائے۔ اس پر ہدی اور قضائے عمرہ لازم ہے۔ امام احمدؒ سے مروی دو روایات میں سے ایک یہ ہے، بلکہ زیادہ اشتہر روایت یہی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہدی واجب ہے اور قضاء واجب نہیں۔ یہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مسلک ہے اور امام احمدؒ سے ابوطالب کی ایک روایت کے مطابق ان کا بھی یہی مذہب ہے۔

تیسرا قضائے عمرہ لازم ہے لیکن ہدی لازم نہیں، یہ ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

چوتھا، نہ اس پر قضائے عمرہ ہے اور نہ ہدی لازم ہے۔ امام احمدؒ سے مروی ایک قول یہ بھی ہے۔

محصر کی قربانی

ایک اہم اور تحقیقی مسئلہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا گیا تو حالتِ حصر میں آپؐ کا نحر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ محصر کو حصر کے وقت قربانی کرنا چاہیے۔ اگر عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو اس صورت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور اگر مفرد یا قارن ہو تو اس میں دو قول ملتے ہیں ایک یہ مسئلہ حسب مذکورہ ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ یہ دو قربانیوں میں سے ایک ہے۔ جب اس سے حل جائز ہوا تو عمرہ کی طرح وقتِ حصر قربانی بھی جائز ہے کیونکہ عمرہ فوت نہیں ہوتا۔ اور آئندہ تمام زمانہ اس کے لیے وقت ہے۔ پھر جب اس سے حل جائز ہوا اور اس کے فوت کے خطرہ کے بغیر قربانی کرلی تو حج جس کے فوت کا خطرہ بھی ہے، اس میں قربانی بطور اولیٰ جائز ہے۔ امام احمدؒ نے ایک روایت میں فرمایا ہے، کہ اسے چاہیے کہ یوم النحر تک نہ حلال ہو اور نہ ہی نحر کرے۔ اس کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ ہدی کے لیے ایک مخصوص زمانہ اور مکان ہے۔ مگر جب وہ مخصوص مکان میں ادا کرنے سے عاجز آ گیا، تو اس سے مخصوص زمانہ کا محل ساقط نہ ہوگا جب کہ وہ مخصوص وقت اور زمانہ میں اسے ادا کر سکتا ہے۔ اس قول کی بنا پر اسے یوم النحر سے قبل حلال ہونا جائز نہیں، کیونکہ فرمان یہ ہے کہ :-

لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۔ یعنی "اور حجامت نہ کرو، سر کی، جب تک پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر۔"

عمرہ میں محصر حلال ہو سکتا ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نحر اور حل اس بات کی دلیل ہے کہ عمرہ میں محصر حلال ہو سکتا ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ عمرہ کرنے والے کو حلال نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس کے

فوت ہونے کا کچھ خطرہ نہیں۔

امام مالکؒ سے اس قول کی صحتِ نسبت بعید سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ آیت حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہؓ عمرے کا احرام باندھے تھے۔ پھر سب نے احرام اتار دیا۔ اور اس باب میں اہل علم کے اندر کسی کو شک نہیں۔

محصر کہاں نحر (قربانی) کر سکتا ہے؟

حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذبیحہ کے بارے میں سمجھنا چاہیے کہ یہ بالاتفاق حلال ہونے کے بعد ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محصر حل یا حرم میں جہاں بھی اسے حصر واقع ہو نحر کر سکتا ہے۔ جمہور علمائے کرام۔ احمدؒ۔ مالکؒ اور شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

دوسری روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ محصر کو صرف حرم کے اندر قربانی کرنے کی اجازت ہے۔ اسے چاہیئے کہ وہ ہدی کو حرم میں بھیجے اور ایک آدمی کو حلال ہونے کے وقت حرم میں جا کر نحر کرنے پر مقرر کرے۔ ابن مسعودؓ۔ تابعین کی ایک جماعت اور ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے یہ قول اگر ان سے صحیح ہے تو اسے مخصوص حصر پر قیاس کیا جائے گا۔ وہ یہ کہ کوئی ظالم کسی جماعت یا فرد کو روک دے۔ رہا حصرِ عام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس کے خلاف پائی جاتی ہے۔ مقام حدیبیہ تمام لوگوں کے اتفاق رائے سے حل میں شامل ہے۔ امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جگہ کچھ حل میں اور کچھ حرم میں شامل ہے۔ میں کہتا ہوں، کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اس کے اطراف حرم میں ہیں ورنہ یہ جگہ باتفاق حل میں ہے اور اصحاب احمدؒ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حرم کے کسی حصہ میں جا سکنے کی قوت رکھتا ہو تو کیا اسے وہیں جا کر نحر لازم ہوگا؟ یا نہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یہ لازم نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف حرم پر قدرت رکھتے ہوئے بھی حل میں نحر کیا۔

غزوہ موتہ، شہادت کا شوق فراواں

خدا کے راستے میں جان دینے والوں کی جرأت اور بے خوفی

یہ علاقہ ارض شام میں بلقاء کے قریب واقع ہے یہ غزوہ ۸ھ جمادی الاول میں ہوا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو لہب کے ایک آدمی حوث بن عمیر ازدی کے ہاتھ شام کی طرف شاہ روم یا حاکم بصریٰ کی طرف ایک نامہ مبارک روانہ فرمایا۔ شرجیل بن عمرو غسانی نے قاصد کو گرفتار کر لیا اور اسے باندھ دیا۔ پھر آگے بڑھ کر اس کی گردن مار دی۔ اس قاصد کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قاصد قتل نہیں کیا گیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپ نے فوج کا ایک دستہ روانہ کیا اور زید بن حارثہؓ کو امیر مقرر فرما دیا اور فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب کو امیر بنا لینا۔ اگر جعفرؓ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ کو امیر بنا لینا۔ چنانچہ لوگ تیار ہوئے ان کی تعداد تین ہزار تھی۔ جب کوچ کا وقت آیا تو لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ امیروں کو الوداع کہا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رو پڑے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں، کہنے لگے: اللہ کی قسم مجھے نہ دنیا کی محبت ہے اور نہ تم سے لگاؤ۔ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اللہ کی یہ آیت پڑھتے سنا جس میں نار کا ذکر آتا ہے کہ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا۔ یعنی اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر۔ ہو چکا تیرے رب پر ضرور مقرر۔ اس لیے مجھے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ ہم داخل ہونے کے بعد کیسے نکلیں گے؟ مسلمانوں نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے اور تم سے (آگ) دور کرے اور تمہیں ہماری طرح صالح حالت میں لوٹائے۔

عبداللہؓ بن رواحہ نے جواب میں چند اشعار پڑھے جس کا مطلب یہ تھا کہ میں اللہ سے بخشش کا طالب ہوں۔ پھر یہ لشکر چل پڑا۔ آخر معان میں اترے تو پتہ چلا کہ ہرقل بلقاء میں ایک لاکھ رومی فوج لے کر ڈیرے ڈالے ہے اور لخم، جذام، بلقین۔ بہرا اور بلی کے تمام لوگوں کو اس نے ساتھ ملا لیا ہے۔

جب مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی تو یہ معان میں دو راتیں پڑے رہے اور اس معاملہ پر غور کرتے رہے اور کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی تعداد کی اطلاع دیتے ہیں۔ تاکہ یہ یا تو مزید فوج ارسال فرمائیں یا کوئی حکم دیں اور ہم اس پر عمل کریں۔

یا فتح یا شہادت

اتنے میں حضرت عبداللہ بن رواحہ نے لوگوں کو ہمت دلائی اور کہا اے لوگو! اللہ کی قسم جس بات سے تم گریزاں ہو اس کے لیے نکلے ہو۔ تم شہادت کے طالب بن کر آئے ہو اور ہم تعداد اور کثرت کے بھروسہ پر جنگ نہیں کرتے بلکہ اس دین کی خاطر برسر پیکار ہیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شرف بخشا۔ اس لیے دو نیکیوں میں سے ایک ضرور حاصل ہوگی، یا فتح یا شہادت!

چنانچہ لوگ چل پڑے اور جب بلقاء میں پہنچے تو ایک بستی جس کا نام مشارف تھا وہاں انہیں ایک جتھہ ملا۔ اب دشمن بھی قریب تھا۔ مسلمان موتہ کی طرف بڑھے۔ وہاں (دشمن) سے ملاقات ہوئی اور جنگ برپا ہوئی۔

حضرت زید بن حارثہ کی شہادت

(اس جنگ) میں حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھ میں جھنڈا تھا وہ جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ دشمنوں کے نیزوں کی زد میں آگئے اور شہید ہوگئے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب کی بے نظیر بہادری

پھر حضرت جعفر نے جھنڈا اٹھا لیا اور جنگ کی جب گھمسان کا رن پڑا تو گھوڑے سے اتر آئے وہ زخمی ہوگیا تھا چنانچہ انہوں نے پاپیادہ مقاتلہ کیا آخر وہ بھی شہید ہوگئے اسلام میں حضرت جعفرؓ پہلے آدمی ہیں جن کا گھوڑا جنگ کے موقع پر زخمی ہوا ان کا دایاں بازو کٹ گیا تو انہوں نے بائیں ہاتھ میں جھنڈا اٹھا لیا پھر بایاں بھی کٹ گیا تو انہوں نے سینہ سے لگا لیا یہاں تک کہ شہادت پاگئے۔ ان کے بدن پر زخموں کے تینتیس ۳۳ نشانات تھے۔

اب حضرت عبداللہ بن رواحہ آگے بڑھے یہ گھوڑے پر سوار تھے اور گھوڑے سے اترتے وقت کچھ تردّد کرنے لگے، آخر اتر آئے۔ ان کا چچازاد بھائی ایک گوشت کا ٹکڑا لے آیا۔ اور کہنے لگا اسے کھا کر ذرا کمر کو مضبوط کر لو، کیونکہ ان دنوں آپ کو کافی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ انہوں نے اسے ہاتھ میں لے لیا اور اور ایک ٹکڑا دانتوں سے کاٹا، پھر ایک طرف لوگوں کا شور و غل سنا۔ اور کہا تو دنیا میں مصروف ہے، یہ کہہ کر اسے پھینک دیا، تلوار اٹھائی آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

امارت خالد بن ولید کے ہاتھ میں

ان کے بعد حضرت زیدؓ بن ارقم نے جھنڈا اٹھا لیا جو بنی عجلان کے بھائی تھے اور کہنے لگے اے مسلمانو! ایک آدمی پر اتفاق کر لو، انہوں نے کہا کہ تم ہی (امیر بن جاؤ) انہوں نے کہا میں امیر نہیں بنوں گا۔ لوگوں نے خالدؓ بن ولید پر اتفاق کر لیا۔ جب خالد نے جھنڈا لیا تو انہوں نے قوم کو پیچھے ہٹا لیا اور لوگوں کو لے کر میدان سے ایک طرف ہو گئے۔

ابنِ سعد نے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کی شکست ہو گئی اور صحیح بخاری میں ہے کہ اہلِ روم کو شکست ہوئی اور صحیح وہ ہے جو ابنِ اسحاقؒ نے کہا ہے کہ ہر فریق دوسرے سے علیحدہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی تمام واقعات کی خبر کر دی۔

موسیٰؒ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ حضرت یعلیٰؓ بن سنیہ اہل موتہ کی خبر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہے تو مجھے اطلاع دے اور اگر چاہے تو میں خود بتا دوں۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپؐ بتا دیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام واقعات بتا دے اور تمام حالات کی خبر دے دی۔ اور کہنے لگے اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپؐ نے ایک بات بھی نہیں چھوڑی، جس کا تذکرہ نہ کیا ہو۔ اور واقعات اس طرح ہیں جیسے آپؐ نے بیان فرمائے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے زمین بیش کر دی گئی۔ یہاں تک کہ میں نے ان کا معرکہ ہوتے دیکھا اور اس دن جعفرؓ، زیدؓ بن حارثہ، عبداللہؓ بن رواحہ، مسعودؓ بن اوس، وہبؓ بن سعد بن ابی سرح، عباد بن قیس، حارثہؓ بن نعمان، سراقہ بن عمرو بن عطیہ

عمرو بن زید کے دونوں بیٹوں ابو کلیب رضؓ جابر رضؓ اور سعد بن حرث کے دونوں بیٹوں عامر رضؓ اور عمرو وغیرہ نے شہادت پائی۔

عبداللہ بن رواحہ رضؓ کے ابیات

ترمذیؒ وغیرہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن رواحہ آپؐ کے سامنے ابیات پڑھ رہے تھے: خلوا بنی الکفار عن سبیلہ

لیکن یہ وہم ہے کیونکہ ابن رواحہ رضؓ تو اس غزوہ میں شہید ہو گئے تھے اور یہ غزوہ فتح مکہ سے چار ماہ قبل پیش آیا تھا۔

غزوہ ذات السلاسل

یہ وادی قری کے آگے ہے۔ "سین" مضموم اور مفتوح دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے اس کے اور مدینہ کے درمیان دس دن کی مسافت کا فاصلہ ہے یہ غزوہ جمادی الآخرہ ۸ھ میں ہوا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قضاعہ کی ایک جماعت اکٹھی ہو کر اطراف مدینہ کی طرف بڑھنا چاہتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ بن عاص کو بلایا اور انہیں ایک سفید جھنڈا دیا، ایک اور جھنڈا ساتھ کر دیا اور انہیں مہاجرین وانصار کے تین سو سواروں کے ہمراہ بھیجا ان کے پاس تیس گھوڑے بھی تھے اور حکم دیا کہ بلی، عذرہ اور بلقین کے جو لوگ بھی گزریں ان کا تعاون بھی حاصل کر لیا جائے۔ چنانچہ یہ لوگ دن کو چھپ جاتے اور رات کو سفر کرتے۔ جب دشمن کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے رافع بن مکیث جہنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مزید کمک کے لیے درخواست بھیجی۔ آپؐ نے ابو عبیدہؓ بن جراح کو دو سو آدمیوں کے ہمراہ روانہ فرمایا اور انہیں بھی ایک جھنڈا عنایت کیا اور بڑے بڑے مہاجرین وانصار روانہ کیے جن میں ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی تھے اور انہیں حکم دیا کہ عمروؓ سے جا ملیں اور اتحاد قائم رکھیں، اختلاف نہ کریں۔

بے نفسی اور بے لوثی

جب یہ دستہ پہنچا تو ابو عبیدہؓ بن جراح نے امامت کرنا چاہی عمروؓ نے کہا کہ آپؐ کو میری مدد کے لیے بھیجا گیا ہے۔ امیر تو میں ہوں۔ ابو عبیدہؓ نے ان کی اطاعت کر لی۔ چنانچہ عمروؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے اور برابر بڑھتے رہے، یہاں تک کہ قضاعہ کے علاقے کو روندتے ہوئے آخری حصہ میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک اور لشکر سے مڈبھیڑ ہوئی، مسلمانوں نے اس پر بھی حملہ کیا۔ دشمن شہروں کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور منتشر ہو گیا۔

پھر عوف بن مالک اشجعی کو صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نامہ بر بنا کر بھیجا گیا۔ انہوں نے آپؐ کو

خبر دی کہ مسلمان فتح و ظفر کے ساتھ واپس لوٹ رہے ہیں اور جنگ کے تمام حالات (عرض کیے)
ابنِ اسحاقؒ نے بتایا ہے کہ جذام کے علاقہ میں چشموں پر اترنے کے باعث جسے سلسال کہا جاتا ہے
اس غزوے کو ذات السلاسل کا نام دیا گیا۔

عمرو بن عاص کا اجتہاد

اس غزوے میں امیرِ لشکر حضرت عمرو بن عاصؓ کو بدخوابی ہوئی۔ یہ سخت جاڑے کی رات تھی پانی سے انہیں جان کا خطرہ لاحق ہوا۔ اس لیے انہوں نے تیمم کر لیا اور اپنے اصحاب کو نماز پڑھا دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

اے عمروؓ تو نے اپنے اصحاب کو حالتِ جنابت میں ہی نماز پڑھا دی؟ انہوں نے غسل کی رکاوٹ کا تذکرہ کیا اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۔ یعنی: "اور اپنے آپ کو قتل مت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔" اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور کچھ نہ کہا۔

اس واقعہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے، جن کا قول ہے کہ تیمم رافع حدث نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تیمم کے بعد بھی جنب کا ہی نام دیا اور جنہوں نے ان سے نزاع کیا ہے۔

انہوں نے تین جواب دیے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ جب صحابہؓ نے شکایت کی تو عرض کیا کہ انہوں نے ہمیں نماز پڑھا دی جبکہ یہ جنبی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا اور فرمایا: کیا تم نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، حالانکہ تم جنبی تھے؟ آپ نے یہ سوالیہ طور پر کلام فرمایا، جب انہوں نے عذر پیش کیا اور بتایا کہ میں نے اس ضرورت کے باعث تیمم کر لیا تھا تو آپ نے اسے قبول کر لیا۔

(۲) دوسرے یہ کہ روایت میں اختلاف ہے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے غسل کیا اور نماز کے لیے وضو کیا۔ پھر نماز پڑھائی اور یہ روایت تیمم کی روایت سے زیادہ قوی ہے۔ عبدالحق نے بتایا ہے کہ یہ (وضو کی) روایت پہلی سے زیادہ متصل ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ کے ترک غسل میں فقاہت معلوم کرنے کی غرض سے دریافت فرمایا اور جب انہوں نے جواب دیا کہ میں نے فلاں ضرورت کے باعث تیمم کیا تھا تو آپ نے انکار نہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمروؓ نے سردی

سے ہلاکت کے باعث تیمم کرنے اور تیمم سے نماز پڑھانے کا جو فعل کیا وہ جائز تھا۔ لہٰذا اس کے عامل پر اعتراض نہ کیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ آپؐ نے ان کی فقاہت اور علم کی خاطر استفسار فرمایا تھا۔

سریۂ خبط

اس سریہ کے امیر ابو عبیدہؓ بن جراح تھے۔ یہ ۸ھ رجب میں درپیش آیا۔

صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین سو سواروں کے ہمراہ بھیجا۔ ہمارے امیر ابو عبیدہؓ بن جراح تھے۔ ہم قریش کے ایک قافلے کا پیچھا کر رہے تھے کہ ہمیں سخت بھوک لگی۔ ایک آدمی نے تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کیے۔ اس کے بعد ابو عبیدہؓ نے منع کر دیا۔ اس کے بعد سمندر نے ہماری طرف ایک جانور پھینکا۔ جسے عنبر کہتے ہیں۔ ہم نے نصف ماہ تک اس کا گوشت کھایا اور اس کا تیل استعمال کیا حتیٰ کہ ہمارے بدن اس سے مضبوط اور قوی ہو گئے۔ ابو عبیدہ نے اس کی ایک پسلی پکڑ لی۔ اور لشکر کے سب سے طویل آدمی اور طویل اونٹ کو دیکھا اور اس پر لاد دی اور اس کے نیچے سے گزرے۔ ہم نے اس کے گوشت کا ایک حصہ زادِ سفر کے لیے بھی لے لیا۔ جب ہم مدینہ واپس پہنچے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔

آپ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رزق کی صورت پیدا کی۔ کیا تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت ہے جو تم ہمیں بھی کھلا دو؟ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا، آپ نے اُسے تناول فرمایا۔

اس واقعہ سے متعلق احکامات فقہ

اس سے شہر حرام میں جواز قتال کا پتہ چلتا ہے اگر اس کی تاریخ محفوظ طور پر رجب میں ہو اور ظاہر طور پر یہ وہم ہے۔ ویسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ نہیں کہ یہ غزوہ شہر حرام میں ہوا ہو۔ اور نہ آپ نے اس ماہ میں اچانک حملہ کیا اور اس میں کوئی سریہ بھیجا اور مشرکین نے علاء بن حضرمی کے واقعہ کے متعلق اوائل رجب میں قتال پر مسلمانوں کو عار دلائی اور کہا کہ محمدؐ نے شہر حرام کو حلال کر لیا۔ اس پر تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

یسألونك عن الشھر الحرام قتال فیه قل قتال فیه کبیر (الآیۃ) اور یہ حکم کسی نص سے منسوخ نہیں ہوا اور نہ ہی امت کا اس کے نسخ پر اجماع ہے اور اشہر حرام میں حرمت قتال پر اس آیت سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔

فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم: یعنی: بس جب گزر جائیں حرمت کے مہینے تو مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی تم ان کو پاؤ اس میں کوئی حجت نہیں، کیونکہ یہاں اشہر حرم دراصل اشہر سفر ہیں، جن میں مشرکین مامون ہو کر زمین پر چلتے پھرتے ہیں اور ان کی ابتداء دسویں ذی الحجہ سے اور انتہاء دسویں ربیع الثانی پر ہوتی ہے۔

نیز اس غزوہ سے یہ حکم بھی نکلتا ہے کہ تکلیف کے وقت درخت کے پتے کھانے جائز ہیں۔ نیز زمین کی جڑی بوٹیوں کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام اور امیر لشکر کو اجازت ہے کہ سواریوں کے جانور ذبح کرنے کی ممانعت کر دی۔ اگرچہ کھانے کی ضرورت ہو۔ اس خطرہ کے پیش نظر کہ دشمن کے مقابلہ پر ان کی ضرورت ہوگی اور اس ممانعت میں امیر کی اطاعت لشکر پر واجب ہے۔

نیز اس میں سمندر کے مردار کے کھانے کا جواز بھی نکلتا ہے اور یہ مردار حرمت علیکم المیتۃ والدم کی آیت کے تحت نہیں آتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے: احل لکم صید البحر وطعامہ متاعاً لکم یعنی: حلال کیا گیا تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے نفع کے لیے۔

اور صحیح روایت میں حضرت ابوبکر صدیق اور عبداللہ بن عباس اور صحابہ کی ایک جماعت رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ صید البحر سے مراد جو اس سے شکار کیا جائے اور طعامہ سے مراد جو جاندار اس میں مر جائے۔

اور سنن میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع اور موقوف روایت ہے کہ ہمارے لیے دو مردے اور دو خون حلال ہیں۔ مردوں میں مچھلی اور مکڑی اور خون میں جگر اور تلی شامل ہیں۔ (حدیث حسن)

اجتہاد حیات نبوی میں

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی اجتہاد کو نہ صرف جائز رکھا گیا بلکہ اس پر عمل درآمد ہوا لیکن یہ معاملہ اس وقت ہوگا جب نص موجود نہ ہو اور حقیقتاً اجتہاد کی ضرورت درپیش ہو اور

حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے کسی موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد کیا اور آپ نے اُسے تسلیم کر لیا۔ لیکن یہ معاملہ جزوی احکام میں تھا۔ کلی اور عام امور میں ایسا طریقہ نہ تھا۔ کیونکہ مو خر صورت میں اجتہاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی بھی صحابی کی جانب سے سرزد نہیں ہوا۔

فتح مکہ، تاریخ اسلام کا عظیم واقعہ

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت مجرموں اور خطاکاروں پر

ابوسفیان کا جھکا ہوا سر جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین، اپنے رسول، لشکر اور حرم امین کو عزت بخشی اور جس کے ذریعہ اپنا شہر اور اپنا گھر کفار و مشرکین سے آزاد کرایا۔ جسے عالمین کے لیے ہدایت بنایا گیا تھا۔

یہی وہ فتح اعظم تھی جس سے آسمان والے خوش ہوئے اور برج جوزا پر خیمے گاڑ دیے۔ اور لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوئے۔ اس سے رخ زمین چمکا اور روشن ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے لشکر اور رحمٰن کی جماعتیں لے کر دس رمضان ۸ھ کو مدینہ سے نکلے اور ابورہم کلثوم بن حصین غفاری کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا۔ ابن سعد فرماتے ہیں عبداللہ بن ام مکتوم کو عامل فرمایا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح حدیبیہ ہوئی تو اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ (قبائل عرب) میں سے جس کا جی چاہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو جائے گا اور جس کا جی چاہے قریش کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو جائے۔ چنانچہ بنو بکر نے قریش سے معاہدہ کر لیا اور بنو خزاعہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو گئے۔ (بنو بکر اور بنو خزاعہ کی قدیم زمانے سے آپس میں عداوت چلی آ رہی تھی) اس لیے بنو بکر نے بنو خزاعہ سے انتقام لینے کا موقع دیکھا اور ارادہ کیا کہ بنو خزاعہ سے قدیم عداوت کا بدلہ لیا جائے۔

قریش کی شرارت چنانچہ نوفل بن معاویہ دیلی بنو بکر کی ایک جماعت لے کر نکلا اور بنو خزاعہ کے قریب رات کو ٹھہرا وہ مطمئن تھے۔ چنانچہ ان پر حملہ کر کے ان کے چند آدمی مار دیئے۔ پھر ان کی آپس میں لڑائی ہوئی اور قتل و غارت برپا ہوا اور قریش نے

ہتھیاروں کے ساتھ بنوبکر کی مدد کی اور قریش میں سے بعض لوگوں نے چھپ کر رات کو ان سے مل کر مقاتلہ بھی کیا۔ چنانچہ بنوخزاعہ کا ایک آدمی عمرو بن عاس خزاعی نکل کر مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صحابہؓ کے ہمراہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ کے سامنے کچھ اشعار پڑھے جن میں بنوبکر کے حملے اور غارت گری کا قصہ بیان کیا۔ بنوخزاعہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدے کا ذکر کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی اور امداد کی درخواست کی۔

رسول اللہ کا پاس عہد

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو بن سالم تمہیں مدد دی جائے گی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بادل کا ٹکڑا پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ بادل بنی کعب کی مدد کے لیے آئے گا پھر بدیل بن ورقاء بنوخزاعہ کی ایک جماعت لے کر آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کو تمام واقعات کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ قریش نے بھی بنوبکر کے ساتھ مل کر حملہ کیا۔ اس کے بعد وہ لوگ مکہ واپس چلے گئے۔

بیٹی نے باپ کو بستر رسول اللہؐ پر نہیں بیٹھنے دیا

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گو ابوسفیان تمہارے پاس آیا ہے تاکہ دوبارہ عہد کیا جا سکے اور مدتِ معاہدہ میں اضافہ ہو جائے۔ جب بدیل بن ورقاء اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آ رہا تھا تو انہیں عسفان بن ابوسفیان ملا، جسے قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب (تجدید معاہدہ کے لیے بھیجا۔ اس کے بعد ابوسفیان مدینہ پہنچا اور اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے گھر میں ٹھہرا۔ جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام حبیبہؓ نے بستر لپیٹ دیا۔

ابوسفیان کہنے لگا: اے بیٹی کیا تو نے اس بستر کے باعث میری طرف سے اعراض کر لیا؟ یا (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملنے کے باعث میری طرف سے منہ پھیر لیا؟

ام حبیبہؓ نے جواب دیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔

وہ کہنے لگا اللہ کی قسم میرے بعد تجھے خرابی ہو گئی۔

ابوسفیان کی التجا پر آپؐ کی خاموشی

پھر نکلا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔

اور آپ سے گفتگو کی، لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ ابوبکرؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات کرو۔ وہ کہنے لگا: میں یہ کرنے والا نہیں ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس آیا۔ ان سے بھی بات کی۔ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تمہاری سفارش نہیں کر سکتا ہوں اور اگر میں ایک ذرہ بھی پاتا تو اس کے لیے کوشش کرتا۔

حضرت علی کا جواب ابوسفیان کو

پھر حضرت علیؓ بن ابی طالب کے پاس آیا ان کے پاس فاطمہؓ بھی تھیں اور حسنؓ ابھی چھوٹے تھے۔ جو ان کے پاس پیٹ کے بل چل رہے تھے۔ وہ کہنے لگا: اے علیؓ کل تم ہمارے عزیز قریب تھے میں ایک ضرورت کے باعث آیا ہوں مجھے نامراد واپس نہ کرو۔ محمدؐ سے میری سفارش کر دو۔

انہوں نے جواب دیا اے سفیان تیرا برا ہو، اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ نے ایسی بات کا عزم فرما لیا ہے کہ جس سے متعلق ہم ان سے کلام نہیں کر سکتے۔

حضرت فاطمہ کا جواب ابوسفیان کو

پھر وہ حضرت فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کیا تو اپنے اس بیٹے (حسن) کو حکم دے گی کہ یہ لوگوں کے درمیان صلح کرا دے، یہ آخر زمانہ تک عرب کا سردار رہے گا۔ انہوں نے جواب دیا میرا بیٹا ابھی اس عمر تک نہیں پہنچا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔

ابوسفیان کہنے لگا: اے ابوالحسنؓ میں سمجھتا ہوں کہ معاملہ سخت تر ہو چکا ہے مجھے نصیحت کرو۔

انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم میں کوئی ایسی تدبیر نہیں جانتا کہ جو تجھے فائدہ دے سکے۔ البتہ تو بنی کنانہ کا سردار ہے اس لیے اٹھ کر لوگوں میں خود (اعلانِ تجدید عہد) کر دے اور اپنے شہر میں واپس چلا جا۔

اس نے کہا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ میرے لیے فائدہ ہوگا؟

انہوں نے کہا نہیں، اللہ کی قسم لیکن مجھے اس کے سوا کچھ چارہ کار نظر نہیں آتا۔

ابوسفیان اٹھ کر مسجد میں آیا اور کہنے لگا: اے لوگو! میں نے تجدید معاہدہ صلح کر لی اور

پھر اونٹ پر سوار ہو کر چلا گیا۔

جب قریش کے پاس پہنچا تو کہنے لگے کیا خبر لائے ہو؟

اس نے کہا میں محمدؐ کے پاس گیا، ان سے گفتگو کی۔ اللہ کی قسم انہوں نے جواب نہ دیا پھر میں ابن ابی قحافہؓ کے پاس گیا، وہاں بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پھر میں عمرؓ بن خطاب کے پاس گیا میں نے اسے سخت ترین دشمن محسوس کیا، پھر میں علیؓ کے پاس گیا میں نے انہیں قوم میں سے سب سے زیادہ نرم دیکھا۔ انہوں نے مجھے ایک بات کا مشورہ دیا وہ کر گزرا۔ اللہ کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ وہ مجھے کچھ فائدہ دے سکے گی یا نہیں۔

قریش نے پوچھا کیا محمدؐ نے بھی توثیق کی؟

وہ بولا نہیں!

کہنے لگے تیری خرابی ہو، اللہ کی قسم تیرے ساتھ تو صرف مذاق ہی ہوا۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے یہی محسوس کیا ہے۔

فتح مکہ کی تیاری

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں اور تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دے دیا حضرت ابوبکرؓ اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامانِ سفر درست کر رہی تھیں۔

انہوں نے پوچھا، اے بیٹی! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تیاری کا حکم دیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا، ہاں!

انہوں نے پوچھا تمہارے خیال میں آپؐ کا کس طرف ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا کہ آپؐ مکہ کی طرف جا رہے ہیں اس لیے انہیں تیزی تیاری کرنے کا حکم دیا اور دعا کی۔

اے اللہ قریش سے تب تک خبروں اور مخبروں کو روکے رکھنا جب تک کہ ہم اُن کے علاقے میں نہ پہنچ جائیں۔

ایک مسلمان کی مخبری مسلمانوں کے خلاف

لوگوں نے تیاری کی تو حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو ایک مکتوب لکھا جس میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دے دی اور ایک عورت کو خط دے دیا اور

اسے قریش تک پہنچانے کا کچھ معاوضہ بھی مقرر کر دیا۔ اس عورت نے یہ خط اپنے بالوں کی مینڈیوں میں چھپا لیا اور چل پڑی۔

اس پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان سے حاطب رضؓ کے اس فعل کی خبر دے دی گئی۔ آپ نے علی رضؓ، زبیر یا علیؓ اور مقدادؓ کو بھیجا اور فرمایا کہ جب تم لوگ خاخ کے باغ تک پہنچو تو وہاں ایک عورت ملے گی جس کے پاس قریش کی طرف لکھا خط ہوگا۔

چنانچہ یہ دونوں صحابی رضؓ گھوڑے دوڑاتے چل پڑے اور اسی جگہ عورت کو پایا۔ انہوں نے اسے اترنے کا حکم دیا اور کہا کہ تیرے پاس خط ہے وہ کہنے لگی میرے پاس کوئی خط نہیں۔ انہوں نے اس کے سامان کی تلاشی لی اس میں کچھ بھی نہ تھا۔

قول رسول، حضرت علی کا اعتماد حضرت علیؓ نے کہا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط کہا نہ میں نے جھوٹ بولا۔ اللہ کی قسم یا تو تجھے خط نکالنا ہوگا اور یا پھر ہم تیرا جھاڑا لے کر رہیں گے۔ جب عورت نے یہ شدت دیکھی تو کہنے لگی تم دوسری طرف منہ کر لو۔ انہوں نے چہرہ گھما لیا۔ اس نے سر کی مینڈیاں کھولیں خط نکالا اور انہیں دے دیا۔

یہ خط لیکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے قریش کے نام تھا، اس میں قریش کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کو بلایا اور فرمایا:۔

اے حاطب یہ کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسولؐ مجھ پر جلدی نہ کیجیے۔ خدا کی قسم میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں، نہ میں مرتد ہوا ہوں اور نہ میں نے دین بدلہ ہے۔ بلکہ میں قریش میں رہ رہا تھا۔ مگر میں خود ان میں سے نہیں ہوں ان کے ہاں میرے بال بچے ہیں۔ قبیلہ اور لڑکا ہے اور قریش سے میری کوئی قرابت نہیں کہ وہ ان کی حفاظت کریں اور جو صحابہ رضؓ آپ کے ساتھ ہیں ان کی قریش میں رشتہ داریاں ہیں۔ جس سے وہ ان کے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں ان پر احسان کر دوں تاکہ میرے اقارب کی حفاظت کریں۔

حضرت عمر اور ابوسفیان حضرت عمر بن خطاب نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول مجھے اجازت

دیجیے میں اس کی گردن مار دوں۔ اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے خیانت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وس نے بدر میں حصہ لیا تھا اور اے عمر تمہیں معلوم ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھا اور فرمایا: اب تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔
اس پر حضرت عمر کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے آپ روزے سے تھے اور لوگ بھی روزے سے تھے۔ جب یہ لوگ کدید پہنچے، اس شہر کو آج کل لوگ قدید کہتے ہیں تو آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی افطار کیا۔ پھر سفر شروع ہوا آخر کار مرالظہران پہنچے۔ یہ وادی مرکا درمیانی حصہ ہے۔

دس ہزار کا لشکر مکہ کی طرف

آپ کے ہمراہ دس ہزار کا لشکر تھا۔ اللہ تعالےٰ نے قریش کو اہلِ اسلام کی آمد سے بے خبر رکھا۔ اس لئے وہ دہشت زدہ انتظار (خوف) میں مبتلا تھے۔ ابو سفیان تجسس کے لیے باہر نکلا۔ اس کے ساتھ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء بھی تھا۔ یہ لوگ خبریں حاصل کرنے کے لیے نکلے تھے۔

حضرت عباسؓ ان سے قبل ہی اپنے اہل وعیال لے کر اسلام قبول کر کے ہجرت کی غرض سے نکل چکے تھے۔ چنانچہ یہ مقامِ جحفہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ راستہ میں ان کا چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حرث اور عبد اللہ بن ابی امیہ ابواء کے مقام پر ملے۔ یہ دونوں اُن کے چچا اور پھوپھی زاد بھائی تھے۔ آپؐ نے ان دونوں سے ہجو اور ایذا دہی کے باعث اعراض فرمالیا۔

حضرت علی نے ابوسفیان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سامنے سے حاضر ہو۔ اور وہی کلمات عرض کر جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے عرض کئے تھے۔ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ
"بولے قسم اللہ۔ البتہ پسند کر لیا تجھ کو اللہ نے ہم سے اور ہم تھے چوکنے والے۔

کیونکہ آپؐ احسن قول کے سوا راضی نہ ہونگے۔ ابوسفیان نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ یعنی کہا کچھ الزام نہیں تم پر آج بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان۔

اس کے بعد وہ اسلام لے آیا۔

ابوسفیان کی ندامت کہا جاتا ہے۔ کہ ابوسفیانؓ نے اسلام لانے کے بعد حیار کے باعث کبھی بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کا خیال کرتے تھے۔ اور اُس کے جنتی ہونے کی بھی گواہی دی۔ اور فرمایا: مجھے امید ہے، کہ یہ حمزہؓ کے خلف ہونگے۔ اور جب ابوسفیانؓ کی وفات قریب ہوئی۔ تو انہوں نے کہا: مجھ پر مت روؤ۔ اللہ کی قسم اسلام لانے کے بعد میں نے ایک بھی گناہ نہیں کیا۔

اصل واقعہ یعنی فتح مکہ کیطرف غور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران میں اترے۔ تو عشار کا وقت تھا۔ آپؐ نے لشکر میں آگ جلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ دس ہزار جگہ آگ روشن ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ پر حضرت عمرؓ بن خطاب کا پہرہ تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہوئے، اور کسی مخبر کی تلاش میں نکلے تاکہ قریش کو اطلاع دی جائے اور وہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دخول مکہ سے قبل ہی امان کی درخواست پیش کریں۔

راوی فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں جا رہا تھا، کہ میں نے ابوسفیان اور بدیل بن ورقار کی گفتگو سنی۔

ابوسفیان کہہ رہا تھا میں نے آج کی رات سے زیادہ کبھی بھی نہ آگ دیکھی اور نہ لشکر۔

بدیل نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم یہ بنوخزاعہ کا لشکر ہے۔ جو جنگ کے ارادہ (سے آئے ہیں)

ابوسفیان بول اٹھا: بنوخزاعہ تو بہت ہی کم تعداد میں ہیں اسقدر آگ اور لشکر (ان کا نہیں ہوسکتا)

راوی کہتے ہیں: کہ میں نے اس کی آواز پہچان لی۔ اور کہا: اے ابوحنظلہ! اُس نے میری آواز بھی پہچان لی اور جواب میں پوچھا، کیا تو ابوالفضل ہے؟

میں نے کہا ہاں! اُس نے کہا میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ کیا معاملہ ہے؟

میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ہمراہ ہیں اور قریش کی بربادی آگئی۔

ابوسفیان پناہ اور اماں کا طالب اُس نے پوچھا: اب کیا ہونا چاہیے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔

میں نے کہا: اگر تجھے انھوں نے پکڑ لیا تو یقیناً تیری گردن مار دینگے۔ اس لئے تو میرے پیچھے اس خچر پر سوار ہو جا۔ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ کے پاس لے چلتا ہوں۔ اور امان دلا دیتا ہوں۔ وہ میرے پیچھے سوار ہو گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے۔ جب ہم مسلمانوں کی آگ لے پاس سے گذرے

تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کو دیکھتے تو کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آپ کی خچر پر سوار ہیں۔ یہاں تک کہ ہم عمرؓ بن خطاب کی آگ کے پاس سے گذرے۔ انھوں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ اور میری طرف بڑھے۔ جب ابوسفیان کو خچر پر پیچھے بیٹھے دیکھا۔ تو کہا، ابوسفیان! اللہ کا دشمن اللہ کی ہزاروں تعریفیں کہ جس نے کسی عہد اور وعدہ کے بغیر تجھ پر قابو دیا، پھر تیزی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خچر تیز ہو کر ان سے آگے بڑھ گیا۔ عباس خچر سے اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ بعد میں عمرؓ بھی آگئے۔ اور عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ ابوسفیان ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسولؐ میں نے اسے پناہ دی ہے۔

عباسؓ کی سفارش آنحضرت کا ارشاد

کچھ دیر کی گفتگو کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عباسؓ اسے لے جاؤ، صبح کو پیش کرنا۔ میں اسے لے گیا۔ جب صبح ہوئی تو میں اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا:

اے ابوسفیان ابھی تک وقت نہیں آیا کہ تجھے یقین ہو جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اُس نے جواب دیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ کس قدر حلیم۔ کریم اور وصل کرنے والے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا۔ تو حضور مجھے کچھ نہ کچھ فائدہ دیتا۔

آپ نے دوبارہ یہی فرمایا: اس نے یہی جواب دیا اور کہا: یہ بات یعنی (لا الہ الا اللہ) اب تک میرے دل میں نہیں اتری۔

قبولِ اسلام کی دعوت

حضرت عباسؓ نے فرمایا تیرا ناس ہو اسلام قبول کرلے اور قبل اس کے کہ تیری گردن اڑے کلمہ پڑھ لے۔ اس نے اسلام قبول کیا اور شہادت دے دی اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد الرسول اللہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود کارساز نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

حضرت عباسؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ابوسفیانؓ فخر کو پسند کرتا۔ اس لیے کوئی اعزاز عطا

فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں! جو ابو سفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے اُسے امان ہے۔ اور جو خود سے اپنے دروازے بند کرے اسے امان ہے۔ اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابو سفیانؓ کو روک لو۔ اور پہاڑ پر لے جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ کا لشکر گزرے اور یہ اسے دیکھ رہا ہو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ مختلف قبائل جھنڈے لے کر گزرے اور حضرت عباسؓ اسے بتاتے رہے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار کے لشکر میں گزرے یہ لشکر لوہے میں ڈوبا تھا۔ اور آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔

لشکر اسلام سے ابوسفیان کی مرعوبیت

ابو سفیانؓ نے کہا سبحان اللہ اے عباس یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مہاجرین و انصار آپؐ کے ہمراہ ہیں۔

اس نے جواب دیا۔ ایسے لوگ اس سے قبل نہ تھے۔ اور نہ ہی ایسے لوگوں سے مقابلہ کی قوت کوئی رکھتا ہے۔

اس کے بعد ابو سفیانؓ واپس گیا، جب قریش کے پاس پہنچا۔ تو زور سے آواز دی۔ اے قریش کے گروہ یہ محمدؐ ایسا بڑا لشکر لے کر آگئے کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ اس لیے جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔

ان کی بیوی ہندہ بن عتبہ اٹھی اس نے ان کی مونچھ پکڑلی۔ اور کہنے لگی اس تیز چربی والے بھونڈی پنڈلیوں والے کو قتل کر دو۔

انھوں نے جواب دیا۔ تمہارا ناس ہو۔ تمہیں دھوکہ نہ ہو۔ یہ تم میں سے ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ وہ اس قدر (لشکر) لے کر آئے ہیں۔ کہ تم سے ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ اور جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ اور جو مسجد (حرام) میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔

قریش کہنے لگے، اللہ تجھے ہلاک کرے تیرا گھر ہمارے لیے کیسے کفایت کرے گا؟

انھوں نے جواب دیا۔ اور جس نے اپنا دروازہ بند کر دیا اسے امان ہے۔ اور جو مسجد میں داخل ہوا اسے امان ہے۔

چنانچہ لوگ منتشر ہو کر اپنے گھروں اور مسجد میں داخل ہو گئے

اگر کوئی مقابلہ کرے تو ڈٹ کر لڑو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلندی کی طرف سے مکہ میں داخل ہوئے وہاں آپ کا خیمہ لگا دیا گیا اور آپ نے خالد بن ولید کو زیریں حصہ سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ دائیں جانب تھے ان میں اسلم۔ سلیم۔ غفار۔ مدینہ۔ جہینہ اور دوسرے عرب قبائل تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ پیدل والوں کے ساتھ تھے ان کے پاس ہتھیار نہ تھے آپ نے حضرت خالدؓ اور ان کے اصحاب سے فرمایا۔ کہ اگر قریش میں سے کوئی مقابلے پر آئے۔ تو اسے پیس کر رکھ دو۔ یہاں تک کہ صفا کے مقام پر مجھ سے آن ملو۔ چنانچہ جو بھی ان کے مقابلے پر آیا۔ انھوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

قریش کے سفہا کی جنگی تیاریاں

پھر قریش کے چند سفہا جمع ہوئے۔ جو عکرمہ بن ابی جہل۔ صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کے ساتھ خندمہ میں آئے۔ تاکہ مسلمانوں سے جنگ کریں حماس بن قیس جو بنو بکر میں سے تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دخولِ مکہ سے قبل ہتھیار تیز کرنے لگا۔ اس کی بیوی نے پوچھا یہ ہتھیار کس لیے تیار کر رہے ہو؟۔

وہ بولا محمدؐ اور اس کے اصحاب کے لیے۔

اس نے جواب دیا۔ محمدؐ اور اس کے اصحاب کے مقابلہ پر کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔

وہ کہنے لگا، اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ میں تیرے لیے ان میں سے بعض خادم لے آؤں گا

پھر اس نے بہادری جتانے کے لیے چند شعر پڑھے۔

اس کے بعد صفوان۔ عکرمہ اور سہیل بن عمرو کے پاس خندمہ چلا گیا۔ جب مسلمانوں سے سامنا ہوا۔ معمولی سا قتال ہوا، تو کرز بن جابر فہری اور خنیس بن خالد بن ربیعہ شہید ہو گئے۔ یہ دونوں خالدؓ بن ولید کے دستہ کے ساتھ تھے۔ لیکن ان سے الگ ہو کر دوسرے راستے چل پڑے تھے، اس لیے دونوں شہید ہوئے اور مشرکین کے بارہ آدمی داخل جہنم ہوئے۔ اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں حماس ہتھیار تیز کرنے والا بھی تھا۔

جب وہ بھاگ کر گھر میں داخل ہوا، تو بیوی سے کہنے لگا۔ مجھ پر دروازہ بند کر دو۔ وہ کہنے لگی۔ وہ شیخیاں کہاں گئیں؟ تو اس نے میدانِ جنگ کی دہشت کا نقشہ بناتے ہوئے چند اشعار پڑھے اور خاموش ہو گیا۔ آخر کار مسجد کے قریب حجون کے مقام پر رسول اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا گاڑ دیا گیا۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے مہاجرین اور انصار آپؐ کے آگے پیچھے دائیں

بائیں تھے۔ آپ مسجد میں داخل ہوئے حجر اسود کی طرف تشریف لائے۔ اور استلام کیا (بوسہ دیا) پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپؐ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ آپ بیت اللہ کے گرد پھرے اس وقت وہاں تین سو ساٹھ بت تھے آپؐ انہیں کمان سے مارتے اور یہ آیت پڑھتے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور بے شک باطل مٹنے ہی کی چیز ہے اور بت چہروں کے بل گرتے جاتے آپؐ نے سواری پر چڑھ کر طواف کیا، اور طواف پر ہی اقتصاد فرمایا۔

کلید بردار کعبہ کی طلبی

طواف ختم کرنے کے بعد آپؐ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا، اور اس سے کعبہ کی کنجی لے لی اور دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ دروازہ کھولا گیا اور آپؐ کعبہ کے اندر داخل ہوئے آپؐ نے وہاں تصویریں دیکھیں، ایک جگہ ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کی تصویریں دیکھیں۔ کہ ازلام سے تقسیم کر رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ انہیں (مشرکین کو) ہلاک کرے۔ انھوں (ابراہیم اسماعیل) نے کبھی بھی یہ کام نہیں کیا۔

کعبہ میں آپؐ نے لکڑی کا کبوتر دیکھا۔ آپؐ نے اسے اپنے ہاتھ سے توڑ دیا، اور تصویروں کو مٹانے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ نے اپنے اور اسامہ رضؓ اور بلال رضؓ کے لیے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا۔ اور دروازے کے بالمقابل دیوار کی طرف آپؐ نے رُخ کر لیا، یہاں تک کہ آپؐ کے اور دیوار کے درمیان میں تین ذراع کا فاصلہ رہ گیا۔ آپؐ نے کھڑے ہو کر وہاں نماز پڑھی پھر بیت اللہ کا چکر لگایا۔ اور اس کی اطراف میں تکبیر کہی۔ اور اللہ کی توحید بیان کی۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔

خطا کار اور مجرم فاتح کے سامنے

اتنے میں قریش سے مسجد بھر گئی، اور وہ قطاروں میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ کہ اب آپؐ کیا سلوک کرتے ہیں؟ آپؐ نے دروازے کے دونوں اطراف کو پکڑ لیا۔ قریش نیچے تھے۔

آپؐ نے کہا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اس نے وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے ہی گروہوں کو شکست دی یاد رکھو۔ مال یا خون میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔ سوائے بیت اللہ کی خدمت اور حجاج کی سقایت کے (پانی پلانا) یاد رکھو قتل خطا میں دیت مغلظہ ہوگی جو سو اونٹ ہوں گے جن میں

سے چالیس حاملہ ہوں گے۔ اے قریش کی جماعت بے شک اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر بڑائی ہٹا دی۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور مٹی سے بنے تھے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ہم نے تمہیں نر اور مادہ کی صورت میں پیدا کیا۔ اور تمہیں قبائل اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا تاکہ پہچانے جا سکو۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت مند وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ علیم و خبیر ہے"

اے قریش کی جماعت تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا۔ آپ شریف بھائی۔ شریف بھائی کے بیٹے ہیں (ہمیں آپ سے) اچھی توقعات ہیں۔ آپ نے فرمایا: کہ میں تم سے اسی طرح کہتا ہوں۔ جیسے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لا تثریب علیکم الیوم، آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم آزاد ہو۔

پھر آپ مسجد میں بیٹھ گئے اور حضرت علی رضؓ آپ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول دربانی اور سقایہ ہم میں جمع کر دیجیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ اسے بلایا گیا۔ آپ نے فرمایا! اے عثمان یہ لو اپنی کنجی آج نیکی اور وفا کا دن ہے طبقات ابن سعد میں حضرت عثمان بن طلحہ سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں پیر اور جمعرات کو کعبہ مشرفہ کو کھولتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ تشریف لائے۔ آپ لوگوں کے ہمراہ کعبہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر میں نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا اور سختی سے پیش آیا۔

لیکن آپ نے حلم اختیار کیے رکھا پھر فرمایا:

اے عثمان شاید تو دیکھے گا، کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی۔ اور جسے میں چاہوں گا دوں گا۔

میں نے کہا: تو اس دن قریش ہلاک ہو چکے ہوں گے؟

آپ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ اس دن یہ عزت مند اور آباد ہوں گے۔

پھر آپ کعبہ میں داخل ہو گئے۔ اور کعبہ میں داخل ہو گئے۔ اور میرے قلب میں ان کی یہ بات اٹک کر رہ گئی۔ اور میں اسی وقت سمجھ گیا۔ کہ یہ کام اسی طرح ہو گا۔ جیسے آپ نے فرمایا ہے، جب فتح کا دن آیا، تو آپ نے فرمایا۔ اے عثمان کنجی لاؤ۔ میں لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے

اسے میرے ہاتھ سے لے لیا۔ اور پھر واپس کر دی اور فرمایا، اسے لے لو ہمیشہ کے لیے نسلاً بعد نسلاً ظالم کے سوا کوئی تم سے نہ چھینے گا، اے عثمان اللہ نے تمہیں اپنے گھر کا امین بنایا ہے۔ اس لیے اس گھر سے جو آئے نیکی کے ساتھ کھاؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ جب میں لوٹا۔ تو آپ نے مجھے آواز دی۔ میں واپس آپؐ کی طرف گیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا؟ (عثمان بن طلحہ) کہتے ہیں۔ کہ پھر مجھے مکہ میں ہجرت سے قبل آپ کا قول یاد آگیا۔ کہ "شاید تو دیکھے گا کہ یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی اور جسے میں چاہوں گا دوں گا؟ میں نے عرض کیا ہاں، میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں"!

آں حضرتؐ ام ہانی کے گھر میں

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانیؓ کے گھر میں داخل ہوئے۔ آپؐ نے وہاں غسل فرمایا۔ اور انہی کے گھر میں آٹھ رکعتیں ادا کیں۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس لیے بعض لوگوں نے اسے صلوٰۃ الضحیٰ (نماز چاشت) سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ نماز فتح تھی اور امرا اسلام کا یہ دستور تھا۔ کہ وہ جب کوئی شہر یا قلعہ فتح کرتے، تو فتح کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے آٹھ رکعات نماز فتح پڑھا کرتے۔

وہ لوگ جنہیں اماں نہیں ملی

جب مکہ فتح ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نو آدمیوں کے سوا تمام لوگوں کو امان دے دی، ان نو کے متعلق آپؐ نے فرمایا، یہ اگر کعبہ کے پردوں کے نیچے ملیں تو بھی انہیں قتل کر دو۔

ان کے نام یہ ہیں

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

عکرمہ بن ابی جہل

عبدالعزیٰ بن خطل

حارث بن نفیل بن وہب

مقیس بن صبابہ

ہبار بن اسود

ابن خطل کی دو لونڈیاں جو گا گا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتی تھیں۔

اور سارہ جو بنو عبدالمطلب کی ایک لونڈی تھی

چنانچہ ابن ابی سرح سلام لے آیا اور حضرت عثمان رضؓ بن عفان اسے لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے امان لے دی، آپ نے اسے روک رکھا تاکہ کہیں کوئی صحابی اسے قتل نہ کر دے۔ اس آدمی نے اس سے قبل بھی مسلمان ہو کر ہجرت کی تھی، اس کے بعد پھر مرتد ہوا اور مکہ واپس لوٹ آیا۔ عکرمہ بن ابی جہل بھاگ گیا لیکن اس کی بیوی نے اس کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امان حاصل کر لی، چنانچہ یہ حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا اور ابن خطل حارث مقیس اور ایک لونڈی یہ سب قتل ہو گئے۔ مقیس اس سے قبل اسلام لا کر مرتد ہو چکا تھا۔ اس نے قتل بھی کیا تھا اور مشرکین سے مل گیا تھا۔ ہبار بن اسود نے بھی اسلام قبول کر لیا اور ایک لونڈی اور سارہ کے لیئے اس نے امان حاصل کر لی۔ آپ نے ان دونوں کو امان دے دی۔ چنانچہ یہ دونوں مسلمان ہو گیئں

فتح کے دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور خوب طرح تمجید بیان کی پھر فرمایا:

"اے لوگو! جس دن سے زمین و آسمان پیدا ہوئے (اسی دن سے) اللہ نے مکہ کو حرم قرار دیا اس لئے قیامت کے دن تک اللہ کی حرمت کے باعث یہ شہر قابل احترام ہے، کسی مومن کو جائز نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو کہ وہ اس شہر میں خون بہائے یا کوئی درخت کاٹ دے اس لئے اگر کوئی میرے قتال کے باعث اس کی رخصت دے تو کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اس کا اذن دیا تھا اور تمہیں اذن نہیں دیا اور میرے لئے دن کی ایک ساعت میں (یہ کام) جائز کیا اور کل کی طرح آج اس کی حرمت لوٹ آئی۔ پس موجود کو چاہیئے کہ وہ غائب کو پہنچا دے۔

انصار مدینہ کی تشویش: جب مکہ فتح ہو گیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن اور جائے پیدائش تھا، اس لئے انصار آپس میں باتیں کرنے لگے کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے علاقے اور اپنے شہر پر فتح عطا کرے گا تو وہ اسی شہر میں رہائش پذیر ہو جائیں

اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہے تھے، جب آپؐ دعا سے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا، تم نے کیا کہا!۔

"انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسول کچھ نہیں،

آپؐ کے اصرار پر انہوں نے بتا دیا۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری زندگی اور موت اب تمہارے ساتھ ہی ہے۔

قاتلانہ حملہ کی تیاری:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے تھے تو فضالہ بن عمیر بن ملاح نے آپؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، جب آپ کے قریب ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
کیا فضالہ ہے؟ اس نے کہا، ہاں اے اللہ کے رسول
آپؐ نے فرمایا: تو اپنے دل میں کیا سوچ رہا تھا؟
اس نے کہا کچھ نہیں۔ میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، پھر آپؐ نے فرمایا، اللہ سے بخشش چاہو۔ پھر آپؐ نے اس کے سینہ پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا۔ اس کے دل کو سکون ہو گیا۔
فضالہ کہتے ہیں خدا کی قسم آپؐ نے ہاتھ اٹھایا بھی نہ تھا کہ میرا سینہ ایسا ہو گیا) کہ اللہ کی تمام مخلوق میں سے آپؐ مجھے سب سے زیادہ محبوب بن گئے
اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کو توڑنے کے لئے سرایا بھیجے جو کعبہ کے ارد گرد تھے۔ چنانچہ تمام بت توڑ دیئے گئے جن میں لات اور عزیٰ بھی تھے اور منات ثالث بھی انہیں میں شامل تھا
منادی کرنے والے نے منادی کر دی۔ کہ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اپنے گھر میں کوئی صنم (بت) نہ رہنے دے بلکہ اسے توڑ دے۔ نیز آپؐ نے خالدؓ بن ولید کو عزیٰ کی طرف بھیجا ابھی رمضان میں پانچ دن باقی تھے۔ تاکہ اسے توڑ کر ختم کر دیا جائے (خالدؓ بن ولید) تیس سواروں کے ہمراہ نکلے۔ اور وہاں پہنچ کر اسے توڑ دیا۔
پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔
آپؐ نے دریافت فرمایا، کیا تم نے کوئی چیز دیکھی ہے؟
انہوں نے جواب دیا نہیں۔
آپؐ نے فرمایا۔ تم نے اسے ابھی تک تباہ نہیں کیا، اس لئے لوٹ کر جاؤ اور تباہ کر دو۔
حضرت خالدؓ دوبارہ گئے، اور سخت غیظ میں تھے، انہوں نے تلوار میان سے نکال رکھی

تھی۔ اچانک ایک برہنہ سیاہ رنگ کی عورت بال بکھیرے سامنے آئی، جس کے بال کھلے تھے اور وہ بال اس کے ساتھ چیخنے لگا۔ حضرت خالدؓ نے اس پر تلوار ماری اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس ہوئے، اور اطلاع کی۔

آپؐ نے فرمایا:۔ ہاں یہ عزیٰ تھی اور یہ مایوس ہو گئی کہ تمہارے شہر میں اب اس کی عبادت نہیں کی جائے گی۔

اور ایک کھجور کے درخت کے پاس بت تھا۔ یہ قریش اور تمام بنی کنانہ کا بت تھا اور ان کے نزدیک سب سے بڑا بت یہی تھا، بنی شیبان اس کے دربان تھے۔

بت شکنی:۔ پھر آپؐ نے عمروؓ بن عاص کو سواع کی طرف بھیجا۔ یہ ہذیل کا بت تھا تاکہ اسے توڑ دیا جائے۔ عمروؓ فرماتے ہیں کہ جب میں وہاں پہنچا تو اس کا دربان وہیں تھا۔ وہ کہنے لگا، کیا ارادہ ہے؟

میں نے کہا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اسے توڑ دوں۔

وہ کہنے لگا؛ تم اس کی قدرت نہیں رکھتے۔ میں نے کہا کیوں؟

کہنے لگا؛ وہ اپنا بچاؤ کرے گا۔ میں نے کہا اب تک ؟ تو غلط ہے تیرا ناس ہو، کیا یہ سنتا یا دیکھتا ہے؟ (عمروؓ) فرماتے ہیں کہ میں قریب ہوا اور اسے توڑ دیا اور میں نے اپنے اصحاب کو حکم دیا اسے گرا دو، انہوں نے گرا دیا تو اس میں کچھ نہ تھا۔ میں نے پہریدار کو کہا، کیا خیال ہے؟

وہ کہنے لگا، میں اللہ پر ایمان لے آیا:۔

پھر آپؐ نے سعدؓ بن زید اشہلی کو مناۃ کی طرف بھیجا۔ یہ اوس و خزرج اور غسان وغیرہ کا بت تھا اور قدید کے قریب تھا، حضرت سعدؓ اس طرف گئے۔ ان کی طرف بھی ایک برہنہ سیاہ رنگ کی عورت بال بکھیرے نکلی اور اپنا سینہ پیٹ رہی تھی اور واویلا مچا رہی تھی، پہریدار نے اسے خطاب کرکے کہا:۔

اے مناۃ اپنے نافرمانوں سے مقابلہ کرو، حضرت سعد نے اسے قتل کر دیا اور بت کی طرف بڑھے اور اسے توڑ دیا اور اس کے خزانہ میں کچھ نہ ملا:۔

بنو جذیمہ کی طرف خالدؓ بن ولید کا سریہ

جب حضرت خالدؓ بن ولید عزیٰ کو لوٹ کر واپس ہوئے تو صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامتِ مکہ کے دوران میں خالدؓ بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف اسلام کی دعوت کے لیے بھیجا مگر جنگ کے لیے نہیں۔

خالد تین سو پچاس مہاجرین وانصار کے ہمراہ نکلے۔ بنی سلیم بھی ان کے ہمراہ تھے وہاں پہنچے تو پوچھا تم کون ہو؟

انھوں نے کہا، ہم مسلمان ہیں۔ ہم نے نماز پڑھی۔ محمدؐ کی تصدیق کی اور اپنے علاقے میں مساجد بنائیں اور ان میں اذانیں دیں۔

انھوں نے پوچھا تمہارے بدن پر ہتھیار کیسے ہیں؟

انھوں نے کہا کہ ہمارے اور عرب قوم کے درمیان عداوت ہے، ہمیں خطرہ ہوا کہ کہیں وہی (ہمارے دشمن) نہ ہوں۔

ایک قول یہ ہے کہ انھوں نے گھبراہٹ میں کہا ہم صابی ہو گئے ہم صابی ہو گئے۔

اور اچھے انداز سے یوں نہ کہا کہ ہم مسلمان ہو گئے۔

اس گفتگو کے بعد انھوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔

پھر خالدؓ نے حکم دیا انھیں گرفتار کر لو۔ وہ گرفتار کر لیے گیے۔ اور بعض کو باندھ دیا اور انھیں اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔ جب سحر ہوئی تو خالد بن ولید نے آواز دی کہ جس کے ساتھ کوئی قیدی ہو، اسے قتل کر دو۔ بنو سلیم نے اپنے اپنے قیدیوں کو قتل کر دیا۔ اور مہاجرین وانصار نے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

خالدؓ کے فعل سے آپؐ کی برأت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خالدؓ بن ولید کے اس فعل کی خبر ملی تو آپؐ نے فرمایا۔

"اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں"

پھر حضرت علیؓ کو بھیجا تاکہ ان کے مقتولوں کا خونبہا ادا کیا جائے۔

حضرت خالدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف میں تلخ کلامی

حضرت خالد بن ولید اور عبدالرحمٰن بن عوف کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوگئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو فرمایا اے خالد ٹھہر د۔ میرے صحابہؓ کو اپنی ایذا سے (محفوظ) رکھی اللہ کی قسم اگر احد کا پہاڑ سونا بن جائے اور تو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردے تو بھی میرے ایک صحابی کے صبح یا شام کو (اللہ کی راہ میں نکلنے کے) برابر نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت حسانؓ کی شعرخوانی

پھر حضرت حسان بن ثابت نے عمرہ حدیبیہ کے متعلق اشعار پڑھے اور ان میں کفار کی ہجو کا بھرپور جواب دیا اور انھیں مسلمانوں کے لشکر کے عزائم اور قوتِ حرب سے آگاہ کیا اور کفار کو سخت ترین طعن اور ملامت کی۔

فتح مکہ اور دوسرے غزوات سے اہم فقہی مسائل کا استنباط

صلح حدیبیہ اس فتح عظیم کا مقدمہ اور تمہید تھی۔ اس عہد نامہ سے لوگوں کو امان مل گئی۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو اور مباحثہ کا موقع ہاتھ آیا۔ اور مکہ میں جو مسلمان اظہار اسلام سے ڈرتے تھے اور اس کے متعلق دعوت دینے اور مباحثہ کرنے سے تخوف محسوس کرتے تھے۔ وہ دور ہو گیا۔ اس وجہ سے ایک کثیر تعداد اسلام میں داخل ہو گئی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے فتح کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا اور یہ سورہ حدیبیہ کی صلح کے متعلق نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا یہ فتح ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں!

اہل حرب سے عہد

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اہل عہد اگر جنگ کریں جو قوم کے امام المسلمین کے ساتھ عہد کر کے ذمی بن چکے اور امام کی پناہ میں آچکے ہیں تو اس حرکت کے باعث وہ محارب کہلائیں گے اور ان کے درمیان اور اس امام کے درمیان معاہدہ ختم ہو جائے گا اس لیے امام کو جائز ہوگا کہ ان کے علاقے میں رات گذار لے اور انھیں اس کی اطلاع دینے کی ضرورت بھی نہیں۔

ہاں جب ان سے خیانت کا خطرہ ہو تو پھر اطلاع دے دینی ضروری ہوگی۔ اور جب خیانت پائی جائے تو انھیں عہد شکن سمجھا جائے گا۔

نقض عہد کی سزا

نیز اس سے ناقض عہد کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اس پر رضامندی ظاہر کریں اور اقرار کرلیں اور انکار نہ کریں، تو تمام افراد کو عہد شکن سمجھا جائے گا کیونکہ قریش میں سے بعض لوگوں نے بنو بکر کی حمایت کی تھی اور قریش کے تمام افراد نے ان کے ہمراہ مقاتلہ نہیں کیا۔ لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ جنگ کی۔ یہ اس لیے تھا جیسے تمام قریش عہد کرتے وقت عہد میں تبعاً شریک ہو گئے۔ اور جب انھوں نے صلح پر رضا و اقرار کیا تو کوئی فرد بھی الگ نہ رہا۔ اس طرح عہد شکنی کے موقعہ پر ہوا۔ یہی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ ہے۔

معاہدہ صلح وجنگ میں پوری قوم شریک ہوئی

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بنو قریظہ سے جنگ کی، اور کسی آدمی سے یہ دریافت نہیں فرمایا کہ کیا اس نے عہد شکنی کی تھی یا نہیں؟ اسی طریقہ پر بنو نضیر کا اخراج بھی عمل میں آیا اور یہی صائب رائے ہے اور یہی احمد رحمۃ اللہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

اہل حرب کے ساتھ مدت معاہدہ

اسی سے اہل حرب کے ساتھ دس سال تک جنگ بندی کا معاہدہ کر لینے کا جواز نکلتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ اس سے زیادہ مدت کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

صحیح یہ ہے کہ مصلحت اور ضرورت کے پیش نظر جائز ہے۔ مثلاً مسلمانوں میں کمزوری ہو اور دشمن ان سے زیادہ طاقت ور ہو۔ اس صورت میں دس برس سے مدت کی زیادتی مصلحت اسلام کی صوابدید پر ہوگی۔

امام کی خاموشی رضامندی نہیں

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب امام سے ناجائز یا غیر واجب بات کے لیے پوچھا جائے اور وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی رضامندی نہیں بن سکتی۔ جیسے ابو سفیان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تجدید عہد کی درخواست کی۔ آپؐ خاموش رہے، تو آپؐ کی خاموشی سے تجدید عہد کا فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔

کفار کے قاصد قتل نہیں کیے جا سکتے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے قاصدوں کو قتل نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ابو سفیان پر عہد شکنی کے باعث حد ثابت ہو چکی تھی، لیکن چونکہ وہ اپنی قوم کی جانب سے قاصد بن کر آیا تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل نہیں کیا۔

محارب کفار پر اچانک حملہ جائز ہے

نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کفار کے ملک میں شب گزارنا اور ان پر اچانک حملہ کرنا جائز ہے جب کہ انھیں دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرایا کفار کے علاقہ میں رات گذارتے اور جب انھیں دعوت پہنچ جاتی تو ان پر غارت گری بھی کرتے۔

جاسوس کے قتل کا جواز

نیز اس میں جاسوس کے قتل کا جواز بھی ملتا ہے اگرچہ مسلمان ہو کیونکہ حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاطب بن ابی بلتعہ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ جب انھوں نے اہل مکہ کو خبر بھیجی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

یہ نہیں فرمایا کہ یہ مسلمان ہے اس کا قتل جائز نہیں، بلکہ فرمایا، تمہیں کیا علم اللہ تعالےٰ نے اہل بدر کو دیکھا، تو فرمایا، اب تم جو چاہو کرو، یعنی جواب دیا کہ ان کے قتل میں ایک رکاوٹ ہے اور وہ بدر میں حاضری ہے۔ اس جواب سے جاسوس کے قتل کے جواز کا ثبوت ملتا ہے بشرطیکہ اس کے لیے اس قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔ امام مالکؒ اور ایک روایت کے مطابق احمدؒ کا یہی مذہب ہے۔ شافعیؒ اور ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے قتل نہ کیا جائے۔ اور احمدؒ کا ظاہر بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ دونوں فریق حاطبؓ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں اور صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کا قتل امام کی رائے پر منحصر ہوگا۔ اگر امام اس کے قتل میں مسلمانوں کی مصلحت سمجھے تو اسے قتل کردے اور اگر اس کا زندہ رکھنا فائدہ بخش ہو تو قتل نہ کرے، واللہ اعلم۔

عورت کی تلاشی لی جا سکتی ہے اس میں عورت کو ضرورت اور مصلحت عامہ کی خاطر برہنہ کرنے کی اجازت بھی ہے (لیکن یہ کام صرف متشرع سپاہی ہی کر سکتے ہیں) کیونکہ علیؓ اور مقدادؓ نے اس عورت سے کہا تھا کہ یا تو مکتوب نکال دے ورنہ ہم ضرور تیرے کپڑوں کی تلاشی لیں گے۔

جذبہ دینی کے باعث کفر کا الزام گناہ نہیں اس میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی مسلمان کو اللہ اور اس کے رسول اور دین کی خاطر غصے میں صحیح تاویل سے کافر کہہ دے اور اس میں ذاتی ہویٰ اور حظ نفسانی شامل نہ ہو اس پر قائل کی تکفیر نہ ہوگی۔ بلکہ وہ گناہ گار بھی نہ ہوگا، بلکہ یوں کہئے کہ نیت و قصدِ صحیح پر اسے ثواب بھی ملے گا، لیکن اہل ہویٰ اور اہل بدعت کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہو سکتا۔

حسنات سے سیئات مٹ جاتے ہیں اس میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ شرک سے کم کبائر گناہ کا ہے گاہے کبائر حسنات سے مٹ جاتے ہیں جیسے حاطبؓ کے شہودِ بدر نے ان کی جاسوسی کا گناہ مٹا دیا کیونکہ یہ عظیم نیکی جس میں اللہ کی رضا و محبت اور ملائکہ کے سامنے فخر و مباہات ایسی بات ہے کہ اس کے فاعل کی شان اس قدر بلند ہوتی ہے کہ اس کا جاسوسی کا گناہ (اسے کچھ گزند نہیں پہنچا سکتا) تو گویا قوی نیکی ضعیف گناہ پر غالب آگئی اور طبعی تقاضا کے مطابق اسے زائل اور باطل کرکے رکھ دیا۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں برائیاں نیکیوں سے محو ہوتی ہیں۔ اس کا اصول بیان ہوتا ہے۔

ان الحسنات یذھبن السیئات، یعنی بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں،

اور اللہ کا فرمان، ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ "برائی کے بعد نیکی کرو۔ وہ برائی کو مٹا دے گی۔
اب حضرت حاطب رضؓ کی قوتِ ایمانی کا اندازہ کیجیے جس کے باعث وہ بدر میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اپنی جان پیش کردی۔ نیز اپنی قوم اور قبیلہ اور قرابت داروں کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول پر جان قربان کرنے کو تیار ہو گئے اور حالت یہ تھی کہ یہ دشمنوں کے زغے میں اور ان کے علاقہ میں تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے اپنے اہل اور قبیلہ کے مقابلہ سے اعراض نہ کیا اور نہ ان کے پائے ثبات میں تزلزل ہوا اور نہ ایمان و یقین میں نرمی آئی۔ پھر جب جاسوسی کی تو یہ قوتِ (شہود بدر) مقابلے میں آئی چونکہ بحران صالح تھا اس لیے مرض دفع ہو گیا اور مریض اس طرح ہو گیا جیسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

خوارج کی مثال

اور اس کے برعکس ذوالخویصرہ تمیمی اور اس جیسے خوارج کہ نماز، روزہ اور قرأۃ میں جن کی مشقتیں اور محن یہاں تک جا پہنچی ہیں کہ صحابہ بھی ان کے مقابلہ میں اپنے اعمال کو حقیر جاننے لگے۔ آپؐ نے ان کے متعلق کیسے حکم فرمایا کہ اگر میں نے انھیں پالیا، تو انھیں قوم عاد کی طرح قتل کروں گا اور فرمایا، انھیں قتل کرو، کیونکہ ان کے قتل میں قاتل کو اللہ کے ہاں اجر ملے گا اور فرمایا، آسمان کی چھت کے نیچے سب سے بدترین مقتول یہ خوارج ہیں چنانچہ انھیں فاسد عقائد کی وجہ سے ان کے مشقت آمیز اعمال نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا اور خود ہی نجس بن گئے۔
نیز ابلیس کی حالت پر غور کرو چونکہ مہلک مادہ (کفر) اس کے قلب میں چھپا ہوا تھا اس لیے اسے اس کی سابقہ طاعات نے کچھ فائدہ نہ دیا اور وہ اپنی (بدترین) حالت پر لوٹ آیا۔ اس لیے تمام اعمال کا دارومدار سرائر، مقاصد اور ارادہ و نیت پر موقوف ہے۔ یہی چیز اعمال کو یا سونا بنا دیتی ہے یا ناپاک اور نجس کردیتی ہے اور توفیق خدا کے ہاتھ ہے جسے کچھ بھی عقل و خرد ہو وہ اس مسئلہ کی اہمیت کو خوب سمجھ سکتا ہے۔

معاہدین سے جنگ

اس قصہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر معاہدین عہد شکنی کریں تو ان پر دفعۃً حملہ کرنا اور انھیں آنے کی اطلاع دیئے بغیر ان پر غارت گری کرنا جائز ہے اور جب تک وہ عہد کے پابند رہیں تب تک یہ بات جائز نہیں یہاں تک کہ دونوں فریق مساوی طور پر معاہدے کو توڑ دیں۔

دشمن کے مقابلہ میں شان و شوکت کا اظہار

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کی

کثرت اور شان و شوکت اور قوت کا اظہار نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے جب کہ دشمن کے قاصد آئے ہوں جیسے اسلام کے بادشاہوں کا طریقہ ہے اور جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں داخلہ کی شب آگ جلانے کا حکم دیا اور حضرت عباس رضؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو روک لو اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جاکر عساکر اسلام اور توحید کے لشکروں کا معائنہ کرادو اور ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے مسلمان جانثاروں کا گروہ دکھادو۔

احرام کے بغیر قتال مباح نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ میں احرام کے بغیر قتال مباح جائز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان داخل ہوئے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ اس میں اختلاف ہے کہ جو حج یا عمرہ کے ارادہ سے داخل ہو اسے احرام باندھنا ضروری ہے۔ ان کے علاوہ صورتوں میں اختلاف ہے جب کہ کسی کو بار بار داخلہ کی ضرورت ہو جیسے لکڑہارا یا گھاس بیچنے والا۔

ان کے متعلق تین اقوال ہیں:

(۱) ایک یہ کہ انھیں احرام کے بغیر داخلِ حرم ہونا ناجائز ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول کے مطابق یہی مذہب ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ چونکہ یہ لکڑہارا اور گھاس والا ہے۔ احرام کے بغیر حرم میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ امام شافعیؒ کا دوسرا قول ہے اور ایک روایت امام احمدؒ کی بھی موید ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اگر وہ مواقت کے اندر رہتا ہو تو احرام کے بغیر داخل ہو سکتا ہے اور اگر مواقیت سے باہر رہائش پذیر ہو تو احرام کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں۔ یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

مکہ بزور قوت فتح ہوا، صلح سے نہیں نیز اس میں صاف وضاحت ہے کہ مکہ قوت سے فتح ہوا۔ یہی جمہور اہل علم کی رائے ہے اور شافعیؒ کے سوا اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں۔ ایک قول کے مطابق احمدؒ بن حنبل کا بھی اختلاف ہے۔

صلح سے فتح ہونے کے قائل کہتے ہیں کہ اگر قوت سے فتح ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے غانمین میں تقسیم فرما دیتے جیسے آپؐ نے خیبر اور تمام دوسری جائدادوں کو تقسیم فرمایا، آپؐ خمس نکال لیتے اور باقی کو تقسیم کر دیتے تھے، نیز یہ کہ جب ابوسفیان نے اسلام لانے کے بعد اہل مکہ کے لیے امان طلب کی تو آپؐ نے انھیں امان دے دی، یہ گویا عقد صلح ہی تھا اور اگر قوت سے فتح ہوتا تو غانمین اس کی زمینوں اور مکانات کے مالک بن جاتے اور وہ اہل مکہ سے زیادہ مستحق بھی تھے۔ نیز اہل مکہ کا اخراج

بھی جائز ہوتا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا، بلکہ مہاجرین کے وہ مکانات بھی واپس نہیں کیے جن سے انھیں نکالا گیا تھا اور انھیں نکالنے والوں کے ہی قبضہ میں رہنے دیا گیا۔ اور ان مکانات کی بیع و شرا، اجارہ اور سکونت کو جائز قرار دیا۔ یہ معاملہ قوت سے فتح کرنے کے احکامات سے منافی ہے۔

قوت سے فتح کے قائلین نے کہا ہے کہ اگر آپؐ نے مصالحت سے فتح کیا ہوتا تو ہر آدمی کو اپنے گھر میں داخل ہونے، دروازہ بند کرنے اور ہتھیار ڈالنے سے امان کو مشروط کرنے کا کچھ فائدہ نہ تھا اور نہ خالد بن ولید ان سے مقاتلہ کرتے حتیٰ کہ انھوں نے چند آدمی قتل بھی کر دیئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ تعرض نہ کیا۔

نیز اگر مکہ محض صلح سے فتح ہوتا تو آپؐ یوں نہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لیے دن کی ایک ساعت (مقاتلہ) حلال کر دیا، کیونکہ اگر مصالحت سے مفتوح ہوتا تو اس کی حرمت قائم رہتی۔ کیونکہ مصالحت سے ایک جگہ حرمت سے خارج نہیں ہوا کرتی۔ حالانکہ آپؐ نے بتایا کہ اس گھڑی میں یہ (مقاتلہ) حرام نہ تھا۔ اور جنگ کی ساعت ختم ہونے کے بعد اس کی پہلی حرمت پھر لوٹ آئی۔

نیز اگر یہ محض مصالحت سے فتح ہوتا تو آپؐ اپنے سوار اور پیادہ لشکر دائیں بائیں ہتھیار بند حالت میں نہ رکھتے

(مزید برآں) آپؐ نے حضرت بلال رضؓ سے فرمایا، انصار کو میرے پاس بلاؤ۔ انھوں نے آواز دی وہ حاضر ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔

آپؐ نے فرمایا، تم قریش کے آوارہ لوگوں اور ان کے اتباع کو دیکھ رہے ہو؟ پھر آپؐ نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا، انھیں مکمل طور پر پیس کر رکھ دو۔ یہاں تک کہ تم مجھے صفا پر ملو، اس پر ابوسفیان کہنے لگا "اے اللہ کے رسولؐ، قریش کو مباح کر دیا گیا۔ آج کے بعد قریش نہ ہوں گے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنا دروازہ بند کر دے اسے امان ہے۔ مصالحت کے ساتھ ساتھ اس قسم کی باتیں محال ہیں۔

رہا یہ کہنا کہ مکہ قوت سے فتح ہوتا تو یہ غانمین میں تقسیم کر دیا جاتا۔ یہ تو تب ہوتا کہ زمین غنائم میں شامل ہو، جسے اللہ تعالیٰ کی خمس نکالنے کے بعد غانمین میں تقسیم فرما دے، حالانکہ جمہور صحابہؓ اور ان کے بعد ائمہؒ اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ زمین ان غنائم میں شامل نہیں جن کی تقسیم واجب ہو۔ خلفائے راشدین کی سیرت بھی یہی تھی کیونکہ حضرت بلالؓ اور ان کے اصحابؓ نے جب نئی مفتوحہ زمین کی

تقسیم کا مطالبہ کیا جو شام اور اس کے ارد گرد واقع ہے اور کہا کہ اس کا خمس لے لیا جائے، اور باقی کو لشکر پر تقسیم کر دیا جائے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ غیر مال ہے، ہاں میں اسے بطور فئی کے روک رکھوں گا، تاکہ مجتہدین اور عام مسلمانوں کو فائدہ دے سکے۔ حضرت بلالؓ اور ان کے اصحابؓ نے پھر تقسیم کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے دعا کی۔ اے اللہ بلالؓ اور ان کے اصحابؓ کو کفائت عطا کر۔ چنانچہ سال بھی نہ گزرا تھا کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم نے حضرت عمرؓ سے اتفاق کر لیا۔

اسی طرح جب مصر، عراق فارس کا علاقہ اور تمام دیگر ممالک قوت سے فتح ہوئے، ان میں سے خلفائے راشدین نے ایک گاؤں بھی تقسیم نہ فرمایا اور یہ بھی صحیح نہیں کہ انھوں نے خوشی سے قبول کر لیا اور ان کی رضا سے انھیں وقف قرار دیا کیونکہ صحابہؓ نے ان سے اس سلسلہ میں نزاع کیا اور حضرت عمرؓ مسلسل انکار کرتے رہے اور یہ محض توفیق الٰہی سے ہوا، کیونکہ اگر زمین تقسیم ہو جاتی تو وراثت چل پڑتی اور چلتے چلتے۔ بستی اور شہر ایک عورت یا ایک چھوٹے بچے کے قبضہ میں رہ جاتا اور جنگ کرنا ان کے بس کی بات نہ ہوتی۔ اس میں سخت ترین فساد اور ضرر ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہی خطرہ تھا اس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین کی تقسیم نہ کرنے کے سبب سے اور اسے وقف قرار دینے سے اہل اسلام کو اس بات کی توفیق بخشی کہ آخری مسلمان بھی جنگ کرنے پر اتر آئے اور اسلام اور اہل اسلام سے تعاون کرنے اور اس کے جھنڈے کی برکت ظاہر ہوئی۔ چنانچہ جمہور آئمہ ؒ نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

فتح مکہ کی شرعی اور فقہی نوعیت وحیثیت

رہا مکہ تو اسے تقسیم کر دینے کے سلسلے میں ایک اور مانع نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس صورت میں دوسرے علاقوں کی تقسیم واجب ہوتی تو بھی یہ تقسیم نہ ہوتا، کیونکہ یہ مملوکہ نہیں ہے یہ دار النسک (قربانیوں کا گھر) ہے اور مخلوق کی عبادت گاہ اور پروردگار کریم کا حرم ہے جسے اس نے یہاں کے باشندوں اور باہر والوں کے لیے حرم قرار دیا ہے۔ اس طرح یہ اللہ کی جانب سے دینے والوں پر وقف ہے۔ اس میں ہر شخص برابر کا حصہ دار ہے اور منیٰ وقوف ہے جو بھی سبقت کرکے پہنچ جائے۔ اس طرح حرم اس کے مشاعر مثلاً صفا، مروہ، سعی، منیٰ، عرفہ اور مزدلفہ کسی ایک آدمی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تمام لوگوں میں مشترک ہیں کیونکہ یہ ان کی قربانیوں اور عبادت کی جگہیں ہیں۔ اور اللہ کی جانب سے جائے عبادت اور وقف ہیں۔ اس نے اسے مخلوق کے لیے بنایا۔ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں گرمی سے بچنے کے لیے خیمہ لگانے سے منع فرمایا اور فرمایا۔

منیٰ پر اس آدمی کی جائے وقوف ہے جو سبقت کرے اس لیے سلف وخلف کے جمہور ائمہؒ نے یہی فرمایا ہے کہ مکہ کی اراضی کی خرید وفروخت اور وہاں کے مکانات کو کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ اہل مکہ میں حضرت مجاہدؒ اور عطاءؒ کا یہی مذہب ہے۔ اہل مدینہ میں سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا۔ اور اہل عراق میں سے امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحٰقؒ بن راہویہ کا یہی مذہب ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے علقمہؓ بن نضلہ سے روایت کیا بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرؓ اور عمرؓ کے عہد میں مکہ کی زمینوں کو سوائب کیا جاتا تھا جو چاہتا ٹھہر جاتا اور جو مستغنی ہو جاتا وہ دوسرے کو ٹھہرا دیتا (کرایہ کے بغیر)، نیز انھوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جس نے مکہ کے مکانات کا کرایہ کھایا وہ جہنم کی آگ کھاتا ہے (دار قطنی مرفوع)

نیز اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم قرار دیا۔ اس لیے اس کی زمینوں کو بیچنا اور اس کی قیمت کھانا حرام ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن یوسف نے بتایا۔ انھیں عبد الملک نے بتایا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اہل مکہ کے امیر کو خط لکھا جس میں انھوں نے مکہ کے مکانات کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔

ایک دوسری دلیل بیع و اجارہ کو جائز سمجھنے والے دلیل دیتے ہیں کہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور آپؐ کے اصحابؓ اور خلفائے راشدین کا عمل جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم و اموالهم یعنی فقراء مہاجرین کے لیے کہ جن کو کہ نکالا گیا ان کے گھروں اور اموال سے۔"

نیز فرمایا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَ اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ" یعنی اور وہ جنھوں نے ہجرت کی اور نکالا گیا انھیں ان کے گھروں سے" یعنی ان میں مکانات کی اضافت اہل مکان کی طرف کی گئی۔

یہ اضافتِ تملیک ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب عرض کیا گیا کہ کل آپؐ کہاں اتریں گے؟ مکّہ میں اپنے گھر کے اندر؟

آپؐ نے فرمایا" کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی جگہ رہنے دی ہے؟"

آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرا یہاں کوئی گھر نہیں بلکہ اضافت کے ساتھ اقرار کر لیا اور بتایا عقیل اس کے مالک بن چکے ہیں۔ اور آپؐ نے ان سے اُسے چھینا نہیں۔ اور احادیث میں مکانات کی اضافت کئی مقامات پر آتی ہے، جیسے کہ ام ہانی کا گھر۔ حضرت خدیجہؓ کا گھر، ابو احمد بن جحش کا گھر وغیرہ۔ اور پھر یہ وارث بھی بنتے تھے، جیسے منقولہ جائداد کے وارث ہوتے ہیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر رہنے دیا؟ اور عقیل اپنے والد ابوطالب کے مکانات کے وارث بنے۔ لیکن علی وارث نہ ہوئے کیونکہ وہ مکان مشرع تھا۔ اور حضرت علی مسلمان تھے۔ یہ اختلافِ دین کے باعث وارث نہ بن سکے۔ نیز صفوان بن امیہ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کے ہاتھ ایک مکان چار ہزار درہم میں بیچا اور اسے قید خانہ بنا لیا۔ پھر جب بیع اور میراث جائز ہے تو کرایہ پر اٹھانا بدرجہ اولیٰ جائز ہوا۔ لیکن ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ بیع اور نقلِ ملک جو رباع میں ہے وہ دراصل مکانات پر ہو سکتی ہے اور مکّہ کی زمین پر نہیں ہو سکتی۔ اب اگر کہا جائے کہ کرایہ کو منع کیا اور بیع کو ناجائز قرار دیا۔ کیا شریعت اور معہود شریعت میں اس کی کوئی مثال ہے؟ کہ اجارہ بیع سے وسیع تر ہے لیکن کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ بیع ممنوع ہو اور اجارہ جائز ہو جیسے وقف اور حرارت۔

اس کا جواب یہ ہوگا، بیع اور اجارہ ہر ایک ایک مستقل عقد ہے جو دوسرے کے جواز یا ممانعت کو مستلزم نہیں بن سکتا۔ ان کے مواقع احکام بھی مختلف ہیں۔ بیع جائز ہے اس لیے کہ بائع نے ایک فعل کے ساتھ اسے یعنی مکان بنا کر مخصوص کر دیا ہے اور اجارہ منفعت میں شمار ہوگا اور یہ مشترک چیز ہے۔ اور جو بھی سبقت کر کے آ جائے اسے معاوضہ دیئے بغیر وقوف کا حق پہنچتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے بیع کو

جائز کہا اور اجارہ (کرایہ) کو ناجائز قرار دیا۔ اور اگر تم مثال کے بغیر اس کا انکار کرو تو اس کی مثال مکاتب میں ملتی ہے کہ اس کے آقا کو اس مکاتب غلام کی بیع جائز ہے اور اب یہ نئے خریدار کے پاس مکاتب غلام ہوگا۔ اور اسے کرایہ پر دینا جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں اس کے منافع باطل ہوتے ہیں۔ اور عقدِ کتابت کتابت کے بعد اس کی ملکیتِ کسب پر زد پڑتی ہے۔

مزارعین مکہ پر خراج

اور جب مکہ قوت کے بل پر مفتوح ہوا تو کیا اس کے مزارعین پر خراج عائد کرنا جائز ہوگا جیسے مکہ تمام دیگر اراضی عنوہ (قوت سے مفتوحہ) کا معاملہ ہے؟

اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ منصوص بات کے بغیر کوئی قول جائز نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اس کے مزارع پر خراج نہ ہوگا۔ اگرچہ اسے قوت سے فتح کیا گیا۔ کیونکہ یہ زمین اس بات سے بلند و بالا ہے کہ اس پر خراج عاید کیا جائے۔ خراج دراصل زمین کا جزیہ ہوتا ہے اور یہ زمین پر عاید کیا جاتا ہے جیسے صاحب استطاعت اصحاب پر جزیہ عاید کیا جاتا ہے اور پروردگار کا حرم اس بات سے بلند و برتر ہے کہ اس پر جزیہ عائد کیا جائے اور فتح ہونے کے بعد مکہ کی زمین لوٹ کر دوبارہ ان والی حرم بن چکی ہے، جس میں تمام اہلِ اسلام مشترک طور پر حصہ دار ہیں۔ کیونکہ یہ ان کی قربانیوں اور عبادات کی جگہ ہے اور اہلِ زمین کا قبلہ ہے۔

دوسرا قول اصحاب احمدؒ کا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے مزارع پر خراج عاید ہوگا جیسے دیگر علاقوں کے مزارعین پر عاید ہوتا ہے۔ حالانکہ امام احمدؒ کی نص کے خلاف اور غلط ہے۔ نیز یہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے عمل کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے یہ آخری قول ناقابلِ التفات ہے۔

فتح کے دوسرے روز کے خطبہ میں علمی جواہر پارے

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکہ حرم ہے اور اسے لوگوں نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے۔ اس لیے اس کی تحریم شرعی قدیمی ہے۔ اس عالم کی پیدائش سے قبل ہی اس کی حرمت ہو چکی تھی۔ اس کے بعد اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان مبارک سے اس کا اظہار ہوا جیسے صحیح روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، فرمایا:

"اے اللہ تیرے خلیل ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم کہا اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں" یہ روایت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی زبان مبارک سے اس کی حرمت کا اظہار ہوا جو کہ

زمین و آسمان کی پیدائش سے قبل ہی مقدر ہو چکی تھی۔ اس لیے اہل اسلام میں سے کسی نے بھی اس کی حرمت کا انکار نہیں کیا۔ اگرچہ مدینہ کی حرمت میں قدرے نزاع کیا ہے، اور صائب رائے میں اس کی تحریم بھی ثابت ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس سے زیادہ احادیث مروی ہیں جن میں کسی طرح کا طعن نہیں۔

حرم میں کوئی خون مباح نہیں

نیز آپؐ نے فرمایا کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس تحریم کے باعث الیا خون بہائے جو دوسری جگہ مباح ہو سکتا ہے یہاں اس مقام کی حرمت کے باعث احرام ہوگا جیسے یہاں پر درخت کاٹنا۔

گری پڑی چیز بھی نہ اٹھاؤ

لقطہ (گری چیز) کو اٹھانا حرام ہے اور یہ یہیں مخصوص ہے اور دوسری جگہ مباح ہے۔ اس کی کئی انواع ہیں۔ ایک وہ جو ابوشریح عدوی نے بتایا ہے۔ اس وجہ سے وہ گروہ جو امام کی بیعت سے انکار کرتا ہے۔ اس سے جنگ نہ کی جائے گی۔ خصوصاً اس حالت میں جب اس کے پاس کوئی تاویل بھی جیسے اہل مکہ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا اور حضرت ابن زبیرؓ کی بیعت کر لی۔ چنانچہ ان سے جنگ کرنا اور نصاً و اجماع سے اللہ کے حرم کو حلال کرنا جائز نہیں، ہاں البتہ ایک خبیث فاسق عمرو بن سعد اور اس کے گروہ نے اپنی رائے اور خواہش نفس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کی مخالفت کی اور کہنے لگا۔

حرم نافرمان کو نہیں بچاتا، چنانچہ اسے جواب دیا جاتا کہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچاتا، اور اگر لوگوں کو خون بہانے سے بھی نہ بچائے تو حرم ہی نہ رہے گا اور اگر یہ پرندوں اور چوپاؤں کے لیے بھی حرم ہے تو آدمیوں کے لیے بدرجہ اولیٰ حرم ہے اور واقعہ یہ ہے کہ حرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر عصاۃ کو بچا رہا ہے اور اسلام نے بھی اسی کو قائم رکھا۔ باقی مقیس بن حبابہ اور ابن خطل اور ان کے ہمراہیوں کو نہیں بچایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس ساعت میں یہ حرم نہ تھا۔ بل حل بن چکا تھا۔ جب ساعت حرب ختم ہو گئی تو وہی حرمت لوٹ آئی جو زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت تھی اور عرب بھی زمانہ جاہلیت میں اگر اپنے باپ یا بیٹے کے قاتل کو حرم میں دیکھتے تو کچھ نہ کہتے اور یہ چیز ان میں مخصوص طور پر پائی جاتی تھی جس سے یہ حرم ہو گیا۔ اس کے بعد جب اسلام آیا۔ اس نے اس کی تاکید کی اور اس مسئلہ کو اور زیادہ قوی کر دیا۔ امام احمدؒ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر میں حرم میں (اپنے والد) خطاب کے قاتل کو دیکھ لوں تو اسے بالکل نہ چھیڑوں یہاں تک کہ وہ یہاں سے نکل جائے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

اگر میں یہاں عمرؓ کے قاتل کو دیکھ لوں تو بھی اس سے تعرض نہ کروں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں حرم میں اپنے والد کے قاتل کو دیکھ لوں تو بھی یہاں سے نکل جانے تک سے کچھ نہ کہوں۔

جمہور تابعین اور ان کے بعد کے علمائے کرام کا یہی قول ہے بلکہ کسی تابعیؒ یا صحابیؓ سے اس کے خلاف منقول نہیں۔ ابوحنیفہؒ اور اہلِ عراق امام احمد اور دیگر اہلِ حدیث کا مذہب بھی یہی ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعی کے اقوال

اور امام مالکؒ اور شافعی کا قول یہ ہے اس کی حرم میں بھی ویسے ہی گرفت کی جائے گی جیسے حل میں ہوتی ہے۔ ابن منذرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ رہا یہ قول کہ حرم نافرمان کو نہیں بچاتا۔ یہ عمرو بن سعد فاسق اور کلام جسے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر پیش کرتا تھا اور یہ کہنا کہ حرم اسے نہیں بچاتا جو حرم کے اندر فساد کر کے حرم کی ہتک کرتا ہے کیونکہ وہ ایسی حرکت کا مرتکب ہوا جس کی وجہ سے اس پر حد لازم ہوگئی ایسے حرم کی طرف پناہ لینے والا خواب دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے رسولؐ اور صحابہؓ نے ان دونوں صورتوں میں کیا فرق کیا ہے؟ امام احمدؒ نے عبدالرزاق سے انھوں نے معمر سے انھیں ابن طاؤس سے انھیں اپنے والد سے انھیں حضرت ابن عباسؓ سے روایت پہنچی۔ فرمایا کہ جس نے حل میں چوری کی یا قتل کیا۔ پھر وہ حرم میں داخل ہوگیا تو نہ اس کے پاس بیٹھو اور نہ بات چیت کرو، حتیٰ کہ وہ وہاں سے نکل جائے۔ نکل جانے کے بعد اسے پکڑ کر اس پر حد قائم کی جائے گی۔ اور اگر اس نے حرم کے اندر چوری کی یا قتل کیا تو اس پر حرم ہی میں حد قائم کی جائے گی۔

اثرمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ جو حرم کے اندر کوئی جرم کرے اسے حرم ہی میں جرم کی سزا دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو حرم میں قتل کرے اسے (حرم میں) ہی قتل کر دیا جائے۔ فرمایا: وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ

حرم میں پناہ لینے کا مسئلہ

اب پناہ لینے اور (حرم) میں ہتک کرنے والے میں فرق کئی وجوہ سے ہے، ایک یہ ہے کہ حرم میں جرم کرنے والا، اس کے اندر جرم کر کے حرم کی حرمت توڑنے کا مجرم ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ جو حرم سے باہر جرم کرے اور پھر حرم میں پناہ لے لے کیونکہ وہ حرم کی عزت کرنے والا اور یہاں پناہ لے کر اس کا

احترام کرنے والا ہوتا ہے۔ اس لیے ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا باطل ہے۔

دوسرے یہ کہ مجرم کی حیثیت ایسی ہے کہ اس نے بادشاہ کے گھر میں اس کے حرم میں اور اس کے دسترخوانِ کرم ، پر جرم کیا ہے اور جو باہر جرم کرکے یہاں آکر پناہ چاہے اس کا معاملہ اس طرح ہے جیسے کہ ایک آدمی نے بادشاہ کی بساط و حرم سے جرم کیا اس کے بعد پناہ لینے کے لیے حرم میں داخل ہوگیا۔

تیسرے حرم میں جرم کرنے والا ایسا ہے جس نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حرم اور بیت اللہ کی توہین کی ، گویا وہ دوہرا جرم ہے ، بخلاف دوسرے کے (کہ اس کا معاملہ ایسا نہیں ہے)

چوتھے یہ کہ اگر جرائم پیشہ لوگوں پر حرم میں سزا عائد نہ کی جائے تو اللہ کے حرم میں فساد ہو جائے گا اور ایک عظیم شر پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ دوسروں کی طرح اہلِ حرم بھی اپنی جان و مال اور عزت کو بچانا چاہتے ہیں اور اب اگر جرائم کے مرتکب پر حرم کے اندر ہی سزا عائد نہ کی جائے تو اللہ کے حدود معطل ہو کر رہ جائیں گے اور حرم اور اہلِ حرم کو ضرر عمومی پہنچے گا۔

حرم کے درخت نہ کاٹے جائیں

نیز آپؐ نے فرمایا کہ یہاں درخت نہ کاٹا جائے گا۔ دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ کانٹا بھی نہ توڑا جائے۔ اس میں اختلاف نہیں کہ خشکی کا وہ درخت جس کو آدمی خود کاشت نہ کرے یہاں وہ مراد ہے۔ البتہ جسے آدمی خود حرم میں کاشت کرے اس میں اختلاف ہے اور اس صورت میں تین اقوال ملتے ہیں۔

ایک تو احمدؒ کے مذہب میں یہ ہے کہ انسان کو اکھیڑنے کی اجازت ہے اور اس پر کوئی ضمان نہ ہوگی۔ ابن عقیل اور ابی خطاب وغیرہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔

دوسرا قول اسے اکھیڑنے کا اختیار نہیں اور اگر اس نے ایسا کیا تو ہر حالت میں اس پر ضمان ہوگا۔ یہ امام شافعیؒ کا قول ہے۔ ابن بنا نے خصال ثالث میں اس کا ذکر کیا ہے۔

تیسرے جو حل میں اگایا جائے اور پھر حرم میں بو دیا جائے ان میں فرق ہے یا جو ابتداء ہی میں حرم کے اندر بو دیا جائے۔ چنانچہ پہلی صورت میں ضمان نہ ہوگا اور دوسری صورت میں اسے اکھاڑنے کی اجازت نہیں اور اس پر قطعاً ضمان لازم آئے گا۔ یہ قاضی کا قول ہے۔

ایک چوتھا قول بھی ہے ، وہ یہ کہ بعض پودے آدمی اپنے مطلب کے اگاتا ہے اور کھجور وغیرہ اور بعض ایسے ہی جو اس جنس کے نہیں ہوتے اور آدمی اسے کاشت نہیں کرتے۔ پہلی صورت میں ان کا اکھاڑنا جائز ہے اور اس میں ضمان نہیں۔ دوسری صورت اکھاڑنا جائز نہیں اور اس میں ضمان ادا کرنا ہوگا۔

نیز حدیث نے سبز اور خشک میں فرق نہیں کیا لیکن (علمائے کرام) نے خشک کے کاٹنے کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا کہ یہ (خشک پودے) مردے کے قائم مقام ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔

خود بخود درخت گر جائے تو انتفاع جائز ہے

نیز حدیث میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ جب درخت خود بخود اکھڑ جائے یا اس کی ایک شاخ ٹوٹ جائے اس سے استفادہ جائز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام احمدؒ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا، تو آپؒ نے فرمایا کہ جس نے اسے شکار سے تشبیہہ دی ہے، وہ اس کی لکڑی سے انتفاع نہیں کرتا اور فرمایا، میں نے نہیں سنا کہ کٹ جانے کے بعد اس نے اس سے فائدہ اٹھایا ہو۔ اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ غیر قاطع کو اس سے انتفاع جائز ہے کیونکہ یہ اس کے فعل کے بغیر کٹ گیا۔ اس لیے اسے انتفاع کا حق حاصل ہے، جیسے کہ آندھی سے اکھڑ جائے۔ پتے کاٹنے کی صحت کے بارے میں بھی صراحت موجود ہے۔ امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اسے پتے لینے کا حق ہے۔ عطاءؒ سے بھی یہی مروی ہے لیکن ظاہر نص اور قیاس کے اعتبار سے پہلی صورت زیادہ صحیح ہے کیونکہ درخت کے پتوں کی حیثیت درخت کے لیے ایسی ہی ہے جیسے پرندے کے لیے پر ہوتے ہیں۔ نیز پتے کاٹنا شاخوں کے خشک ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ ان کا لباس ہیں اور ان کے تحفظ کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

حرم کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے

آپؐ کا یہ فرمان کہ حرم کی گھاس وغیرہ بھی نہ کاٹی جائے اس میں کوئی اختلاف نہیں اور اس سے مراد وہی پودے ہیں جو خود رو ہوں۔ وہ مراد نہیں ہیں جنہیں لوگ کاشت کریں اور خشک بھی حدیث میں داخل نہ ہوں گے بلکہ یہ حکم مخصوص طور پر سبز پودوں کے متعلق ہے، اور مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ (خشک) گھاس چن لیتے تھے، اور اذخر نص سے مستثنیٰ ہے اور اس کا استثناء ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم (اذخر) علاوہ باقی کے سب پر حاوی ہے۔

اگر کہا جائے کہ چرانے پر بھی عاید ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ ضمان عاید نہ ہوگا۔ اس صورت میں چرانا جائز ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے دوسرا یہ کہ معنوی طور سے اس پر بھی عاید ہوگا۔ اگرچہ ظاہر الفاظ اس پر حاوی نہیں، لہٰذا چرانا ناجائز ہوگا۔ یہ امام احمدؒ کا مذہب ہے اور اصحاب احمدؒ کے دو قول ملتے ہیں۔ حرام قرار دینے والے کہتے ہیں کہ چوپائے کے سامنے پیش کرنے، اختلاء اور چوپائے کو اس پر چھوڑنے میں کہ اسے وہ چرے کیا فرق ہے؟ اور

جائز بتانے والے فرماتے ہیں کہ چونکہ ہدایا (قربانی کے جانور) کا طریق کار یہی رہا ہے کہ وہ حرم میں داخل ہوتے اور کثرت کے ساتھ آیا کرتے۔ اور یہ بھی کسی سے منقول نہیں کہ ان کے منہ باندھ دیئے جاتے تھے۔ اس سے چرانے کا جواز نکلتا ہے۔ حرام بتانے والے اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ چرنے کے لیے جانور کو خود بھیجنے اور آئے ہوئے جانور کے خود بخود چرنے میں فرق ہے۔ بغیر اس بات کے کہ جانور کو اس پر مسلط کر دیا جائے اور اس پر یہ واجب نہیں کہ اس کا منہ باندھ دے، جیسے احرام کی حالت میں خوشبو کو سونگھنے سے بچنے کے لیے ناک کو بند کرنا واجب نہیں، اگرچہ قصداً خوشبو سونگھنا قطعاً جائز۔

حرم کے شکاری جانور نہ ستائے جائیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ حرم کے شکار کو پریشان نہ کرنا چاہیئے یہ اس بات کی صراحت ہے کہ قتل شکار اور اس کی گرفتاری کا کسی طریقہ سے بھی سبب بننا حرام ہے، حتیٰ کہ اسے اپنی جگہ سے بھگانا بھی نہیں چاہیئے کیونکہ اس جگہ وہ ایک محترم حیوان ہے، اور وہ سبقت کر کے ایک جگہ حاصل کر چکا ہے اس لیے وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ حرم کا جانور اگر کسی جگہ سبقت کر کے پہنچ جائے تو اسے وہاں سے پریشان کر کے (بھگایا) نہ جائے۔

حرم کے اندر گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ حرم میں گری ہوئی چیز کو جاننے والے کے سوا کوئی نہ اٹھائے اور ایک جگہ یہ الفاظ ہیں کہ اس کے لقطہ کو اٹھانا تعارف کرانے والے کے سوا جائز نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حرم کا لقطہ (گری پڑی چیز) کسی حال میں کسی کا مملوکہ نہیں اور اسے صرف اس کے مالک کو یا جاننے والے کو ہی اٹھانا چاہیئے نہ کہ مالک بننے کے لیے، ورنہ (حرم) سے تخصیص کا کچھ بھی فائدہ نہ رہے گا۔

البتہ اس میں اختلاف بھی ہے، امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حل اور حرم کے لقطہ کا ایک ہی حکم ہے۔ احمدؒ اور شافعیؒ کے دو اقوال و روایات میں سے ایک روایت اور قول یہی ہے اور ابن عمرؓ ابن عباسؓ اور عائشہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ دوسری روایت میں امام احمدؒ نے اور دوسرے قول میں امام شافعیؒ نے فرمایا، مالک بننے کے لیے لقطہ اٹھانا جائز نہیں، البتہ اس کی حفاظت کے لیے جائز ہے اور اگر اٹھا لے تو دائمی طور پر مشہور کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا مالک آجائے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی اور ابو عبیدہؓ کا یہی قول ہے اور حدیث بھی اس سلسلہ میں واضح ہے۔

قصاص یا دیت کا اختیار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان، کہ جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے اس کے لیے دو باتیں ہیں، یا تو (قاتل) کو قتل کر دیا جائے، یا دیت لے لے۔

اس حدیث سے اس بات کی دلیل نکلتی ہے کہ یہ صورت قتلِ عمد میں ہوگی اور قصاص ضروری طور پر متعین نہ ہوگا، بلکہ اسے دونوں میں سے ایک کا اختیار حاصل ہے۔ چاہے قصاص لے لے اور چاہے تو دیت لے لے۔

اگر کہا جائے کہ قاتل کے مر جانے کی صورت میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس کے متعلق ہم یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں دو قول مروی ہیں۔ ایک یہ کہ دیت ساقط ہو جائے گی۔ ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے، کیونکہ ان کے نزدیک قصاص واجب عین ہے اور اب اللہ کے فضل کے باعث قصاص لینے کا محل ہی ساقط ہو گیا۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک مجرم غلام مر جائے تو جرم کی سزا غلام کے آقا کی طرف منتقل نہ ہوگی۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ترکہ سے دیت وصول کی جائے گی، کیونکہ (اس کے مرنے کی صورت) میں صرف قصاص لینا محال ہو گیا، لیکن دیت ساقط نہ ہوگی۔ یہ واجب رہے گی۔

اذخر گھاس مستثنیٰ ہے

خطبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اذخر کو مستثنیٰ کرنا، جب کہ حضرت عباسؓ نے سوال کیا "سوائے اذخر کے"۔

اس سے دو مسئلے نکلتے ہیں، ایک یہ کہ اذخر (ایک قسم کی گھاس) کا کاٹنا مباح ہے۔ دوسرے یہ کہ استثناء میں یہ لازم نہیں کہ کلام کی ابتداء میں ہی اس کی نیت کر لی جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ کلام ختم کر کے چپ ہونے سے قبل (اس کا بھی تلفظ کر دیا جائے) کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کلام سے قبل اذخر کے استثناء کی نیت کی ہوتی یا کلام مکمل کرنے سے قبل نیت کر لیتے تو حضرت عباسؓ کے سوال پر ان کے بتا دینے تک خاموش نہ رہتے کہ اذخر ان کے گھروں اور غلاموں کے لیے ضروری ہے۔

کتابت حدیث کی اجازت

اس واقعہ میں ایک صحابی ابو شاہ کا قصہ بھی ہے۔ ابو شاہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ مبارک لکھ دو آپؐ نے فرمایا کہ ابو شاہ کو لکھ دو۔ آپؐ کی مراد اپنے خطبے سے تھی۔ یہ فرمان علم کے لکھنے اور حدیث کی کتابت کی نہی منسوخ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ (ابتداء میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو، وہ اسے مٹا دے۔

اسلام کی ابتدا میں یہ حکم اس لیے دیا گیا تھا تاکہ وحی متلو کا وحی غیر متلو سے اختلاط نہ ہو جائے۔ اس کے بعد پھر آپؐ نے حدیث کی کتابت کی اجازت دے دی۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ وہ حدیث لکھا کرتے تھے۔ اور ان کی تحریروں کے مجموعہ کا نام "صادقہ" تھا۔ حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اس مجموعہ احادیث کو روایت کیا۔ اور یہ مرویات تمام ذخیرہ احادیث سے زیادہ صحیح ہیں۔ بعض ائمہ حدیثؒ اس مجموعہ کو اس درجہ میں تسلیم کرتے (جس درجہ میں وہ روایات تسلیم کی جاتی ہیں جو) ایوبؒ نے نافعؒ سے اور انھوں نے ابن عمرؓ سے روایت کیں۔ نیز ائمہ اربعہ وغیرہم نے بھی ان سے استدلال کیا ہے۔

تصاویر کے سامنے نماز نہ پڑھنی چاہیے

اس میں یہ واقعہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے وہاں نماز پڑھی اور جب تک تصاویر کو مٹا نہ دیا گیا تب تک داخل نہ ہوئے۔ اس سنت کی رو سے ایسے مکان میں نماز کے مکروہ ہونے کا ثبوت ہے جس میں تصاویر ہوں اور حمام میں نماز ادا کرنے سے (تصاویر والے مکان میں نماز ادا کرنا زیادہ مکروہ ہے کیونکہ حمام میں نماز پڑھنے کی کراہت نجاست کے خیال سے یا اس وجہ سے ہے کہ حمام شیطان کا گھر ہوتا ہے اور وہ صحیح ہے۔ رہا تصاویر کا کمرہ تو اس ہی شرک کا گمان ہوتا ہے اور زیادہ تر اقوام میں تصاویر اور قبروں کے واسطہ سے شرک آیا ہے۔

آپؐ نے سیاہ عمامہ بھی باندھا

اس واقعہ میں یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ نے سیاہ عمامہ باندھ رکھا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ عمامہ باندھ لینے کا جواز بھی نکلتا ہے اسی وجہ سے خلفائے بنو عباس نے سیاہ پوشی کو اپنا اور اپنے گورنروں قاضیوں اور خطباء کا سرکاری شعار قرار دیا، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل اس قسم کا لباس زیب تن نہیں فرمایا اور نہ عیدین، جمعہ اور عام اجتماعات کے موقع پر آپؐ کا یہ شعار تھا بلکہ فتح مکہ کے روز صحابہؓ کے سوا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقی طور پر سیاہ عمامہ باندھ لیا اس روز آپؐ کا تمام لباس سیاہ نہ تھا بلکہ آپؐ کا جھنڈا بھی سفید تھا۔

متعہ کے بارے میں فیصلہ

نیز اس غزوہ میں عورتوں سے متعہ کرنا بھی مباح تھا لیکن اس کے بعد مکہ سے نکلنے سے پیشتر ہی حرام کر دیا گیا۔ متعہ کے حرام ہونے کے وقت میں البتہ اختلاف ہے۔ اور اس کے متعلق چار اقوال ملتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ خیبر کے دن حرام ہوا۔ یہ قول بھی علمائے کرام کے ایک گروہ کا ہے جس میں شافعیؒ وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فتح مکہ کے سال حرام ہوا۔ یہ ابن عیینہؒ اور علمائے کرام کی ایک جماعت کا خیال ہے۔

۳۔ تیسرا قول حنین کے سال کے متعلق ہے۔ درحقیقت یہ قول ثانی ہی ہے کیونکہ فتح مکہ کے فوراً بعد غزوہ حنین واقع ہوا۔

۴۔ چوتھا قول حج الوداع کے سال سے متعلق ہے۔ اور یہ قول بعض رواۃ کا وہم ہے۔

ان میں صحیح قول یہ ہے کہ متعہ فتح کے سال حرام کیا گیا۔

صحیح مسلمؒ سے ثابت ہے کہ صحابہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ فتح مکہ کے سال آپؐ کی اجازت سے متعہ کیا۔ اگر یہ کام خیبر کے دن ہی حرام کر دیا گیا ہوتا تو دو مرتبہ اس کا منسوخ ہونا لازم آئے گا اور شریعت میں اس کی مثال قطعاً نہیں ملتی۔

نیز خیبر کے دن فوج کے ساتھ مسلمان عورتیں نہ تھیں، بلکہ یہودی عورتیں موجود تھیں اور اس زمانہ میں ابھی تک اہل کتاب عورتوں کی اباحت کا حکم نازل نہ ہوا تھا بلکہ یہ اس واقعہ کے بعد سورہ مائدہ میں مباح قرار دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم والمحصنات من المومنات، والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم

اہل کتاب کی عورتیں کب حلال ہوئیں؟

اسی طرح اس خیبر کے روز اہل کتاب کی عورتیں حلال ہی نہ تھیں اور نہ فتح سے قبل مسلمانوں کو دشمنوں کی عورتوں سے کچھ دلچسپی اور رغبت تھی۔ البتہ فتح کے بعد ان میں سے بعض گرفتار ہو گئیں اور مسلمانوں کی لونڈیاں قرار دے دی گئیں۔ اور یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک غیر معروف تھا۔ اس وقت اس کی شہرت ہوئی تو نزاع واقع ہو گیا۔ (اور نزاع ہونے نیز اس مسئلہ کے متعلق تمام روایات سامنے آجانے کی وجہ سے) اس کی حرمت (حرام ہونا) ظاہر ہو گئی۔

مسلمان عورت کافر کو امان دے سکتی ہے

فتح کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمہ عورت کو بھی ایک یا دو مردوں کو امان دے دینا جائز ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ہانیؓ کے امان دینے پر ان کے امان کی توثیق فرما دی۔

نیز اس سے مرتد کے قتل کا جواز بھی ملتا ہے جس کا ارتداد توبہ نہ کرکے شدید صورت اختیار کر گیا ہو۔ کیونکہ عبداللہ بن سعید بن ابی سرح نے اسلام قبول کرکے ہجرت بھی کی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی بھی لکھا کرتا تھا۔ پھر مرتد ہو گیا اور مکہ میں کفار سے جا ملا۔ جب فتح مکہ کا دن آیا تو حضرت عثمان رضی عفان اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تاکہ بیعت کرادیں۔ آپؐ نے دیر تک ہاتھ روکے رکھا۔ پھر بیعت لی اور فرمایا:

میں نے اس لیے ہاتھ روک رکھا تھا کہ تم میں سے کوئی اٹھے اور اس کی گردن مارے۔

ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، آپؐ نے میری طرف اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ آپؐ نے فرمایا کہ نبی کو مناسب نہیں کہ اس کی آنکھیں خیانت کرنے والی ہوں۔

غزوۂ حنین

مسلمانوں کی شکست اور فتح کا راز

آں حضرتؐ کی استقامت

یہ مکہ اور طائف کے درمیان دو جگہیں ہیں۔ اس جگہ کے نام پر اس غزوہ کا نام پڑ گیا۔ اس کو غزوہ ہوازن بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ (بنو ہوازن) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جنگ کرنے کے لیے آئے تھے۔

ابن اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ جب ہوازن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور فتح مکہ کی خبر سنی تو وہ مالک بن عوف نضری سے جا ملے۔ اور ہوازن کے علاوہ بنو ثقیف بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ نیز مضر، جشم کے تمام افراد اور سعد بن بکر بھی ان سے مل گئے اور مالک بن عوف نضری کو لوگوں کے مشورہ سے حکم بنا دیا گیا۔ جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آئے تو مردوں کے ساتھ ساتھ اپنے اموال، عورتوں اور بچوں کو بھی لے آئے۔ جب اوطاس میں اترے تو لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ان میں درید بن صمہ بھی تھا۔ اترنے کے بعد پوچھا کہ تم کس وادی میں ہو؟ جواب ملا اوطاس میں! کہنے لگا:

میں اونٹوں کی بلبلاہٹ۔ گدھوں کی آواز۔ بچوں کی چیخ پکار اور بکریوں کی منمناہٹ (ہر چیز) سن رہا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ مالک بن عوف لوگوں کو ان کی عورتوں۔ اموال اور بچوں کے ہمراہ لایا۔ اس نے پوچھا مالک کہاں ہے؟

جواب ملا، یہ ہے مالک! اور اسے بلا لیا گیا۔

اس نے کہا اے مالک آج تو اپنی قوم کا سردار بن چکا ہے۔ کیا بات ہے کہ اونٹوں کی بلبلاہٹ گدھوں کی آواز۔ بچوں کی چیخ پکار اور بکریوں کی منمناہٹ سن رہا ہوں؟

اس نے کہا میں نے ان کے ساتھ ان کی عورتوں، بچوں اور اموال کو لے کر آیا ہوں۔

اس نے پوچھا، کیوں؟

اس نے کہا میں نے چاہا کہ ہر آدمی کے پیچھے اس کے اہل وعیال اور مال کو بٹھا دوں۔ تاکہ اس کی حفاظت کے خیال سے (خوب جوش) سے لڑے۔

اس نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم تو بھیڑوں کا چرواہا ہی نکلا۔ کیا شکست کھانے والے کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ (یاد رکھ) تجھے صرف تلوار اور نیزے سے مسلح سپاہی ہی فائدہ دے سکتا ہے اور اگر تجھے شکست ہوگئی۔ تو تو اپنے اہل وعیال اور مال کی جانب سے بھی رسوا ہوگا۔

درید بن صمہ کی جنگی ہدایتیں اس کے بعد درید بن صمہ نے اُسے جنگی نصیحتیں کیں، اور اہل وعیال کو واپس کرنے کا مشورہ دیا لیکن مالک نے اس کے تمام مشورے رد کر دیئے) اور لوگوں سے کہا کہ جب تم انھیں (مسلمانوں کو) دیکھو تو تلواروں کی نیامیں توڑ دو اور فرد واحد کی طرح پورے اتحاد سے سخت ترین حملہ کرو۔

نیز اس نے اپنے چند مخبر بھیجے وہ واپس آئے تو اس حال میں کہ ان کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔

اس نے پوچھا تمہارا ناس ہو" تمہاری کیا حالت ہے؟

وہ کہنے لگے کہ ہم نے سفید لباس میں ملبوس آدمیوں کو گھوڑوں پر دیکھا ہے۔ اللہ کی قسم ہم ٹھیر نہ سکے حتیٰ کہ جو تو دیکھ رہا ہے۔ ہماری یہ حالت ہوگئی۔

حبیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو آپ نے عبد اللہ بن ابی حدرد اسلمی کو بھیجا اور انھیں لوگوں میں داخل ہو جانے کا حکم دیا، وہ ان میں داخل ہوگئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے سے متعلق جو کچھ انھوں نے تیاری کر رکھی تھی۔ تمام احوال سنے اور مالک سے بھی (تمام باتیں) سنیں اور ہوازن کے ارادے معلوم کر کے واپس آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعات کی خبر دی۔

اس کے بعد حبیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہوازن کی طرف سفر کیا تو آپ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ صفوان بن امیہ کے پاس زرہیں اور ہتھیار ہیں۔ آپ نے اس کے پاس پیغام بھیجا۔ وہ اس زمانہ میں مشرک تھا۔

مشرک سے مدد لی جاسکتی ہے آپ نے فرمایا اے ابو امیہ ہمیں اپنے ہتھیار مستعار دو۔ کل ہم ان سے اپنے دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

صفوان بولا، اے محمد، غصب کرنا چاہتے ہو؟ آپ نے فرمایا، نہیں مستعار لے رہا ہوں۔

اور واپس دینے کی ضمانت لیتا ہوں ۔

وہ کہنے لگا۔ اچھا پھر کوئی ہرج نہیں ۔ اس نے آپؐ کی خدمت میں ایک سو زرہیں پیش کیں، اور ساتھ ہی بقدر کفایت ہتھیار بھی مہیا کیے ۔ نیز خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سواریوں کے متعلق بھی فرمایا۔ اس کی تعمیل بھی کی ۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے ۔ آپؐ کے ہمراہ اہل مکہ کے دو ہزار اور مدینہ سے آنے والے دس ہزار مسلمان تھے جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کرایا ۔ مسلمانوں کی کل تعداد بارہ ہزار ہو گئی ۔ آپؐ نے عتاب بن اسوید کو مکہ پر سردار بنا دیا ۔ پھر ہوازن سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلے ۔ ابن اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ سے انھیں عبدالرحمٰن بن جابر سے انھیں اپنے والد جابر بن عبداللہ سے روایت ملی کہ فرمایا کہ جب ہم وادی حنین میں آئے تو ہم حطوط کے درمیان ایک وادی میں اترے ۔ اور ہم اتر رہے تھے کہ (دشمن) کی قوم نے وادی پر ہم سے پہلے قبضہ کر لیا تھا ۔ چنانچہ وہ لوگ غاروں ۔ اطراف اور تنگ مقامات پر چھپ گئے اور حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار اور مستعد ہو گئے ۔ اللہ کی قسم ہمیں خیال بھی نہ تھا کہ ہم چاروں طرف سے فوج میں گھر گئے ہیں انھوں نے اتحاد کے ساتھ حملہ کیا ۔ اور ہم لوگ واپس بھاگ کھڑے ہوئے کوئی ایک دوسرے کی طرف نہ جاتا ۔

بھاگنے والوں کو رسولؐ کا بلاوا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب ہٹ گئے ۔ پھر آپؐ نے فرمایا ، لے لوگو! کہاں جا رہے ہو ؟ میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں میں محمد بن عبداللہ ہوں ۔

اور حالت یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہاجرین اور اہل بیت میں سے چند آدمی باقی رہ گئے تھے ۔ مہاجرین میں سے آپ کے ساتھ جو رہ گیا ۔ ان میں سے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ تھے اور اہل بیت میں سے حضرت علیؓ ۔ عباسؓ ۔ ابوسفیانؓ بن حرث ۔ ان کا بیٹا فضل بن عباس ربیعہؓ بن حرث ۔ اسامہؓ بن زید اور ایمن بن ام ایمنؓ تھے ۔ یہ موخر الذکر اسی دن شہید ہو گئے تھے ۔ راوی نے بتایا کہ ہوازن میں سے اس روز ایک آدمی جو بنو ہوازن کے آگے آگے ایک سرخ اونٹ پر سوار تھا اور اس کے ہاتھ میں سیاہ جھنڈا تھا اور ایک لمبا نیزہ اس کے سر سے دور پر نکل رہا تھا اور ہوازن اس کے پیچھے پیچھے آرہے تھے ۔ جب اسے نیزہ لگا اور لوگوں نے اسے نہ پایا تو اس کے پیچھے والے نے نیزہ اٹھا لیا ۔ وہ اس کے پیچھے لگ گئے ۔ اسی حالت میں حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ایک انصاریؓ نے اس پر حملہ کر دیا اور کام تمام کر دیا ۔

ایک دشمن رسولؐ کی کہانی

اور بتایا، اللہ کی قسم ان کی شکست کے بعد لوگوں کی ابھی واپسی بھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کے گرفتار شدگان موجود تھے۔ ابن سعد نے شیبہ بن عثمان حجی سے نقل کیا کہ فتح کے سال جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو میں بھی قریش کے ہمراہ حنین میں بنو ہوازن کے مقابلہ میں گیا اس خیال سے کہ شاید مجھے کوئی موقع مل جائے اور میں محمدؐ سے کچھ بدلہ لے سکوں، بلکہ تمام قریش کی جانب سے میں ہی بدلہ لے لوں۔ اور میں کہہ رہا تھا کہ (نعوذ باللہ) اگر تمام عرب اور عجم نے بھی محمدؐ کی بیعت کرلی تو بھی میں اس کا اتباع نہ کروں گا۔

اور جب میں نکلا تو میرا ارادہ پختہ تر ہی ہو رہا تھا چنانچہ جب (میدان حرب) میں لوگوں کا اختلاط ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر سے نیچے اتر آئے۔ میں نے تلوار سونتی اور آپؐ کے قریب ہوگیا۔ اور میں نے جو ارادہ کر رکھا تھا کر لیا۔ میں نے تلوار اٹھا بھی لی تھی اور میں سمجھ رہا تھا کہ اب یہ خاص انھیں پر جا رہی ہے کہ اچانک آگ کا ایک شعلہ میرے سامنے بلند ہوا جیسے بجلی ہو اور وہ مجھے بھسم کر کے رکھ دینا چاہتا ہو۔ میں نے ڈر کر اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ کی۔ آپؐ نے مجھے آواز دی اے شیب! میرے نزدیک ہو۔ میں آپؐ کے قریب ہوگیا آپؐ نے میرے سینہ پر (ہاتھ) پھیرا اور دعا فرمائی اے اللہ اسے شیطان سے بچا (شیب) کہتا ہے کہ اس وقت آپؐ مجھے اپنے کان۔ بصارت اور جان سے زیادہ محبوب بن چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے (برا خیال) دور کر دیا۔

جان کے دشمن سے آپؐ کا خطاب

پھر آپؐ نے فرمایا، قریب ہو جا اور جہاد کر۔ پھر میں آپؐ سے آگے آگے بڑھا اور تلوار مارنے لگا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ میں چاہتا تھا کہ میں آپؐ کو اپنی ہر چیز کے عوض میں بچا کر رکھوں۔ اور اس وقت اگر میں اپنے باپ کو مقابلے پر دیکھتا اگر وہ زندہ ہوتا تو اس پر بھی تلوار چلا دیتا۔ چنانچہ میں آپؐ کے ہمراہ رہنے والوں کے ساتھ ہی رہا یہاں تک کہ مسلمان واپس ہوئے اور لوٹ کر دوبارہ فرد واحد جیسے اتحاد کے ساتھ حملہ کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خچر پیش کیا گیا۔ آخرکار آپؐ اپنے خاص لشکر میں تشریف لائے اور اپنے خیمے میں داخل ہو گئے۔ میں بھی آپؐ کے بعد داخل ہوگیا اور میرے سوا کوئی داخل نہ ہوا۔ میں آپؐ کے چہرہ انور کی زیارت کرنے اور شدت فرحت کے باعث اندر گیا۔

آپؐ نے فرمایا، اے شیبہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ اس سے بہتر ارادہ فرمایا، جو تونے اپنے لیے ارادہ کیا، پھر آپؐ نے مجھے میرے تمام مضمر ارادے بتادیئے۔

میں نے عرض کیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔
پھر میں نے عرض کیا، میرے لیے بخشش کی دعا کیجئے۔

آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔

ابن اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے زہریؒ نے بتایا انھیں کثیر بن عباس سے انھیں اپنے والد عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت ملی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا اور آپؐ کے سفید خچر کی لگام تھامے ہوئے تھا، اور میں ایک موٹا جسیم اور بلند آواز والا آدمی تھا۔

(حضرت عباسؓ) بتاتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب آپؐ نے لوگوں کو (بھاگتے) دیکھا، اے لوگو، کہاں جاتے ہو؟

(حضرت عباس) بتاتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ کسی چیز کی طرف دھیان نہیں دے رہے۔
آپؐ نے فرمایا: اے عباس زور سے آواز دو، اے انصار کی جماعت، اے اصحاب سمرہ
چنانچہ اس پر سب نے لبیک لبیک (میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں) کی صورت میں جواب دیا۔
جب ایک سو آدمی جمع ہوگئے تو انھوں نے دشمن کی طرف منہ کیا اور قتال کیا، چنانچہ پہلی آواز یہ تھی، اے انصار پھر فرمایا اے خزرج۔ اور یہ لوگ لڑائی کے موقع پر ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اب میدان کارزار گرم ہوگیا۔

اور فرمایا:

انا ابن عبد المطلب	انا النبی لا کذب
میں عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں	میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں

آں حضرتؐ کا ایک معجزہ

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اٹھائیں، انھیں کفار کے چہروں پر مارا اور فرمایا محمد کے پروردگار کی قسم (کفار) شکست کھا گئے۔

آپؐ نے یہ کنکر مارے ہی تھے کہ میں ان کی طرف دور تک دیکھ رہا تھا کہ (کفار) شکست کھاکر واپس بھاگنے لگے۔ روایت کا ایک لفظ یہ بھی ہے کہ آپؐ خچر سے اتر آئے اور زمین پر سے مٹی کی ایک

مٹھی اٹھائی۔ پھر کفار کے چہروں پر دے ماری۔

چنانچہ ان میں سے اللہ نے کوئی انسان بھی ایسا پیدا نہ کیا تھا کہ جس کی آنکھوں میں اس مٹھی کی مٹی نہ پڑ گئی ہو۔ چنانچہ وہ پیٹھ پھیر کر واپس بھاگ اٹھے اور مالک بن عوف بھاگ کر بنو ثقیف کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ یہ تمام چیزیں جمع کی گئیں اور جعرانہ کے مقام پر رکھ دی گئیں۔ اس دن چھ ہزار پارچے، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔

نومسلموں کے ساتھ خاص رعایت اور سلوک

پھر آپؐ نے مالِ غنیمت کو تقسیم کرنا شروع فرمایا اور عام مسلمانوں سے قبل مؤلفۃ القلوب کو عطا فرمایا۔ چنانچہ آپؐ نے ابوسفیانؓ کو چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ مرحمت فرمائے۔

(ابوسفیان) کہنے لگے، میرا بیٹا یزید ہے، آپؐ نے فرمایا اسے بھی چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ دیئے۔

پھر کہنے لگا، میرا بیٹا معاویہؓ ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اسے بھی چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ دو۔

نیز آپؐ نے حکیم بن حزام کو ایک سو اونٹ عطا فرمایا۔ انھوں نے دوبارہ درخواست کی۔ آپؐ نے ایک سو اور عطا فرمایا۔

نیز آپؐ نے نضر بن حرث بن کلدہ کو ایک سو اونٹ عطا کیے۔

نیز علاء بن حارثہ ثقفی کو پچاس اونٹ عطا فرمائے۔

اسی طرح راوی نے سو اور پچاس والے اصحاب کا ذکر کیا ہے اور (بتایا) ہے کہ آپؐ نے عباس بن مرداس کو چالیس اونٹ مرحمت کیے۔ انھوں نے اس کے متعلق ایک (تعریضی) شعر عرض کر دیا۔ آپؐ نے سو پورے کر دیے۔

اس کے بعد آپؐ نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ غنائم اور لوگوں کو سامنے لایا جائے۔ اس کے بعد تمام لوگوں پر وہ مال تقسیم ہوا، تو چار چار اونٹ اور چالیس چالیس بکریاں ہر آدمی کے حصہ میں آئیں اور جو سوار تھے انھیں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں۔

ابن اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بتایا انھیں محمود بن لبید نے انھیں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ملی۔ انھوں نے فرمایا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بڑے بڑے

عطایا قریش میں اور قبائل عرب میں تقسیم فرمائے اور انصار رضی کو ان میں سے کچھ بھی نہ ملا تو انصار کے ایک قبیلہ کے دل میں کچھ خیال سا گذرا، حتیٰ کہ کثرت سے باتیں ہونے لگیں، یہاں تک کہ ایک آدمی نے یہ بھی کہہ دیا کہ :

اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کا خیال کرتے ہیں۔

حضرت سعد رضی بن عبادہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول، انصار کا یہ قبیلہ آپ کے متعلق اپنے دل میں کچھ (غلط) باتیں رکھتا ہے، جب کہ آپ نے اس غلیمت کا بڑا حصہ اپنی ہی قوم میں تقسیم کیا اور آپ نے قبائل عرب کو بڑے بڑے عطایا مرحمت فرمائے ہیں لیکن انصار کے اس قبیلہ کو کچھ نہیں ملا۔

آپ نے فرمایا، اے سعد رضی تم اس بات کے ہوتے ہوئے کہاں ہو؟ انھوں نے جواب دیا، اے اللہ کے رسول میں اپنی قوم ہی میں ہوں۔

آپ نے فرمایا، اپنی قوم کو یہاں بلا کر لاؤ۔

فرمایا کہ مہاجرین میں سے کچھ لوگ آئے۔ آپ نے انھیں چھوڑ دیا۔ پھر دوسرے آئے، انھیں لوٹا دیا۔ جب تمام انصار جمع ہو گئے۔ سعد رضی آئے اور عرض کیا (اے رسول اللہ) انصار کا یہ قبیلہ آپ کے حکم پر جمع ہو گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا :

جماعت انصار سے رسولؐ اللہ کا خطاب

اے انصار کی جماعت، مجھے تمہاری ایک بات پہنچی ہے کہ تمہارے قلوب میں وہ چیز کھٹکتی ہے، کیا تم گمراہ نہ تھے، پھر اللہ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی اور کیا تم مفلس نہ تھے مگر اللہ نے میری وجہ سے تمہیں غنا عطا کیا؟ کیا تم آپس میں دشمن نہ تھے۔ پھر اللہ نے (میری وجہ سے) تمہارے دلوں میں محبت بھر دی؟

انھوں نے جواب دیا، اللہ اور اس کے رسول کا بہت بڑا احسان اور فضل ہے۔

پھر فرمایا، اے انصار کی جماعت تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟

انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے رسول کا ہی احسان اور فضل ہے۔

آپ نے فرمایا، اللہ کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور تم سچ کہو گے اور میں تمہاری تصدیق کروں گا

کہ اے محمدؐ تو ہمارے پاس آیا جب (قریش نے) تیری تکذیب کی تھی اور ہم نے تیری تصدیق کی تو کمزور تھا، ہم نے تیری مدد کی۔ تجھے وطن سے نکال دیا گیا۔ ہم نے تجھے پناہ دی تو مفلس آیا تھا ہم نے تیری مواسات کی۔

کیا تمہارے دلوں میں دنیا کی محبت ہے؟ میں نے اس (مال غنیمت) سے ایک قوم کا دل رکھا ہے تاکہ وہ اسلام میں پختہ ہو جائے اور تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کر دیا ہے۔

اے انصار کی جماعت کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسولؐ کو لے جاؤ؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو کچھ تم لے کر جا رہے ہو، وہ اس سے بہتر ہے کہ جسے وہ لے کر جا رہے ہیں۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں کا ایک آدمی ہوتا۔ اور اگر لوگ ایک علاقہ اور وادی میں چلیں اور انصار دوسرے علاقے اور وادی میں چلیں تو میں انصار کے علاقے اور ان کی وادی میں چلوں گا۔ انصار شعار (اصل) ہیں اور لوگ دثار (بڑی چادر) ہیں، اے اللہ انصارؓ پر، انصار کے بیٹوں پر اور انصارؓ کے پوتوں پر رحم فرما۔

راوی بتاتے ہیں کہ انصار رو پڑے حتیٰ کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر راضی ہوئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور لوگ بھی منتشر ہو گئے

رضاعی بہن سے آپؐ کا حسن سلوک

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ہمشیرہ شیماء بنت حرث بن عبد العزیٰ حاضر ہوئیں اور عرض کیا،

اے اللہ کے رسول، میں آپؐ کی رضاعی بہن ہوں۔

آپؐ نے فرمایا اس کا ثبوت؟

انھوں نے عرض کیا، میں آپؐ کو اٹھائے ہوئی تھی کہ آپؐ نے میری پیٹھ میں کاٹا تھا یہ ہے وہ نشان۔

راوی کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علامت سے پہچان لیا اور ان کے لیے اپنی چادر بچھا دی اس پر بٹھایا اور آپؐ نے ان پر احسان فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو اکرام و احترام سے رہو گی۔ اور اگر اپنی قوم کی طرف جانا چاہو تو بھی میں عطا کروں گا۔ انھوں نے عرض کیا آپؐ انعام دیجئے اور مجھے اپنی قوم کی طرف لوٹا دیجئے۔ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔

دشمن کے تمام جنگی قیدیوں کو آپؐ نے رہا کر دیا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو ہوازن کا ایک وفد آیا - یہ چودہ آدمی تھے اور زہیر بن صرد ان کا سردار تھا - نیز ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی چچا ابو برقان تھے - انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غلاموں اور اموال کی درخواست کی - نیز انھوں نے اپنے گرفتار شدگان کی واپسی کی درخواست کی - نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمائی اور تمام قیدی واپس کر دیئے -

غزوۂ حنین سے متعلق

مسائل فقہیہ اور نکتہ ہائے حکمت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ساتھ وعدہ کیا۔ اور وہ سچے وعدے والا ہے کہ جب آپ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو آپ ﷺ کے دین میں لوگ گروہ در گروہ داخل ہو گئے۔ اور تمام عرب نے آپ ﷺ کی اطاعت کرلی۔ جب یہ فتح مبین مکمل ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی حکمت سے بنو ہوازن اور ان کے اتباع کے دل اسلام لانے سے رک گئے اور انھوں نے قوم کو جمع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے تاکہ اللہ کا امر ظاہر ہو جائے اور اس کے رسول اور اس کے دین کی عزت و حرمت ظاہر ہو جائے تاکہ ان کے غنائم اہل فتح کے لیے تشکرانہ کے طور پر بن جائیں۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور اپنے بندوں کو غالب کر دے۔ اور اس عظیم شوکت کے باعث کہ اس سے قبل اہل اسلام کو کبھی بھی ایسی عظمت حاصل نہ ہوئی (کفار پر) غالب کر دے تاکہ اس کے بعد کوئی عرب ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

اس کے علاوہ بھی کئی حکمتیں تھیں جو غور کرنے والوں کے سامنے آسکتی ہیں اور فکر کرنے والوں کو معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضا یہ ہوا کہ دشمنوں کی کثرت تعداد اور عظمت شان و شوکت کے باوجود انھیں شکست اور ہزیمت کا مزہ چکھائے تاکہ فتح کے باعث جو سر اٹھے وہ جھک جائے اور اللہ کے شہر اور حرم میں اس طرح داخل نہ ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فاتحانہ) طور پر (لیکن پھر) اپنے سر کو نیچے رکھے۔ گھوڑے پر اس قدر جھکے تھے کہ آپ کی ٹھوڑی پروردگار کے سامنے عجز اور اس کی عظمت کے سامنے انکساری اور اس کی عزت کے سامنے خضوع کرتے ہوئے کاٹھی سے لگ رہی تھی۔

اور اللہ نے اپنا شہر اور حرم اپنے نبی کے لیے حلال کیا۔ آپؐ کے بعد اور آپؐ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا

ایک سوال اور اس کا جواب

نیز اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے عساکر کو مکہ کے غنائم سے منع کر دیا۔ انھوں نے یہاں کسی قسم کا کوئی سونا چاندی۔ مال و متاع۔ قیدی اور زمین وغیرہ حاصل نہ کی جیسے ابوداؤد نے وہب بن منبہ سے روایت فرمایا کہ میں نے حضرت جابرؓ سے دریافت کیا کیا فتح مکہ کے دن آپؐ نے لوگوں کو کچھ مالِ غنیمت ملا۔ وہ کہنے لگے، نہیں، بلکہ (صحابہؓ) نے اس شہر کو گھوڑوں اور سواروں سے فتح کیا تھا اور ان کی تعداد دس ہزار تھی' اور انھیں ان ضروریات کی حاجت بھی تھی جو اسباب قوت کی طرح ایک لشکر کو درپیش ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین کے دلوں کو جنگ کی تحریک دی۔ اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اپنے اموال، چوپائے بکریاں اور ساتھ ہی عورتوں کو بھی لے کر آئیں تاکہ اللہ کے لشکر کی ضیافت اور کرامت ہوجائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی تقدیر پوری ہوکر رہے کہ اس نے انھیں فتح عطا کی اور نصرت کے مبادی ظاہر فرما دیئے تاکہ اللہ اس کام کو پورا کردے جو ہونے والا تھا۔

عنایات رسولؐ کا نتیجہ، قبول اسلام

اُس طرح جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اپنے اولیاء کے لیے مدد نازل فرمائی اور غنائم بھی آگئے اور ان میں اللہ اور اس کے رسول کا حصہ جاری ہوگیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ہمیں تمہاری جانوں تمہاری عورتوں اور بچوں کی کچھ ضرورت نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین (بنو ہوازن) کے قلوب میں توبہ اور انابت ڈال دی۔ اور وہ مسلمان بن کر حاضر ہوئے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے حسنِ اسلام کی تحسین کے طور پر ہم تمہاری عورتوں بچوں اور قیدیوں (غلاموں) کو واپس کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ نے تمہارے قلوب بہتر دیکھے تو تمہیں اس سے بہتر عطا کرے گا جو تم نے لیا تھا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

نیز اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کی دلجوئی فرمائی اور انھیں فرحت عطا فرمائی کیونکہ نصرت اور غنائم ملیں اور یہ معاملہ دوان گیا جب کہ (اس سے قبل) دل ٹوٹ چکے تھے۔ نیز یہ ٹھیک ٹھیک اہل مکہ کی دلجوئی اور ان پر اتمام نعمت تھا کہ بنو ہوازن کے شر سے انھیں بچالیا کیونکہ تنہا قریش میں ان کے مقابلے کی ہمت نہ تھی بلکہ مسلمانوں کے ذریعہ ان کی نصرت فرمائی اور وہ

تنہا ہوئے تو ان کا دشمن ان کا صفایا کر دیتا۔

نیز اس کے علاوہ کئی حکمتیں ہیں کہ جنھیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے بغیر کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ نیز اس میں بعض مسائل فقہ بھی حل ہو جاتے ہیں۔

مثلاً یہ کہ امام کو چاہیے کہ مخبر (جاسوس) بھیجے جو کہ دشمن کی فوج میں داخل ہو کر ان کی خبریں مہیا کریں اور جب امام کو دشمن کے حملے کا ارادہ معلوم ہو اور اس کے لشکر کی جمعیت اور قوت کا پتہ چلے۔ تو وہ غار میں نہ بیٹھا رہے بلکہ خود چل کر مقابلہ کرے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہوازن کی طرف خود تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ حنین کے مقام پر مقابلہ ہوا۔

مشرکین سے مدد لینے کا جواز

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مشرکین سے ہتھیار اور دشمن سے لڑنے کے لیے جنگی سامان حاصل کرے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے زرہیں حاصل کیں، حالانکہ وہ اس دن مشرک تھا۔

مادی اسباب کا استعمال منافی توکل نہیں

نیز اس میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام مادی اسباب جو اللہ تعالیٰ نے نتائج کے لیے تیار رکھے ہیں انھیں استعمال میں لانا یہ طریقہ توکل کا نتیجہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب توکل کے لحاظ کامل تھے۔ لیکن پھر بھی وہ جب دشمن کے مقابلہ میں آئے تو کئی انواع کے ہتھیاروں سے اپنا تحفظ کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سر پر خود تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل فرما دی تھی وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی اور اللہ تعالیٰ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا۔"

ابوالقاسم نے ابن عساکر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی عورت کے واقعہ کے بعد جب اس نے ایک زہر آمیز بکری پیش کی تھی (اس کے بعد) آپؐ کو کوئی آدمی کھانا پیش کرتا تو آپؐ اسے تب تک نہ کھاتے جب تک کہ پیش کرنے والا اس میں سے خود (کچھ نہ کچھ) کھا نہ لیتا۔ علمائے کرام بتلاتے ہیں کہ اس میں بادشاہوں کے لیے اسوہ ہے۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے وعدہ دیا کہ وہ اپنا دین تمام ادیان پر غالب کر دے گا اور اسے بلندی اور رفعت عطا کرے گا۔ یہ وعدہ اللہ کے امر قتال اور قوت عسکری اور گھوڑے تیار کرنے کے حکم کے خلاف نہیں اور اس بات کے منافی بھی نہیں کہ جو اس نے دشمن سے بچاؤ اور تحفظ اور ہر قسم کی جنگ اور

توریہ سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو زندگی کی ضمانت دی یہاں تک کہ آپؐ پیغام رسالت پہنچا دیں اور اپنے دین کو غالب کر دے۔ چنانچہ آپ خورد و نوش، لباس اور جائے سکونت کے لحاظ سے تمام اسباب زندگی حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

اور یہ وہ مقام ہے کہ جہاں اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے حتیٰ کہ بعض نے دعا کرنا بھی ترک کر دی۔ اور یہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں، کیونکہ اگر مطلوب ان کے مقدر میں لکھا ہے تو پھر ضرور مل کر رہے گا اور اگر مقدر میں نہیں ہے تو بالکل نہ ملے گا۔ اس لیے دعا میں مصروف رہنے کا فائدہ ہی کیا ہے؛ ایسے خبط الحواس آدمی کی مثال اس طرح ہے کہ وہ یوں کہے اگر اللہ تعالیٰ نے شکم سیر ہونا میرے مقدر میں لکھا ہے تو شکم سیر ہو کر رہوں گا۔ چاہے میں کھاؤں یا نہ کھاؤں اور اگر شکم سیر ہونا میرے مقدر میں نہیں ہے تو چاہے کھاؤں یا نہ کھاؤں ہرگز شکم سیر نہ ہوں گا۔ اس لیے کھانے کا فائدہ ہی کیا ہے اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور شریعت انتظامیہ کے منافی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے توفیق ہے۔

متعار اسلحہ لیتے وقت شرط ضمان

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے اسلحہ متعار لیتے وقت ضمان کی شرط لگا دی۔ بلکہ ضمانت پر اسلحہ متعار لیے گیا شریعت میں متعار لینے کے متعلق یہ ایک باقاعدہ مسئلہ کی بنیاد تھی اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کی آپؐ نے وضاحت فرمائی؟ کہ اس کا حکم ضمان کا ہے جیسے غصب شدہ کی ضمان پڑتی ہے۔ بالعینہ اس اسلحہ کی واپسی کی ضمانت تھی اور اس کا مطلب یہ تھا کہ میں انھیں واپس کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔ اور یہ ضائع نہ ہوں گے بلکہ میں اسی حالت میں انھیں واپس کروں گا۔

فقہاء کا اختلاف اور اقوال متعددہ

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ پہلے قول پر ہیں کہ ضائع ہونے پر ضمان لازم ہوگا اور ابو حنیفہؒ اور مالکؒ دوسرے قول پر ہیں یعنی واپس کرنے کی ضمانت ہوگی۔ البتہ مالکؒ کے مذہب میں اس کی مزید وضاحت ہے وہ یہ کہ اگر وہ چیز ایسی ہے جو غائب نہیں ہو سکتی جیسے کہ حیوان اور زمین ان کے تلف ہونے پر ضمان لازم نہ ہوگی جب تک کہ اس کا کذب واضح نہ ہو جائے۔ اور اگر غائب ہونے والی اشیاء میں سے ہے جیسے کہ زیورات وغیرہ تو ان کے تلف ہونے پر ضمان لازم ہوگی جب تک کہ شہادت پیش نہ کر دے جو اس کے تلف ہونے کی گواہی دے۔ اس مسلک کا راز یہ ہے کہ متعار چیز ایک قسم کی غیر مضمون

امانت ہے جیسا کہ ابو حنیفہؒ نے کہا ہے لیکن (امام مذکورؒ) ظاہر نص کے خلاف قبول نہیں کرتے۔ اس وجہ سے انھوں نے غائب ہو سکنے اور غائب نہ ہو سکنے کا فرق کیا ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ اس قصہ میں ذکر ہے کہ بعض زرہیں جو گم ہوئیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ضامن بننے کی پیشکش کی تو انھوں نے عرض کیا۔ آج میں اسلام کو پسند کر چکا ہوں۔ کہا گیا ہے کہ کیا آپؐ نے اس کے سامنے ایک امر واجب کی (ادائگی کا) معاملہ پیش فرمایا، یا یہ فقط استحباب کا معاملہ تھا جو کہ ایک مستحسن فعل تھا اور جسے اخلاق حسنہ اور محاسنِ شریعت کا حصہ کہا جا سکتا ہے؟

بعض لوگ دوسری بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک آپؐ نے ضمان کی پیشکش فرمائی اور اگر ضمان واجب نہ ہوتی تو آپؐ اس طرح پیشکش نہ فرماتے بلکہ آپؐ اسے ویسے ہی ادا فرماتے اور فرماتے کہ یہ تیرا حق ہے. جیسے گم ہونے والی بعینہٖ موجود ہو۔ یعنی کہ آپ اسے واپس کرنے کی پیشکش نہ کرتے اس پر غور کیجیے۔

میدان جنگ میں دشمن کی سواری زخمی کی جا سکتی ہے

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دشمن کے گھوڑے اور سواری کو زخمی کرنا جائز ہے جب کہ اس سے اس کے قتل پر مدد مل سکتی ہو جیسے حضرت علیؓ نے کفار کے علم بردار کا اونٹ زخمی کر دیا اور حیوان کو اس قسم کی ایذا دہی ممنوع نہیں۔

قتل کا ارادہ کرنے والے کو معافی

نیز اس میں سے یہ بھی مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو معاف فرما دیا جس نے آپؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، بلکہ اس کو دعا بھی دی اور اس کے سینہ پر ہاتھ پھیرا، پھر وہ سچا مسلمان بن گیا۔

معجزات نبوی اور علامات رسالت

نیز اس غزوہ میں معجزات نبوت اور علامات رسالت بھی کثرت سے ظاہر ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و استقلال کا پتہ چلا جب کہ لوگ واپس ہونے لگے تو آپؐ فرما رہے تھے۔

انا النبی لا کذب　　انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں، جھوٹ نہیں　　میں عبدالمطلب کی اولاد سے ہوں

جب کہ مشرکین کے دستوں نے آپؐ کا مقابلہ کیا۔

اسی قبیل سے وہ معجزہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی پھینکی ہوئی ایک مٹھی مٹی کو دور ہونے کے باوجود کفار کی آنکھوں میں پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ دشمن کی آنکھیں بھر گئیں۔ اس کے علاوہ ملائکہ کا اتر کر قتال میں

شریک ہونا بھی ایک معجزہ تھا اور کفار اور مسلمانوں نے بھی کھل کر انھیں دیکھا۔

امام کے اختیارات خاصہ

نیز ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ امام کو اختیار حاصل ہے کہ کفار کے اسلام لانے کا انتظار کر کے غنائم تقسیم کرے اور اگر وہ لوگ اسلام اور اللہ کی اطاعت کو قبول کر لیں تو ان کے غنائم اور گرفتار شدگان کو واپس کر دے۔ اسی دلیل سے (یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تقسیم کے بعد غنیمت کی (انفرادی) ملکیت ہو سکتی ہے محض قابض ہونے سے (کوئی مالک نہیں بن سکتا) اور اگر مسلمان محض غلبہ اور استیلاء سے مالک ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو نرمی سے واپس کرنے کا حکم نہ فرماتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تقسیم سے قبل کوئی مسلمان (غانم) فوت ہو جائے تو اس کا حصہ وارثوں کی بجائے باقی مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر استیلاء سے قبل کوئی فوت ہو جائے تو اس کے وارثوں کا کوئی حق نہیں۔ اور اگر تقسیم کے بعد فوت ہو تو اس کے وارثوں کا حصہ ہوگا۔

عطائے رسول کی حیثیت اور نوعیت

اور یہ عطاء عمومی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش پر فرمائی اور اس کے ذریعے ان کی تالیف قلوب فرمائی، کیا یہ غنیمت میں سے تھی یا خمس سے یا خمس کے خمس میں سے؟

امام شافعیؒ اور مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ خمس کے خمس میں سے تھا اور یہ خود نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی حصہ تھا جسے آپؐ کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اور یہ عام مال غنائم کے علاوہ تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عطایا دیتے وقت کسی سے اذن حاصل نہیں کیا۔ اور اگر یہ عطایا مالِ غنیمت میں سے ہوتے تو آپؐ اس کی اجازت لیتے کیونکہ عام مسلمان استیلاء اور قبضہ کے بعد اس مال کے مالک ہو چکے تھے۔

انفال اللہ اور رسولؐ کے لیے ہیں

نیز یہ بھی معلوم ہے تمام انفال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔ رسولؐ انھیں وہاں تقسیم کرتا ہے جہاں اس نے حکم دیا۔ وہ کسی بات میں تعدی نہیں کرتا۔ اگر آپؐ تمام غنائم کو بھی اسلام کی مصلحتِ عمومی کی خاطر (تالیفِ قلوب وغیرہ) میں صرف فرما دیتے تو بھی یہ فعل حکمت، مصلحت اور عدل سے خالی نہ ہوتا اور جب ذی الخویصرہ تمیمی کی آنکھوں سے یہ مصلحت و حکمت اوجھل ہو گئی تو اعتراض کرنے والے نے کہہ دیا، عدل کرو کیونکہ تم نے عدل نہیں کیا۔

اور (ان کے مقابلہ) میں اس قولِ (انصار) پر اپنی مکمل نعمت نازل فرمائی اور یہ لوگ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے وطن میں واپس ہو گئے اور آپؐ ان کی قیادت فرما رہے تھے اور جو لوگ اس نعمۃ کبریٰ کی قدر نہیں پہچانتے تھے وہ بکریوں اور اونٹوں پر راضی ہو گئے جیسے طفل ناداں کہ اسے جو کچھ دیا جاتا ہے اس کی عقل اور سمجھ کے مطابق دیا جاتا ہے اور عقل مند اور صاحب خرد کو اس کی سمجھ بوجھ کے مطابق ملتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے دباؤ میں نہیں ہے کہ وہ اپنی فہم کے مطابق اس پر جبر کر سکیں اور اسے نیز اس کے رسول کو نفاذِ امر سے محروم رکھیں۔

ایک فقہی مسئلہ

نیز یہ بات بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا ہوازن کے غلام آزاد کرنے کا جی نہ چاہے (اگر وہ بھی آزاد کر دے) تو اسے ہر ایک ذلیعہ کے بدلے چھ حصص اس فیٔ سے ملیں گے جو اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائیگا۔ اس سے یہ بھی جواز نکلتا ہے کہ غلام بلکہ چوپائے کے بعض کو بعض کے ساتھ ادھار یا متفاضل فروخت کیا جا سکتا ہے۔

سنن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر تیار کرنے کا حکم دیا۔ اونٹ کم ہو گئے۔ آپؐ نے غلائص (اونٹوں) پر زائد لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ ایک کے بدلے دو دو اونٹ لیتے رہے اور سنن میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ایک حیوان کی دوسرے حیوان کے عوض نسیئۃً بیع کو منع فرمایا ہے، ترمذیؒ نے حضرت حسن سے انھوں نے سمرہؓ سے روایت کیا ہے اور صحیح بتایا ہے۔

نیز ترمذیؒ نے حجاج بن ارطاۃ کی حدیث حضرت ابوالزبیر سے انھوں نے حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے۔ انھوں نے بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک کے بدلے دو حیوان ہوتے ہوں تو نسیئاً درست نہیں اور نقد میں کوئی ہرج نہیں۔ ترمذیؒ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

ان احادیث کی بنا پر لوگوں میں اختلاف رونما ہوا چنانچہ اس سلسلہ میں چار اقوال منقول ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہ متفاضل، مساوی، نسیئۃً (ادھار) اور نقد ہر طرح جائز ہے۔ یہ ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کا مذہب ہے۔

۲۔ اور دوسرے نسیئۃً (ادھار) اور متفاضل صورت میں جائز نہیں۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ عورتوں اور تفاضل کے جمع ہونے کی صورت میں حرام ہے اور صرف ایک صورت واقع ہونے پر جائز ہے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ اگر جنس ایک ہو تو تفاضل جائز ہے۔ اور نسیئۃً حرام ہے۔ اور اگر جنس میں

اختلاف ہو تو تفاضل اور نسیہ دونوں جائز ہیں۔

اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ یہ معاملہ جہاد اور مسلمانوں کی سخت ضرورت کے موقع پر پیش آیا، جب کہ لشکر تیاری کر رہا تھا اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ لشکر کی تیاری حیوان کے حیوان کو ادھار بیچنے کے شر سے بڑا شر تھا اور امور شریعت راجح امور کی وجہ سے معطل نہیں ہوتے۔ اس کی مثال جنگ کے موقع پر ریشمی لباس پہننے اور فخر اکڑ کر چلنے میں ملتی ہے کیونکہ اس وقت یہ مصلحت مرجوح ہے۔

متعاقدین غیر معین مدت کے لیے معاہدہ کرسکتے ہیں

اس واقعہ سے اس بات کی دلیل بھی ملتی ہے کہ جب متعاقدین (عقد کرنے والے دونوں فریق) کے درمیان غیر محدود مدت موخر کی جائے تو بھی جائز ہے۔ اگر وہ دونوں راضی اور متفق ہوں۔

امام احمدؒ نے آپؐ کی روایت سے اس کے جواز پر نص فرمائی ہے کہ غیر محدود مدت مقرر کرنا جائز ہے۔ جب تک کہ وہ دونوں اسے ختم نہ کردیں۔ اور یہی راجح ہے کیونکہ یہاں اس کے مقابلہ میں کوئی محذور یا عذر نہیں اور عذر کے طور پر دونوں نے رضا و بصیرت سے اسے تسلیم کیا ہے، اس لیے علم میں دونوں برابر ہیں، اور کسی کو دوسرے پر تفوق حاصل نہیں اس لیے یہ ظلم نہ ہوگا۔

جنگ میں مقتول کافر کا مال مسلمان قاتل کی ملکیت ہے

نیز اس غزوہ میں آپؐ نے فرمایا:۔ جس نے کسی کافر کو قتل کیا ہو تو اس کا لٹا ہوا سامان (سلب) اس کا ہوگا، بشرطیکہ اس کا کوئی گواہ بھی ہو۔ اور دوسرے غزوہ میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ "اس سے قبل اس پر فقہا کا اس باب میں اختلاف ہوگیا کہ یہ شرعاً سلب کا مستحق ہے یا شرط کے بعد مستحق ہوگا؟ اس سے متعلق دو قول ہیں جو احمدؒ سے دو روایات میں ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ وہ سلب کا مستحق شرعاً ہے چاہے امام اس کے لیے شرط لگائے یا نہ لگائے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

۲۔ اور دوسرا یہ ہے کہ امام کی شرط کے بغیر مستحق نہیں، یہ ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قتال کے بعد امام کی شرط کے بغیر مستحق نہیں ہوگا اور اگر اس سے قبل ہی نص کردے تو جائز نہیں۔ مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حنین کے دن کے سوا کوئی روایت نہیں پہنچی، کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لڑائی ختم ہونے کے بعد صدقات فرمائے۔

رسولؐ اللہ کی تین حیثیتیں، منصب رسالت

اس نزع کا اصل ماخذ یہ اصول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام بھی ہیں، حاکم اور مفتی بھی، اور رسول بھی ہیں، کبھی تو آپؐ منصبِ رسالت سے حکم فرماتے ہیں۔ یہ حصہ قیامت تک شریعتِ عام بن جاتا ہے جیسے کہ آپؐ کا فرمان۔

"جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے"

رسولؐ مفتی کی حیثیت سے

اور کبھی آپؐ مفتی کی حیثیت سے حکم فرماتے ہیں، جیسے آپؐ نے ابوسفیانؓ کی بیوی ہند بنت عقبہ کو، جب اس نے اپنے شوہر کے بخل کی شکایت کی تو بقدر کفایت خرچ نہ دینے پر فرمایا۔

معروف طریقے پر اس قدر لے لے جتنا تجھے اور تیرے لڑکے کے کفایت کرسکے۔ یہ فتویٰ ہے حکم نہیں، کیونکہ آپؐ نے ابوسفیانؓ کو بلاکر ان سے جوابِ دعویٰ نہیں سنا۔ نہ ہند سے شہادت طلب فرمائی۔

رسولؐ امام کی حیثیت سے

اور کبھی آپؐ منصبِ امامت کی رو سے حکم فرماتے اور یہ حکم اس وقت اور اس جگہ اور اس حالت میں امت کے لیے ایک مصلحت بن جاتا۔ اس لیے آپؐ کے بعد ائمہ مسلمین کو چاہیے کہ وہ بھی وقت جگہ اور حالات کے اعتبار سے مصالح عمومی کا خیال رکھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ ہے۔

ائمہ کا اختلاف فکر و نظر

یہ مقام ایسا ہے کہ جہاں ائمہ کرام بیشتر مقامات پر اختلاف کر جاتے ہیں۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس نے کوئی (کافر) قتل کیا تو مقتول کا سلب (قاتل) کو ملے گا"۔ سوال یہ ہے کہ کیا آپؐ نے یہ کلام منصب امامت سے فرمایا تاکہ یہ حکم ائمہ سے متعلق ہوجائے۔ یا منصب رسالت و نبوت سے فرمایا تاکہ شریعتِ عام بن جائے۔ اس طرح آپؐ کا فرمان، کہ جس نے بنجر زمین کو آباد کیا، وہ اسی کی ملکیت ہے، تو کیا یہ ہر آدمی کے لیے عام قانون شریعت ہے، چاہے امام اجازت دے یا نہ دے، یا یہ قانون ائمہ مسلمین کی اجازت سے مشروط ہوگا؟ اور امام کی اجازت کے بغیر اس زمین کو آباد کرنے کی اجازت نہ ہوگی؟

اس میں دو قول ہیں،

۱۔ پہلا امام شافعیؒ اور احمدؒ کا ہے جو ان کے ظاہر مذہب سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ اور دوسرا ابو حنیفہؒ کا ہے اور امام مالکؒ نے بڑے بڑے صحراؤں اور ایسی جگہوں میں فرق کیا ہے جہاں لوگ محنت نہیں کرتے اور جہاں مخصوص طور پر محنت کرنا پڑتی ہے۔ دوسری صورت میں امام کے اذن کا اعتبار ہوگا اور پہلی میں اجازت کی ضرورت نہیں۔

گواہ اور بیّنہ کا مسئلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان (کہ قاتل کے پاس) کوئی گواہ (بیّنہ) بھی ہو، اس سے دو مسئلے نکلتے ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ اس نے کافر کو قتل کیا ہے، اور صرف اسی بات کو استحقاق سلب کے لیے قبول نہیں کیا جاتا۔

۲۔ دوسرے اس دعویٰ میں یمین کے بغیر ایک ہی شاہد کافی ہے؟

صحیح روایت میں حضرت ابن قتادہؓ سے ثابت ہے، انھوں نے بتایا کہ ہم حنین کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے۔ جب ہم دشمن سے ملے تو مسلمان ہٹ ہٹ کر حملے کرتے تھے۔ میں نے مشرکین میں سے ایک آدمی کو دیکھا جو ایک مسلمان کے اوپر چڑھا بیٹھا تھا۔ میں پھر کر اس کی طرف پیچھے کی جانب سے آیا اور میں نے اس کے کاندھے کے جوڑ پر (تلوار) ماری، وہ میری طرف پلٹا اور بری طرح چمٹ گیا، یہاں تک کہ مجھے موت آتی محسوس ہوئی، پھر وہ مر گیا اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس کے بعد میں حضرت عمر بن خطاب سے جا ملا۔ انھوں نے کہا، لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا، اللہ کا امر ہے۔

پھر لوگ واپس چلے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور فرمایا، جس نے کسی (کافر) کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس کوئی بیّنہ ہو، تو اس کے سلب کا وہ مستحق ہوگا۔

راوی فرماتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا اور کہا، میری گواہی کون دے گا؟ آپؐ نے تین بار یہ فرمایا اور میں اٹھتا رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابو قتادہؓ کیا بات ہے؟ میں نے تمام واقعہ عرض کیا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول اس نے سچ کہا اور اُس مقتول کا سلب میرے پاس ہے۔ اس لیے اسے اس کا حق دے دیجیے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی جانب سے لڑتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا سلب ملے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نے سچ کہا، اسے

دے دو۔ چنانچہ آپؐ نے مجھے (اس کا سلب عطا فرمایا۔ میں نے زرہ بیچ دی اور میں نے بنو سلمہ سے ایک زنبیل خریدلی۔ یہ پہلا مال تھا جو مجھے اسلام میں حاصل ہوا۔

اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں، جن میں سے یہ ایک ہے، اور یہ مذہب احمدؒ کے مطابق ہے۔
دوسرا یہ کہ شاہد اور یمین دونوں ضروری ہیں، جیسے احمدؒ کی روایات میں سے ایک روایت منقول ہے۔

تیسرا امام احمدؒ کا منصوص ہے کہ دو گواہ ضروری ہیں، کیونکہ یہ قتل کا دعویٰ ہے جو دو گواہوں کے بغیر قبول نہیں ہوسکتا۔

اس واقعہ میں ایک اور مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، وہ یہ کہ شہادت میں یہ لفظ کہ "میں گواہی دیتا ہوں" کا استعمال ضروری نہیں اور امام احمدؒ سے یہ صحیح ترین روایت ہے اگرچہ ان کے اصحابؒ کے خیال میں جو (ان مذکورہ الفاظ) کا زبان سے ادا کرنا لازمی ہے اور یہی (موخر کلام) امام مالکؒ کا مذہب ہے۔ صحابہؓ اور تابعینؒ سے لفظ شہادت کی شرط معروف نہیں۔

سلب کا خمس نکالنا ضروری نہیں

اور آپؐ کا فرمان کہ مقتول کا سلب قاتل کا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سلب کا خمس نکالے بغیر مالک تھا اور سلمہ بن اکوع کے معاملہ میں آپؐ نے صراحت بھی فرمادی، کہ جس نے کسی (کافر) کو قتل کیا تو تمام سلب (قاتل) کی ملکیت ہے۔

اس مسئلہ میں بھی تین مذاہب ہیں، ایک کا ذکر ہوچکا۔
دوسرا یہ ہے کہ غنیمت کی طرح اس کا خمس لیا جائے گا۔ یہ امام اوزاعیؒ اور اہل شام کا قول ہے، اور آیت غنیمة میں داخل ہونے کے سبب سے ابن عباسؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔
تیسرا یہ ہے کہ اگر امام کثرتِ مال دیکھے تو خمس لے لے اور اگر کم سمجھے تو خمس نہ لے۔ یہ اسحٰق کا قول ہے۔

حضرت عمرؓ کا ذاتی اجتہاد واجب العمل نہیں

اور عمرؓ بن خطاب کے فعل سے ثابت ہے سعید نے اپنی سنن میں ابن سیرینؒ سے نقل کیا کہ حضرت براء بن مالک نے بحرین میں مرزبان کا مقابلہ کیا اور اسے نیزہ مارا اور اس کی پیٹھ توڑ دی۔ پھر اس کے کنگن اور اس کا سلب لے لیا۔ جب حضرت عمرؓ نے ظہر کی نماز ادا کی تو حضرت براءؓ کے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا۔ ہم سلب کا خمس نہیں لیا کرتے تھے، لیکن براءؓ

نے سلب حاصل کیا جس کی مالیت بہت زیادہ ہے اور میں اس کا خمس لوں گا، اس طرح اسلام میں یہ پہلا خمس تھا جو حضرت براءؓ کے سلب سے لیا گیا اور یہ تیس ہزار تک پہنچ گیا لیکن پہلی صورت زیادہ صحیح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کا خمس نہیں لیا اور فرمایا کہ یہ تمام کا تمام اسی کا ہے اور اسی پر آپؐ اور آپؐ کے بعد حضرت صدیقؓ کاربند رہے۔ اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا، یہ ان کا ذاتی اجتہاد اور رائے تھی۔

خمس غنیمت میں سے ہے

اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس، غنیمت میں سے ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قاتل کو ادا فرمایا، اور اس کی قیمت اور قدر کی طرف توجہ نہ کی نیز خمس سے خمس نکالنے کا اعتبار نہیں کیا، مالکؒ فرماتے ہیں کردہ تو خمس کا خمس تھا۔

قاتل مقتول کے تمام سلب کا مستحق ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاتل مقتول کے تمام سلب کا مستحق ہے اگرچہ یہ مال بہت زیادہ مقدار میں ہو۔ اور ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے کہ ابوطلحہؓ نے حنین کے دن بیس آدمیوں کو قتل کیا، چنانچہ ان تمام کے سلب انھوں نے لیے۔

غزوۂ طائف

اہلِ طائف کے لئے ہدایت اور قبولِ اسلام کی دعا

طائف کا محاصرہ یہ غزوہ شوال ۸ھ میں ہوا، ابن سعد کہتے ہیں کہ رواۃ کا بیان ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کی طرف کوچ کا ارادہ فرمایا تو طفیل بن عمرو کو ذی الکفین کی طرف بھیجا۔ عمرو بن حممہ دوسی کا بت تھا تاکہ اسے توڑ دے اور آپ نے اسے طائف میں ملنے اور اپنی قوم سے مدد لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ تیزی سے نکلا اور ذالکفین کو توڑ کر تہس نہس کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی قوم کے چار سو افراد چل پڑے، چنانچہ طائف میں تشریف آوری کے چار دن بعد یہ لوگ بھی حاضر ہو گئے اور دبابہ اور منجنیق ساتھ لے آئے۔

ادھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین سے طائف جانے کا ارادہ فرمایا تو خالد بن ولید سامنے آئے اور بنو ثقیف نے اپنے قلعے کا ارادہ کر لیا اور اس میں اس قدر ضروریاتِ زندگی جمع کر لئے جو انہیں ایک سال تک کے لئے کافی تھے۔

جب یہ لوگ اوطاس سے شکست کھا کر بھاگے تو اپنے قلعے میں پناہ گزین ہو گئے اور دروازے بند کر دیئے اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

اہلِ طائف کی طرف سے شدید مزاحمت: اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی چل پڑے تا۔ چنانچہ آپؐ طائف کے قریب اترے اور وہاں آپ کا لشکر بھی تھا چنانچہ اہلِ طائف نے بڑی شدت کے ساتھ تیر برسائے جیسے مکڑی آ رہی ہو۔ یہاں تک کہ بعض مسلمانوں کو زخم آئے اور بارہ آدمی شہید ہو گئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر اس جگہ آ گئے جہاں آجکل طائف کی مسجد ہے۔ آپؐ کے ہمراہ آپؐ کی ازواجِ مطہراتؓ حضرت ام سلمہؓ اور زینبؓ بھی تھیں، ان کے لئے دو خیمے لگا دیئے گئے اور طائف کے محاصرے کے دوران آپؐ ان دو خیموں کے درمیان نماز پڑھتے رہے۔ آپ نے اٹھارہ روز

محاصرہ جاری رکھا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں بیس سے زیادہ دن محاصرہ جاری رہا اور آپؐ نے منجنیق گاڑ دی۔ دورِ اسلام میں پہلا ہتھیار تھا جس کے ذریعے (قلعہ توڑنے کے لئے پتھر) برسائے گئے۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں جس دن دیوار کے پاس ایک سوراخ سا ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ دبابہ کے نیچے چلے گئے اور اس کے ذریعہ دیوارِ طائف میں داخل ہوئے تاکہ اسے جلا دیں۔ بنو ثقیف نے ان پر تیر برسائے، جس کی وجہ سے بعض صحابہؓ شہید ہو گئے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے اعناب کاٹ دینے کا حکم فرمایا، چنانچہ لوگ اسی میں مصروف ہو گئے۔

رسول اللہؐ کی طرف سے منادی:

ابن سعدؒ بتاتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا کہ آپؐ انہیں اللہ اور قرابت سے بلائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں انہیں اللہ اور رحم (قرابت) سے بلاتا ہوں۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا دی کہ جو آدمی قلعے سے اتر کر ہماری طرف آجائے گا، وہ آزاد ہے اس پر دس اور کچھ آدمی حاضر ہوئے جن میں ابو بکرہ بھی تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور ہر آدمی اہل اسلام کے ایک ایک فرد کو دیا تاکہ ہر ایک دوسرے کی کفالت کرے۔ اس بات سے اہلِ طائف کو سخت صدمہ ہوا لیکن اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح طائف کی اجازت نہ ملی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن معاویہ دیلی سے مشورہ کیا اور دریافت فرمایا تمہارا کیا خیال ہے؟

انہوں نے عرض کیا، لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی اور اگر چھوڑ دی گئی تو بھی نقصان نہیں دے سکتی۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ بن خطاب کو حکم دیا کہ لوگوں کو کوچ کرنے کی اجازت سنا دی جائے۔ اس سے لوگوں کو کوفت ہوئی، کہنے لگے، طائف فتح تو ہوا نہیں اور ہم واپس چلے جائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا، کل جنگ کرو۔ صبح ہوئی تو مسلمان گھائل ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کل انشاء اللہ واپس جائیں گے۔ اس سے لوگ خوش ہوئے، اور انہیں یقین ہو گیا، چنانچہ انہوں نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔

اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے :- جب سفر کا آغاز ہوا تو آپؐ نے فرمایا یوں کہو :- آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون : لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے۔

عرض کیا گیا : اے اللہ کے رسول ثقیف پہ بددعا فرمائیے، آپؐ نے فرمایا : اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور (انہیں مطیع کر کے) حاضر کر

محاصرہ طائف میں ایک جماعت شہید ہو گئی اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جعرانہ کی طرف تشریف لے گئے اور اس مقام سے عمرے کا احرام باندھ کر (مکہ) میں داخل ہوئے اور عمرہ ادا کیا، اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے آئے۔

رسول اللہ کی مدینہ منورہ واپسی :- ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تبوک کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسی ماہ ثقیف کا وفد بھی حاضر ہوا۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب واپس ہوئے تو آپ کے پیچھے عروہؓ بن مسعود حاضر ہوئے۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچنے سے قبل آپؐ سے آملے اور اسلام قبول کر لیا اور حالتِ اسلام میں اپنی قوم کی طرف جانے کی اجازت چاہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ تمہاری قوم سے اندیشہ ہے کہ وہ تم سے جنگ کرے گی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ان لوگوں میں نخوت اور غرور ہے جس کی وجہ سے وہ قبول اسلام سے رک رہے ہیں۔

عروہؓ بن مسعود کی قبول اسلام کے بعد شہادت :- عروہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول : میں ان کے نزدیک ان کی کنواریوں سے بھی زیادہ محبوب ہوں، اور واقعی وہ ان میں ایسے ہی محبوب اور مطاع تھے، چنانچہ اپنی قوم کو اس امید پر اسلام کی دعوت دینے کے لئے چلے کہ وہ ان کے مرتبہ کے باعث مخالفت نہ کرے گی۔

لیکن اس قدر و منزلت کے باوجود جب انہوں نے اسلام کی دعوت دی اور اظہارِ اسلام کیا تو ہر جانب سے تیر برسنے لگے، چنانچہ ایک تیر ایسا لگا کہ شہید ہو گئے، نزع کے وقت پوچھا گیا کہ اپنے خون کے متعلق کیا خیال ہے ؟

کہنے لگے :- اللہ تعالیٰ نے مجھے اعزاز و اکرام بخشا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے شہادت سے نوازا ہے اس لئے مجھ میں اور ان شہداء میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شہید ہوئے کچھ فرق نہیں

اس لئے مجھے ان کے ساتھ ہی دفن کرنا۔

رسول اللہ نے ان کے متعلق فرمایا، ان کی مثال اپنی قوم میں اس طرح ہے کہ جیسے صاحب یٰس کی قوم میں تھی۔ عروہؓ کی شہادت کے کئی ماہ بعد تک ثقیف رکے رہے۔ پھر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور سمجھ لیا کہ ہر چہار طرف سے عربوں سے لڑنا ہمارے بس کی بات نہیں (کیونکہ) انہوں نے بیعت کر لی ہے اور اسلام قبول کر چکے ہیں، چنانچہ انہوں نے اس بات پر اجماع کر لیا کہ عروہ کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کوئی آدمی بھیجیں۔ انہوں نے عبد یالیل بن عمرو بن عمیر سے بات کی۔ یہ عروہ بن مسعود کا ہم عمر تھا اس نے یہ کام کرنے سے انکار کر دیا اور خطرہ محسوس کیا کہ کہیں اس کے ساتھ بھی عروہ کی طرح معاملہ نہ ہو، یہ کہنے لگا، جب تک تم میرے مزید آدمی نہ بھیجو تب تک میں یہ کام نہیں کروں گا، اس پرانہوں نے احلاف کے دو آدمی اور بنی مالک کے تین آدمی کر دیئے۔ یہ چھ آدمی تھے جنہیں بھیجا گیا، چنانچہ انہوں نے حکم بن عمرو بن وہب اور شرجیل بن غیلان کو اور بنی مالک میں عثمان بن ابی العاص اوس بن عوف اور نمیر بن خرشتہ کو بھیجا۔ یہ ان کے ہمراہ نکلے اور جب مدینہ کے قریب پہنچے، ایک نہر کے قریب اترے، یہاں مغیرہ بن شعبہ ملے (حضرت مغیرہؓ انہیں دیکھ کر) تیزی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آگئے تا کہ آپ ثقیف کے حاضر ہونے کی اطلاع کریں۔

(انہیں راستے میں) ابوبکرؓ ملے، انہوں نے فرمایا:۔ میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجھ سے پہلے نہ جانا کہ میں ہی آپؐ کو یہ خوشخبری سناؤں، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آخر ابوبکرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ثقیف کے وفد کی آمد کی اطلاع دی، جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ تو ان کے لئے مسجد کے صحن میں ایک طرف خیمہ لگا دیا گیا اور خالد بن سعد بن عاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ثقیف کے وفد کے درمیان پیغام رسانی کا کام کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بھیجا کھانا وہ اس وقت نہ کھاتے جب تک خالد اس میں سے نہ کھا لیتے۔

بنو ثقیف کا قبول اسلام:- آخر کار وہ مسلمان ہو گئے اور عہد نامہ کے وقت انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، کہ ان کا بت طاغیہ جسے لات کہتے ہیں۔ تین سال تک کے لئے رہنے دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ پھر ایک، ایک سال تک گھٹتے رہے یہاں تک کہ ایک ماہ کی مہلت مانگی لیکن آپ نے قطعی طور پر ایک لمحہ کے لئے بھی انکار کر دیا، طاغیہ (لات) کو چھوڑ دینے کے علاوہ وہ نماز کی معافی بھی چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے بت نہ

توڑنے پڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
رہا بتوں کا تمہارے ہاتھوں سے توڑنا اس سے ہم تمہیں معاف کر دیں گے لیکن نماز تو جس دین میں نماز نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی نہیں
جب یہ لوگ اسلام لے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک مکتوب لکھ دیا اور حضرت عثمان رضؓ بن ابی عاص کو ان پر امیر مقرر فرما دیا، یہ نو عمر تھے، اسی وجہ سے انہیں امیر بنایا گیا۔ کہ اسلام اور قرآن سیکھنے میں سب سے زیادہ خواہش مند تھے جب یہ اس کام سے فارغ ہوئے اور انہوں نے اپنے علاقے کی طرف واپسی کا ارادہ کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ ابو سفیان رضؓ بن حرب اور مغیرۃ رضؓ بن شعبہ کو طاغیہ (لات) کے توڑنے کے لئے بھیجا۔ یہ دونوں قوم کے ساتھ نکلے، یہاں تک کہ طائف پہنچ گئے (یہاں پہنچ کر) جب ابو سفیان رضؓ اور مغیرہ رضؓ نے لات پر کلہاڑا برسانا شروع کیا تو ثقیف کی عورتیں روتی چلاتی نکلیں اور تو تباہ ہو تو تباہ کہہ رہی تھیں۔
جب مغیرہ رضؓ نے اسے گرا دیا اور اس کا تمام مال اور زیورات لے لئے تو یہ تمام سونا چاندی اور ہار وغیرہ ابو سفیان کی طرف بھیج دیا:

غزوہ طائف سے متعلق

چند اہم ترین اور معرکہ آرا فقہی مسائل

اس واقعہ میں فقہی مسائل یہ ہیں کہ اشہر حرم میں قتال جائز ہے اور اس کی تحریم منسوخ ہو چکی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف رمضان کے اٹھارہ دن گزرنے کے بعد آخری حصہ میں تشریف لے گئے اس کی دلیل مسند احمد کی حدیث ہے مکہ میں اسماعیل نے بتایا انہیں خالد حذاء سے انہیں ابو قلابہ سے انہیں ابو اشعث سے انہیں شداد بن اوس سے روایت پہنچی کہ فتح کے موقع پر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو بقیع میں سنگیاں لگوا رہا تھا۔ اور یہ رمضان کی اٹھارہویں شب تھی اور آپ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا:-

سنگیاں لگانے اور لگوانے والے ہر دو کا افطار ہو گیا

نیز اس سے اس بات کا جواز بھی نکلتا ہے کہ انسان اپنی بیوی کے ہمراہ جنگ میں جا سکتا ہے کیونکہ اس غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات ام سلمہؓ اور حضرت زینبؓ ہمراہ تھیں۔

لڑائی میں کفار پر پتھر برسائے جا سکتے ہیں: نیز کفار کے مقابلہ میں ان پر پتھر برسانے کے لئے منجنیق لگانے کا جواز بھی ثابت ہے اور عورتوں بچوں کو قتل نہ کرنا جو جنگ میں شریک نہ ہوں۔

نیز اس میں کفار کے درختوں کے کاٹنے کا جواز بھی پایا جاتا ہے، جب یہ یقین ہو جائے کہ اس سے انہیں ضعف پہنچے گا اور انہیں غصہ آئے گا اور اس سے انہیں خوب ضرر پہنچے گا۔

مشرک کا بھاگا ہوا غلام آزاد: نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مشرکین کے قبضہ سے غلام بھاگ کر مسلمانوں سے آملے تو وہ آزاد ہو گا۔ سعید بن منصور فرماتے ہیں کہ ہمیں یزید بن ہارون سے انہیں حجاج، سے انہیں مقسم سے انہیں ابن عباس سے

روایت پہنچی ۔ انہوں نے بتایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے غلام آزاد کر دیتے تھے جو (اپنے کافر) آقاؤں کے پاس سے بھاگ آتے تھے

امام حسب مصلحت محاصرہ اٹھا سکتا ہے

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام جب کسی قلعے کا محاصرہ کرے اور وہ فتح نہ ہو اور وہاں سے کوچ کرنے میں مسلمانوں کی مصلحت مضمر ہو تو وہیں پڑا رہنا ضروری نہیں ۔ محاصرہ اٹھا لینا جائز ہے ۔ ہاں اگر مصلحت اہل اسلام محاصرے میں ہی ہو تو محاصرہ جاری رکھنا واجب ہے

عمرہ کے لئے جعرانہ سے احرام باندھنا :-

اس میں اس کا تذکرہ بھی آ گیا کہ آپ نے عمرہ کے لئے جعرانہ کے مقام سے احرام باندھا ۔ اس وقت آپ مکہ کی طرف تشریف لا رہے تھے اور طائف کی جانب سے جو آدمی مکہ میں داخل ہونا چاہے اس کے لئے یہی سنت ہے وہ طریقہ جو اکثر جہلاء کرتے ہیں کہ مکہ سے جعرانہ کی طرف جاتے ہیں تاکہ وہاں جا کر عمرے کا احرام باندھیں، پھر وہاں سے مکہ کی طرف واپس آئیں ۔ یہ کام نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ کسی صحابی رض نے کیا اور نہ اہل علم میں سے کسی نے اس کو مستحب سمجھا بلکہ اسے عوام ہی کرتے ہیں اور اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء خیال کرتے ہیں ، حالانکہ انہیں غلط فہمی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے مکہ تشریف لاتے وقت احرام باندھا تھا نہ کہ یوں ہو کہ آپ مکہ سے جعرانہ احرام باندھنے کے لئے گئے ہوں ۔ آج کا طریق اور ہے اور آپ کی سنت کا معاملہ اور ہے اور اللہ ہی کی جانب سے توفیق ہوتی ہے

بداعمالوں کے لئے دعائے خیر کی جا سکتی ہے :-

اللہ تعالیٰ نے ثقیف کے حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی کہ (اے اللہ) انہیں ہدایت دے اور (انہیں مطیع) بنا کر میرے پاس لا ، حالانکہ انہوں نے آپ سے جنگ و قتال کیا تھا ، اور آپ کے صحابہ رض کی ایک جماعت کو شہید کر دیا تھا اور آپ کے ایک قاصد کو (عروہ) بھی شہید کر دیا تھا جو انہیں اللہ کی طرف بلا رہے تھے ۔ ان تمام (بداعمالیوں) کے باوجود آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور بد دعا نہ کی ۔ یہ چیز آپ کی کمال رحمت ، شفقت اور رحمت کا ثبوت ہے ، آپ پر اللہ کی (لاکھوں) رحمتیں اور سلام ہوں ۔

اپنی نیکی دوسرے کو دی جا سکتی ہے :-

اور اسی سے حضرت صدیق رض کی کمال محبت اور آپ کے تقرب اور حد امکانی الفت کی خواہش کا پتہ چلتا ہے ۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضرت مغیرہ رض سے اصرار کیا کہ انہیں کو اس بات کا موقع دیں کہ وہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفد طائف کی آمد کی خوشخبری سنائیں تاکہ وہی آپ کی فرحت و سرور کا سبب بنیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جائز ہے کہ کوئی اپنے دوسرے بھائی سے درخواست کرے کہ وہ اسے ایک نیکی کما کر تقرب حاصل کرنے کا موقع دے، کیونکہ ہر آدمی کے لئے یہ چیز جائز ہے، کہ وہ اپنے آپ پر اپنے بھائی کو ترجیح دے اور بعض فقہا کا یہ قول فصیح نہیں کہ "نیکیوں میں ایثار کرنا جائز نہیں"۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو اپنے گھر کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارِ رحمت میں دفن ہونے کے معاملہ میں اپنے آپ پر ترجیح دے دی، اور حضرت عمرؓ نے اس کی درخواست کی تو انہیں ناگوار نہ گذری اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان خصالِ حسنہ سے متصف انسان کی نیکیاں اس مخصوص نیکی سے بڑھ جاتی ہیں جس کے متعلق وہ دوسرے بھائی کو ترجیح دے دیتا ہے۔ اس طرح وہ ایک نیکی خرچ کرتا ہے اور کئی نیکیاں حاصل کر لیتا ہے (آپ دیکھئے تو) کہ جب ایک جماعت صحابہؓ کو پیاس محسوس ہوئی اور موت قریب ہوگئی۔ کسی ایک صحابیؓ کے پاس پانی تھا، اس نے دوسرے کو اپنے آپ پر ترجیح دی اور خود موت کے منہ میں چلا گیا۔ یہ جائز کام تھا اور کسی نے یوں نہیں کہا کہ اس نے خودکشی کی یا اس نے حرام کام کا ارتکاب کیا بلکہ یہ فعل تو جود و سخا کی انتہا ہے:۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلٰى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

اور فتوح شام کے موقع پر بھی صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا تھا اور اسے ان کے خصائل و مناقب میں شمار کیا گیا

مساکن شرک و طاغوت ڈھا دیئے جائیں:۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک و طاغوت کی جگہوں کو ایک دن بھی باقی رکھنا جائز نہیں بشرطیکہ انہیں مٹانے اور ختم کرنے کی استطاعت ہو، کیونکہ یہ جگہیں شرک و کفر کی علامات ہیں جو تمام برائیوں کی جڑ ہے، اس لئے استطاعت ہوتے ہوئے انہیں قائم رہنے دینا ناجائز ہے

قبروں کے گنبد اور قبے بتکدے ہیں:۔ اسی طرح قبروں پر گنبد اور قبے کا بھی حکم ہے کہ جنہیں بت بنا لیا گیا ہے اور اللہ کے علاوہ ان کی پوجا کی جاتی ہے ایسے پتھر جن کی تعظیم کی جاتی ہے۔ نام کی نذر مانی جاتی ہے، اسے بوسہ دیتے ہیں، انہیں مٹانے کی قوت ہوتے ہوئے زمین میں ان پر ایک برائی بھی باقی رکھنا ناجائز ہے،

اور ان (مزارات) میں سے بیشتر کی حالت لات، عزیٰ اور مناۃ کے برابر ہے بلکہ یہاں تو اس سے بھی زیادہ شرک کی حرکات کا ارتکاب ہوتا ہے۔

اور ان مشرکوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ یہ بت پیدا کرتے، رزق دیتے مارتے اور زندہ کرتے ہیں بلکہ مشرکین بھی وہی کرتوت کرتے جو کہ آجکل ان کے مشرک بھائی اپنے ہاں صنم کدوں (مزارات) میں کرتے ہیں اس طرح آج (کے مشرکین) بھی اپنے سے پہلے کے (مشرکین) کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں اور ایک ایک مرحلہ پر انہیں کی اتباع کر رہے ہیں۔ جہالت کے غلبہ اور علم کے خفا کے باعث اکثر لوگوں پر شرک قبضہ کر چکا ہے ان کے نزدیک نیکی بدی بن چکی ہے اور بدی نیکی دکھائی دیتی ہے۔ سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت سمجھنے لگے ہیں، یہ بات ہر چھوٹے بڑے میں پیدا ہو چکی ہے، شعائرِ اسلام غائب ہو چکے۔ غربتِ اسلام نے شدت اختیار کر لی، علما کم ہو گئے۔ سفہا کا غلبہ ہو گیا اور معاملہ بگڑ چکا۔ تکلیف بڑھ گئی، خشکی و تری میں لوگوں کی کرتوتوں کے باعث فساد پیدا ہو گیا لیکن جماعت محمدیہؐ میں سے ایک جماعت ضرور حق پر قائم رہے گی اور اہل شرک و بدعت کا مقابلہ کرتی رہے گی، تا آنکہ اللہ تبارک و تعالیٰ زمین اور اہلِ زمین کا وارث بن جائے گا (قیامت قائم ہو جائے گی) اور وہی بہتر وارث ہے

مزارات اور صنم کدوں کی تخریب کے بعد ان کا مال ضبط کیا جا سکتا ہے:

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کو حق حاصل ہے کہ وہ ان مزارات اور صنم کدوں کو مٹانے کے بعد ان کا سرمایہ جہاد اور اہل اسلام کے مصالح میں خرچ کرے یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کہ ان صنم کدوں کا تمام مال قبضہ میں کرے اور اسے فوج اور جہاد اور اہل اسلام کے مصالح پر خرچ کرے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لات کو توڑ کر تمام مال قبضہ کر لیا اور ابوسفیانؓ کو دے کر اس کی تالیف قلب فرمائی اور اسی کے ذریعہ عروہؓ اور اسودؓ کا قرض ادا فرمایا:۔

قبروں کے گنبد اور قبے توڑ دیئے جائیں:

اسی طرح امام پر واجب ہے کہ قبروں پر بنائے ہوئے گنبدوں اور قبوں کو مٹا دے جنہیں بت بنا کر رکھ دیا گیا ہے اور اسے اس کی بھی اجازت ہے کہ یہ مال جنگ میں استعمال کرے یا فروخت کر کے مصالح اہل اسلام پر خرچ کرے۔ یہی حال ان کے وقف کا ہے کہ (ان مزارات) کا وقف باطل ہے اور ان کا مال برباد ہے، اسے اہلِ اسلام کے مقاصد پر خرچ کیا جائے گا۔ وقف تو صرف نیکی اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں ہوتا ہے، اس لئے مزار پر پختہ قبر (جو بدی کی علامت ہے) کا وقف جائز نہیں کہ اس پر قبہ بنایا جائے اور اس کے متعلق تعظیم اور نذر وغیرہ کے رسوم ادا کئے جائیں اور ان کا حج کیا جائے اور اللہ کے سوا ان کی عبادت کی

جائے، لوگوں نے انہیں صنم بنا رکھا ہے اور آئمہ سلام اور ان کے اتباع میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

وادی مرج: اس میں ایک وادی مرج کا ذکر ہوا ہے۔ یہ طائف میں ایک وادی ہے اور حرم ہے اس میں درخت کاٹنا اور شکار کھیلنا حرام ہے۔

اس میں فقہا اور جمہور کا اختلاف ہے، ان کا فرمان ہے کہ مکہ اور مدینہ کے علاوہ کہیں بھی حرم نہیں۔ البتہ ابوحنیفہؒ نے مدینہ کے حرم ہونے میں اختلاف کیا ہے

اور امام شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ وادی مرج حرم ہے اسمیں شکار کرنا اور درخت کاٹنا حرام ہے۔

وصولی صدقات کا انتظام: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے، آپ ۹ھ کو داخل ہوئے تو آپنے اعراب سے صدقات وصول کرنے کے لئے بعض مصدق (صدقہ وصول کرنے والے) بھیجے، ابن سعد کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مصدقین بھیجے، کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ کو محرم کا چاند دیکھا تو آپنے عربوں سے صدقات لینے کے لئے مصدقین بھیجے چنانچہ آپ نے عیینہ بن حصن کو بنو تمیم کی طرف یزیدؓ بن حصین کو اسلم اور غفار کے قبائل کی طرف، عبادؓ بن بشیر اشہلی کو سلیم اور مزینہ کی طرف رافع بن مکیث، کو جہینہ کی طرف، عمرو بن العاص کو بن فزارہ کی طرف ضحاکؓ بن سفیان کو بنی کلاب کی طرف، بشیر بن سفیان کو بنی کعب کی طرف اور ابن لقبیہؓ ازدی کو بنی ذبیان کی طرف بھیجا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محصلین (صدقہ وصول کرنے والوں) کو حکم دیا کہ معمولی مال ان سے لیں اور اچھا مال لینے سے پرہیز کریں۔

۹ھ کے سرایا اور بعثات

عینیہ بن حصن فزاری کا سریہ جو بنی تمیم کے خلاف تھا، وہ ذکر ہو چکا ہے۔ یہ محرم میں ہوا، اس سال آپ نے پچاس سواروں کا ایک سریہ ان کی طرف بھیجا جس میں مہاجرین اور انصار میں سے کوئی نہ تھا۔ یہ لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپتے، آخر صحرا میں انہوں نے دشمن پر اچانک حملہ کیا اور ان کے مویشی آ گئے، جب کثیر تعداد میں دشمن مقابلہ میں آیا ——— تو آکر ان میں سے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر لائے اور انہیں لے کر مدینہ پہنچے اور انہیں رملہ بنت حرث کے گھر میں اتارا گیا۔ چنانچہ ان کے بڑے بڑے سردار عطارد بن حاجب، زبرقان بن بدر، قیس بن عاصم، اقرع بن حابس، قیس بن حرث، نعیم بن سعد، عمرو بن اہتم اور رباح بن حرث حاضر ہوئے جب انہوں نے اپنے ہی قبیلے کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار دیکھا تو بہت روئے اور جلدی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جا کر آواز دی اے محمد باہر آئیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کی اقامت کہہ دی، یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گویا چپک گئے اور باتیں کرتے رہے، آپ ان کے پاس ٹھہرے رہے، پھر تشریف لا کر ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھ گئے، عطارد بن حاجب آگے بڑھا، اس نے گفتگو شروع کی اور نثر میں خطاب کیا۔

آپ نے ثابت بن قیس بن شماس کو جواب دینے کا حکم دیا، انہوں نے خوب جواب دیا۔ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ان الذین ینادونك من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون و لو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم و اللہ غفور رحیم ⁂

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گرفتار شدگان اور غلام واپس کر دیے۔

پھر بنی تمیم کا شاعر زبرقان کھڑا ہوا اور اپنی قوم کے مفاخر میں ایک نظم پڑھی، اس کے جواب میں شاعر

اسلام حضرت حسان بن ثابت کھڑے ہوئے اور اس کی نظم کا فی البدیہہ جواب دیا اور حق ادا کر دیا۔
جب حضرت حسانؓ فارغ ہوئے تو اقرع بن حابس کہنے لگا :۔ بے شک آدمی جس کے پاس ہم حاضر ہوئے ہیں) اس کا خطیبؓ ہم سے زیادہ (فصیح) خطیب ہے اور اس کا شاعرؓ ہم سے زیادہ اچھا شاعر ہے اور ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے بلند ہیں - پھر یہ لوگ اسلام لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انعام عطا فرمایا اور انعامات میں خوب خوب عطیات مرحمت فرمائے -

وفد بنو تمیم اور شاعر رسولؐ :۔ ابن اسحاقؒ بتاتے ہیں، جب بنو تمیم کا وفد آیا اور مسجد میں داخل ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی، کہ اے محمد ہماری طرف آؤ،
تو ان کی واویلا کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی، آپؐ ان کی طرف نکلے، یہ لوگ کہنے لگے :۔
ہم آپ کے پاس شاعر اور خطیب کے ذریعہ مفاخرت کا مقابلہ کرنے کے لئے آئے ہیں، آپ نے ان کا مقابلے کا چیلنج قبول کر لیا، چنانچہ عطارد بن حاجب کھڑا ہوا اور اس نے نثر میں خطاب کیا - نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابتؓ بن قیس بن شماس کو اس کے جواب دینے کا حکم دیا، وہ کھڑے ہوئے اور جواب دیا اور جواب دینے کا حق ادا کر دیا - پھر جانبین کے شعراؑ کا مقابلہ ہوا - آخر کار اقرع بن حابس نے اپنی شکست کا اقرار کیا اور وہ لوگ مسلمان ہوئے اور انعامات حاصل کئے -

---

قطبہ بن عامر بن حدیدہؓ کا خشعم کی طرف سریہ

یہ سنہ ۹ھ میں صفر میں وقوع پذیر ہوا۔ ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطبہ بن عامر کو بیس آدمیوں کو خشعم کو تبالہ کی جانب ایک قبیلے کی طرف بھیجا اور اغارت کا حکم دیا۔ یہ لوگ دس اونٹوں پر سوار ہوکر گئے۔ انھوں نے ایک آدمی کو پکڑا اور اس سے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی، وہ خاموش ہوگیا، پھر وہ چیخنے لگا، اور بستی والوں کو آگاہ کرنے لگا، انھوں نے اس کی گردن کاٹ دی، پھر وہیں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ بستی والے سو گئے۔ پھر انھوں نے بستی پر غارت گری کی، اور سخت ترین جنگ ہوئی، یہاں تک کہ دونوں جانب کافی لوگ زخمی ہوئے اور قطبہ بن عامر دوسروں کے ساتھ قتل ہوا۔

مسلمان چوپائے، عورتیں اور بکریاں لے کر مدینہ واپس لائے۔ اس قصہ میں یہ بھی ذکر ہے کہ دشمن جمع ہوگئے، اور ان کے پیچھے بھاگے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلے میں سیلاب بھیجا اور ان کے اور مسلمانوں کے درمیان سیلاب حائل ہوگیا۔ چنانچہ مسلمان بکریاں۔ چوپائے اور گرفتار شدگان کو لے کر جا رہے تھے اور وہ (سیلاب کے باعث) کھڑے بے بس دیکھ رہے تھے اور اسے عبور کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ مسلمان نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

بنو کلاب کے خلاف ضحاک بن سفیان کا سریہ

ضحاک بن سفیان کلابی کا سریہ جو کہ بنو کلاب کے خلاف سنہ ۹ھ ربیع الاوّل میں واقع ہوا، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو کلاب کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ ضحاک بن سفیان بن عوف طائی اور اصید بن سلمہ ان کے ہمراہ تھے"۔ اصید کا والد پہلے اسلام لے آیا لیکن پھر اسلام کو گالی دی، مختصر سے مقابلے کے بعد اصید نے اسے قتل کر دیا، اس کے بیٹے کو قتل نہ کیا۔

حبشہ کی طرف علقمہ بن مجزز مدلجی کا سریہ

یہ ۹ھ کے ربیع الآخر میں واقع ہوا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ اہل جدہ بعض اہل حبشہ کی طرف امید سے دیکھ رہے ہیں۔ آپؐ نے حضرت علقمہؓ بن مجزز کو تین سو آدمیوں کے ہمراہ بھیجا۔ یہ ایک جزیرہ میں پہنچے۔ چنانچہ وہ لوگ واپس بھاگ گئے۔ واپسی پر بعض لوگوں نے جلدی سے اپنے گھر واپس آنا چاہا۔ انھوں نے ان کو اجازت دے دی۔

عبداللہؓ بن حذافہ سہمی نے بھی جلدی سے آنا چاہا۔ انھیں بھی اجازت دے دی۔ ان کا آپس میں مزاح بھی چل رہا تھا، چنانچہ جب یہ کسی جگہ اترے اور انھوں نے آگ جلائی جیسے سینکنے لگے تو انھوں نے کہا:

میں نے ارادہ کیا ہے کہ کیا تم آگ میں کود پڑو؟

چنانچہ کچھ لوگ اٹھے اور تیار ہو گئے، یہاں تک کہ انھیں یقین ہو گیا واقعی یہ کود جائیں گے۔

اس پر علقمہ کہنے لگے، میں تو تم لوگوں سے مذاق کر رہا تھا۔

واپسی پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا۔

جو گناہ کا حکم دے اس کی اطاعت مت کرو۔

بنی طے کے بتوں کو توڑنے کے لیے

حضرت علی بن ابی طالب کی سرکردگی میں ایک سریہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ڈیڑھ سو انصار کے ہمراہ ایک سو اونٹوں اور پچاس گھوڑوں پر بھیجا، ان کے پاس ایک سفید اور ایک سیاہ جھنڈا تھا۔ یہ لوگ فلس تک گئے جو طے قبیلہ کا بت تھا تاکہ اسے گرا دیں، چنانچہ انہوں نے فجر کے وقت حاتم کے محلہ پر چھاپا مارا اور اسے مٹا دیا اور چوپائے بکریاں اور قیدی جو انکے ہاتھ لگے، نیز عدی بن حاتم کی بہن بھی گرفتار کر لی گئی۔ خود عدی شام کی طرف بھاگ گیا۔ ان کے گھر سے تین تلواریں، تین زرہیں ملیں، ابو قتادہؓ کو قیدیوں کا محافظ مقرر کر دیا گیا۔ اور چوپاؤں اور غلاموں پر عبد اللہ بن عتیک کو نگہبان بنا دیا گیا۔ راستہ میں ہی غنائم تقسیم کر دیئے گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ (صفی) الگ کر لیا گیا اور آل حاتم پر جب تک کہ وہ مدینہ حاضر نہیں ہوئے، کچھ تقسیم نہ کیا گیا۔

عدی بن حاتم کی رسول اللہ صلعم سے نفرت: ابن اسحٰقؒ بتاتے ہیں کہ عدی بن حاتم نے کہا عربوں میں اس قدر کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر نہ تھا جس قدر میں تھا، جونہی میں نے آپؐ کے متعلق سنا۔ میں ایک شریف نصرانی آدمی تھا اور اپنی قوم میں مرباع میں رہا کرتا تھا۔ اپنے خیال کے مطابق میں ایک صحیح دین پر تھا اور اپنی قوم کا سردار بھی تھا۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سنا تو مجھے تنفر ہو گیا، اور میں نے اپنے ایک عربی غلام سے کہا جو میرے اونٹوں کا چرواہا تھا کہ تیرا باپ نہ ہو، میرے اونٹوں کو موٹا تازہ بنا دے اور انہیں میرے قریب ہی رکھ جب تو سنے کہ محمد کے عساکر طے کے علاقہ کو روند رہے ہیں تو مجھے اطلاع دینا۔

اس نے ایسا ہی کیا، ایک صبح میرے پاس آیا اور کہنے لگا اے عدی جب محمد کے عساکر گھیر لیں گے تو پھر تم کیا کرو گے؟ اب موقع ہے کچھ کر لو، کیونکہ میں نے جھنڈے دیکھے ہیں۔

میں نے ان کے متعلق پوچھا تو جواب ملا کہ یہ محمدؐ کا لشکر ہے۔

عدی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا۔ میرے اونٹ جلدی لاؤ۔ وہ اونٹوں کو لے آیا۔ میں نے اپنے اہل و عیال کو ان پر سوار کیا اور کہا:۔

میں شام میں اپنے نصرانی بھائیوں کے پاس جا رہا ہوں۔

حاتم کی ایک لڑکی کو میں شہر میں ہی چھوڑ گیا۔

جب میں شام آیا اور یہاں اقامت پذیر ہو گیا تو میرے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عساکر آئے اور حاتم کی لڑکی کو دیگر گرفتار شدگان کے ساتھ لے گئے اور طے کے قیدیوں کے ساتھ اسے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے متعلق شام کی طرف فرار ہونے کی خبر مل چکی تھی۔

حاتم کی لڑکی پر آپ کا رحم و کرم:۔ آپؐ (حاتم کی لڑکی) کے پاس سے گذرے، اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ، قاصد (سہارا) گم ہو گیا۔ والد مر گیا اور میں ایک بڑھیا عورت ہوں کوئی خادم نہیں، اس لئے اللہ کے فضل سے مجھ پر احسان فرمائیے۔

آپؐ نے دریافت فرمایا، تیرا سرپرست کون ہے؟

کہنے لگی، عدی بن حاتم

آپؐ نے فرمایا، وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے فرار ہو گیا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ مجھ پر احسان کیجئے، جب آپؐ واپس ہوئے، اس وقت آپ کے ہمراہ حضرت علیؓ تھے، انہوں نے مشورہ دیا، آپؐ سے سواری مانگو، کہتی ہے کہ میں نے (سواری) کی درخواست کی، آپؐ نے سواری عطا فرما دی اور (عدی) کو حاضر کرنے کا حکم دیا

(عدی) کہتے ہیں کہ آخر میری بہن میرے پاس آئی اور کہنے لگی تو نے وہ کام کیا ہے جو تیرے باپ نے نہ کیا تھا، آپؐ کے پاس رغبت سے یا ڈر سے حاضر ہو کیونکہ آپ کے پاس فلاں حاضر ہوا۔ تو اسے اسے انعام ملا۔ فلاں حاضر ہوا۔ اسے بھی انعام ملا

عدی بن حاتم خدمت نبوی میں | عدی بتاتے ہیں کہ میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ مسجد میں تشریف فرما تھے لوگ کہتے ہیں یہ عدی بن حاتم ہے۔ اور میں بغیر کسی امان اور تحریر کے حاضر ہو گیا تھا۔

جب اس نے مجھے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے قبل میں یہ کہا کرتا تھا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انؐ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا، آخر آپ اپنے گھر میں تشریف لائے، ایک بچی نے (وسادہ وگدا) بچھایا، آپؐ اس پر بیٹھ گئے اور میں

آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔

آپؐ نے اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا، تجھے کس چیز نے بھگایا؟ کیا تو اس کلمہ سے بھاگتا ہے لآ الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کیا تو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو اللہ (معبود) مانتا ہے؟

میں نے کہا: نہیں! پھر آپؐ نے کچھ دیر باتیں کیں، پھر فرمایا تو اس کلمہ سے بھاگتا ہے کہ "اللہ اکبر" (اللہ سب سے بڑا ہے) کیا تیرے نزدیک اللہ سے کوئی بڑا ہے؟

میں نے جواب دیا نہیں!

پھر آپؐ نے فرمایا، یہود پر (اللہ کا غضب ہے اور نصاریٰ گمراہ ہو چکے ہیں

میں نے کہا میں حنیف مسلم ہوں۔

عدی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپؐ کا چہرہ فرحت سے کھل گیا۔ آپؐ نے مجھے حکم دیا۔ تو میں ایک انصاریؓ کے پاس ٹھہرا اور دن میں دو بار حاضر ہوتا رہا۔ اس اثنا میں آپؐ کے پاس ایک جماعت حاضر ہوئی، جس نے روئی کے کپڑے پہن رکھے تھے (افلاس کے سبب) (عدی) کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور کھڑے ہوئے اور ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، پھر فرمایا:۔

اے لوگو! اپنی دولت میں سے کچھ خرچ کرو۔ اگرچہ ایک صاع ہو، نصف صاع ہو، ایک مٹھی ہو یا مٹھی کا کچھ حصہ ہو جس کے ذریعے تم جہنم کی گرمی یا آگ سے اپنے چہرے کو بچاؤگے اگرچہ ایک کھجور ہو یا کھجور کا ایک ٹکڑا ہو۔ اگر یہ بھی نہ ملے تو میٹھے بول ہی سے سہی، جب تم میں سے کوئی اللہ سے ملے اور ملنے والا یوں کہے،

کیا میں نے تجھے مال اور اولاد نہ دی تھی؟

وہ کہے گا، ہاں!

وہ پوچھے گا اپنے لئے تو نے کیا آگے بھیجا:۔

تو وہ اپنے سامنے پیچھے، دائیں بائیں دیکھے گا اور جہنم کی گرمی سے اپنے چہرے کو بچانے کے لئے کچھ نہ پائے گا۔

اس لئے تمہیں چاہیئے کہ اپنے چہرے کو دوزخ کی حرارت سے بچاؤ، اگرچہ کھجور کے ٹکڑے سے ہی ہو سکے، اگر یہ بھی نہ ملے تو میٹھے بول سے کیونکہ مجھے تم پر افلاس اور فاقہ کے باعث

سے کچھ خطرہ نہیں، اللہ تعالیٰ دور کرنے والا ہے اور عطا کرنے والا ہے یہاں تک کہ یثرب اور حیرۃ کے درمیان ایک عورت گذرے گی اور اسے کہیں بھی چوروں کا خوف محسوس نہ ہو گا۔

عدی کہتے ہیں کہ میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ اُس وقت طے قبیلہ کے چور کہاں جائیں گے؟

واقعہ کعب بن زہیر

ایک دشمن اور باغی سے رسول اللہ کا عفو و درگزر

یہ واقعہ طائف سے واپسی اور غزوۂ تبوک کے درمیان ہوا۔ ابن اسحٰق بتاتے ہیں کہ جب نبیؐ طائف سے واپس تشریف لائے تو بجیر بن زہیر نے اپنے بھائی سعد کو خط لکھا اور اطلاع دی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ایسے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے جو کہ آپؐ کی ہجو کرتے اور ایذا دیتے تھے اور شعرائے قریش میں سے جو باقی ہیں یعنی ابن زبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب وہ اس طرح فرار ہوئے کہ ان کا کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔ اس لیے اگر تیرے دل میں کچھ لگا ڈھو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جا۔ کیونکہ جو بھی آپؐ کے پاس تائب ہو کر مسلمان ہو کر حاضر ہوتا ہے۔ آپ اُسے قتل نہیں کرتے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اپنا انتظام کر لے۔

اس نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا اور جواب میں چند اشعار لکھ بھیجے۔ پھر بجیرؓ نے کعب کو خط لکھا اور اشعار میں اسے اسلام کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ اگر اسلام قبول نہ کیا تو ایک دن ایسا آئے گا کہ تم نجات نہ پا سکو گے۔

کعب کو جب یہ خط ملا تو اس پر زمین تنگ ہو گئی اور اسے اپنے متعلق خطرہ ہوا اور کہنے لگا مجھے قتل کر دیا جائے گا۔

جب کچھ چارہ کار نظر نہ آیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور اپنے خوف و ہراس، اپنے دشمن کی طرف سے چغلی کا ذکر کیا۔ اس کے بعد وہ مدینے حاضر ہوا اور جہینہ کے ایک آدمی کے پاس ٹھہرا جس سے پہلے ہی سے مراسم تھے۔

صبح کو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ صبح ادا کی تو اس نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ رسول اللہ ہیں اٹھ

اور ان سے امان کی درخواست کر۔

مجھے بتایا گیا، کہ وہ اٹھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جا کر بیٹھ گیا۔ اور اپنا ہاتھ آپؐ کے ہاتھ پر رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہچانتے نہ تھے۔ اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول کعب بن زہیر آپؐ سے امان کی درخواست کرنے حاضر ہونا چاہتا ہے جو تائب اور مسلمان ہو کر حاضر ہے اور عرض کیا، اگر میں اسے آپؐ کی خدمت میں لے آؤں تو آپؐ اس کی درخواست قبول فرما لیں گے۔

دشمن کو معاف کر دینے کا وعدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں!

اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں کعب بن زہیر ہوں۔ ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ مجھے عاصم رضؓ بن عمر بن قتادہ نے بتایا کہ انصار میں سے ایک صحابی اچھل کر اٹھے اور عرض کیا۔

اے اللہ کے رسولؐ مجھے اجازت دیجیے۔ میں اللہ کے اس دشمن کی گردن مار دوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اسے رہنے دے، وہ تائب ہو کر حاضر ہوا ہے۔

راوی کہتے ہیں اس پر انصار کے اس قبیلہ پر کعب کو غصہ آیا۔ اس وجہ سے کہ مہاجرین نے بھلائی کے سوا کچھ بات نہ کی۔ اس نے اس موقعہ پر قصیدہ لامیہ پڑھا جس میں اس نے ابتدا میں اپنی محبوبہ اور اس کی اونٹنی کی تعریف کی (اور پھر دربار رسولؐ میں حاضر ہونے سے متعلق پر زور اشعار کہے۔

فہرس

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر